ذکرِ عزیز
حیات و خدمات
حضرت صاحبزادہ عزیز احمد رحمۃ اللہ علیہ
ترتیب و تالیف
پروفیسر صاحبزادہ محمد مسعود احمد

حیات و خدمات

حضرت صاحبزادہ عزیز احمد رحمۃ اللہ علیہ

آستانہ عالیہ مکان شریف کھڑی

ترتیب و تالیف

پروفیسر صاحبزادہ محمد مسعود احمد

ضابطہ

نام کتاب	ذکرِ عزیز
تالیف و ترتیب	پروفیسر صاحبزادہ محمد مسعود احمد
طبع اوّل	2003ء
کمپوزنگ	محمد شفیق سیالوی۔ سیرے۔ تحصیل پھالیہ
تعداد	گیارہ سو
زیرِ انصرام	خانقاہِ مکان شریف، گُفری (خوشاب)

☆☆☆

انتساب

"ذکرِ عزیز"

بانی خانقاہِ مکان شریف،
حضرت الشیخ میاں عبدالعزیز قدس سرہ العزیز
کے اسمِ گرامی سے منسوب
کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

اے کہ تا نامِ تو آرائشِ عنواں بخشید
صفحۂ نامہ بشادابی برگِ سمن است

خاکِ پا

مسعود احمد

فہرست

موضوعات	صفحہ نمبر

حرفِ آغاز

حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ میں چراغ لے کے تمام شہر میں پھرا کہ کوئی انسان نظر آئے مگر نظر نہ آیا۔ موجودہ دور تو روحانیت کے اعتبار سے بالکل تہی دست اور قحط الرّجال کا شکار ہے۔ ایسے انسان جنہیں ایک بار دیکھنے اور ملنے کے بعد دوبارہ دیکھنے اور ملنے کی خواہش پیدا ہو، معدودے چند ہیں۔ اس معاملے میں میری نظر کی کسوٹی تو بہت کم حوصلہ واقع ہوئی ہے۔ بھری دنیا میں خوبصورت اور توانا لوگ جنہیں دیکھ کر دیکھتے ہی رہنے کو جی چاہے، انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ گو ایسے لوگ اب بھی موجود ہیں کہ اُنہی کے دم قدم سے جہان آباد ہے، پر بہت کم۔ وگرنہ بہت تو اس روحانی افلاس کے دور میں کہیں دور جا بسے ہیں۔ بقول میر تقی میر ؎

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

حضرت عزیز احمدؒ اُنہی باکمال اور ناقابلِ فراموش انسانوں میں سے ایک تھے۔ بظاہر سادہ اور آزاد منش دکھائی دینے والے عزیز احمد، بہت توانا باطن رکھتے تھے۔ قریب سے دیکھنے والوں کو بھی کبھی اُن کے اندر کی گہرائی و گیرائی کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ غم، دکھ، درد جذبات، احساسات اور باطنی کیفیات، بس جو کچھ تھا، شائد بند ہونٹوں تک تو کبھی آیا ہو، بھیگی آنکھ اور کھلے ہونٹ مشاہدہ میں کبھی نہیں آئے۔ اہلِ تصوف اسی کو تسلیم و رضا کا نام دیتے ہیں۔ فرماتے تھے کہ والدِ گرامیؒ سے سیکھا کہ ''توحید نسیانِ حوادث کا نام ہے۔'' اس قاعدے کلیے کے مطابق دیکھا جائے تو خود بہت بڑے موحّد تھے۔

عبادات کی فرضیّت کو ملحوظ رکھتے ہوئے معاملات کی اہمیت ہمہ وقت نظر میں رہتی۔ اپنے پرائے سے بس مروّت و محبت کا معاملہ۔ مروّت سے زیادہ محبت کے قائل تھے۔ جس میں تکلف نہیں فطری پن عیاں ہوتا۔ دل سے چاہنے والے، ٹوٹ کر پیار کرنے والے،

فقط دل کی بات ہی زباں پر آتی ۔ ٹھنڈا مزاج، حوصلہ فراخ، سراپا تحمل و برداشت اور رحمت و رافت پیکر اخلاص و محبت تھے۔ طبعی سنجیدگی کے باوصف چہرہ ہمہ وقت ایک غیر محسوس مسکراہٹ سے کھلا کھلا محسوس ہوتا۔ یمن، برکت اور کشش ہمہ وقت ان کے وجود کو گھیرے رہتی ۔ باطن کی مقناطیسیّت دلوں کو اپنی طرف کشش کرتی اور لوگ اس توانا باطن رکھنے والے سادہ و آزاد انسان کو بار بار دیکھنے اور ملنے کی جستجو میں رہتے۔ اللہ اللہ! کیا خوبصورت اور خوب سیرت انسان تھے۔ ان کے مزار پُر انوار پر قیامت تک اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں۔ آمین

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ کے ایما پر 1992ء میں مشائخ مکان شریف کے احوال اور افکار و نظریات پر مشتمل ایک کتاب ''ہوالحمید'' کے نام سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔ جس میں آپؒ کا مختصر تعارف بھی شامل تھا۔ 3 اکتوبر 1995ء کو آپ کے انتقال کے بعد آپ کی شخصیت و خدمات کے حوالے سے ایک ایسی جامع تالیف کی ضرورت محسوس ہوئی جس میں سوانحی حالات کے ساتھ ساتھ آپ کے افکار، تعلیمات اور خدمات کا تفصیلی جائزہ موجود ہو۔ اللہ رب العزت کا ہزار شکر کہ اس نے ''ہوالحمیدؒ'' کی ترتیب و تالیف کی طرح اب کے بھی اس خاکسار کو یہ اعزاز بخشا اور توفیق ارزانی فرمائی کہ اس اہم اور خیر و برکت کے کام کو سرانجام دیے ؎

اگر سیاہ دلم ، داغِ لالہ زارِ تو اَم
وگر کشادہ جبینم ، گلِ بہارِ تو اَم

کتاب کے لئے حصولِ مواد کے معاملے میں مجھے اکثر دِقت کا سامنا رہا۔ لکھنے والوں کی عدیم الفرصتی آڑے آئی۔ بار بار ان کی خدمت میں جانا پڑا۔ ٹیلیفونک رابطے تو حساب سے باہر ہیں۔ بعض احباب نے تو سرے سے ہی مایوس کیا حالانکہ وہ آپؒ کے شاگردانِ رشید میں سے تھے۔ بہت رنج و تعب اٹھائے تب جا کر کتاب پایہ تکمیل کو پہنچی۔ مگر اب یہ حرفِ شکایت کیوں بقولِ غالب ؎

سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالب
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کے اوصاف وکمالات کے بارے میں جن شخصیات نے اپنے ذاتی علم ووقوف کی بنیاد پر گراں قدر آرا اور ہدیہ توصیف وعقیدت پیش کئے، وہ انہی حضرات کے الفاظ میں شامل کئے گئے ہیں۔ساتھ یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ تمام مندرجات مستند اور قابلِ اعتبار ہوں تاکہ ایک سچے اور سُچے باخدا انسان کے حالات میں صداقت کارفرما ہے۔

میں نے ممکن حد تک کوشش کی ہے کہ ایسے واقعات وروایات کے لکھنے سے، جو خرقِ عادت کی ذیل میں آتے ہوں، اجتناب کیا جائے۔صرف ان خصائص کا ذکر کیا جائے جن سے آپ کی شخصیت کی صحیح اور واضح تصویر ابھر کر سامنے آئے اور قارئین ایک گوشت پوست کے انسان میں کمالاتِ روحانی کے واضح نقوش دیکھ سکیں۔کیونکہ بے داغ اور توانا شخصیت خود بہت بڑی کرامت ہے اور کرامات سے کہیں زیادہ دلوں پر انمٹ نقوش چھوڑتی ہے۔

مجھے اپنی کمزور استعداد وصلاحیت اور علمی کم مائیگی کا پوری طرح اعتراف ہے۔اس لئے کتاب کے مواد، ترتیب اور اسلوب میں اگر کہیں کوتاہی نظر آئے تو اربابِ علم ودانش سے پیشگی اعتذار کے ساتھ چشم پوشی کی درخواست ہے کہ یہی اُن کے شایانِ شان ہے۔

اظہارِ تشکر کے سلسلے میں سب سے پہلے میں حضرت صاحبزادہ محمد حامد عزیز حمیدی صاحب مدظلہ العالی، صاحبِ سجادہ خانقاہِ مکان شریف گُفری کی ذاتِ والا صفات کے لئے سراپا سپاس ہوں، جنہوں نے مجھے اپنے والدِ گرامی حضرت صاحبزادہ عزیز احمد رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات کی تالیف وترتیب کی اجازت مرحمت فرمائی اور اس طرح میرے لئے سعادتِ دارین کے حصول کا ذریعہ بنے۔آپ نے مسودہ پر نظر ثانی کر کے ضروری اصلاح فرمائی اور اس کی طباعت واشاعت کا اہتمام بھی کیا۔مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ آپ کی توجہ اور تعاون ورہنمائی میری دستگیر نہ ہوتی تو کتاب قارئین تک نہ پہنچ سکتی۔اللہ کریم انہیں اپنے اَب وجَد اور مشائخ عظام کے درجات ومقامات میں سے حصہ کثیر عطا فرمائے۔آمین

ان محترم احباب کا شکریہ بھی مجھ پر واجب ہے، جنہوں نے اس کتاب کی

ترتیب و تہذیب کے سلسلے میں گراں قدر مشوروں سے نوازا۔ ان میں برادرِ بزرگ صاحبزادہ محمد مکرم الدین صاحب معظمی، پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب اور پروفیسر ڈاکٹر صاحبزادہ معین نظامی صاحب خاص طور پر شامل ہیں۔

عزیز القدر صاحبزادہ محمد کمال الدین صاحب معظمی، عزیز گرامی صاحبزادہ محمد ظہیر الدین صاحب معظمی، مولانا بابر حسین بآبر صاحب، علامہ محمد نور الحق حمیدی صاحب اور مولانا محمد شرف الدین صاحب نے بڑی عرق ریزی سے پروف ریڈنگ کی، جس کیلئے میں ان حضرات کا ممنون ہوں۔

حاجی محمد شفیق سیالوی صاحب، انچارج شعبہ کمپیوٹر سیکشن ''روزنامہ جذبہ'' گجرات نے بڑی محبت اور لگن سے کمپوزنگ کی۔ میں اِس دُعا کے ساتھ ان کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا کہ اللہ رب العزت اپنے مقبولانِ بارگاہ کے طفیل انہیں اولادِ نرینہ سے نوازے۔ جناب محمد عثمان غنی نے تصاویر بہم پہنچائیں۔ میں ان کا بھی شکرگزار ہوں۔

ناقدر شناسی ہوگی اگر میں یہاں جناب زاہد شیخ، مینجر دُعا پبلیکیشنز لاہور، عزیز حافظ محمود الحسن صاحب، جناب منظور احمد قمر، جناب طارق محمود فیصل آبادی اور محمد بلال خان کی معاونت کا ذکر نہ کروں، جنہوں نے کتاب کی طباعت و اشاعت میں فراخدلانہ تعاون کیا۔

محمد مسعُود احمد

9- جون 2003ء بروز سوموار

۸- ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ

خانقاہِ معظمیہ

معظم آباد شریف۔ سرگودھا

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ

حیات و خدمات

صاحبزادہ محمد مسعود احمد

''وادیِ سُون سکیسر''.............. چھوٹی چھوٹی کئی وادیوں' پہاڑی سلسلوں' جھیلوں اور چھوٹے بڑے 26 گاؤں پر مشتمل ایک خوبصورت اور صحت افزا علاقہ وادیِ سُون کہلاتا ہے اس کی وجہ تسمیہ کچھ اس طرح بیان کی جاتی ہے۔

سُون سکیسر، ''سوہن''، ''سکی'' اور ''سر'' کے تین سنسکرت الفاظ کا مجموعہ ہے۔ ''سوہن'' کے معنی خوبصورت کے ہیں یہ لفظ مرُورِ زمانہ کے ساتھ ''سوہن'' سے ''سُون'' کی شکل اختیار کر گیا ''سکی'' سے مراد ''سکی منی گوتم'' ہے جو مہاتما بدھ کا نام ہے ''سر'' کا لفظ سنسکرت میں تالاب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس وادی کے قصبہ اُچھالی کے قریب ایک جھیل واقع ہے' جس کے گرداگرد بدھ مت کے پیروکار (150ء) آباد تھے۔ اس دور میں اس جھیل کو ''سکی منی گوتم'' کی ''سر'' کہا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس خوبصورت وادی کو سُون اور اس پہاڑی سلسلے کی بلند ترین چوٹی پر واقع ایک صحت افزاء مقام کو ''سکیسر'' کہا جانے لگا۔ اس طرح اس علاقے کا نام ''وادیِ سُون سکیسر'' پڑ گیا۔

اس وادی کے باسیوں میں غالب اکثریت اعوان قوم کی ہے۔ اعوان قبیلہ اپنے آپ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی اولاد گردانتا ہے۔ اعوانوں کے مورثِ اعلیٰ قطب شاہ، اولادِ عباسؓ علمدار سے ہیں۔ قطب شاہ کی اولاد میں کچھ لوگ علوی اور کچھ اعوان مشہور ہوئے۔ اعوان قوم کے اجداد بنیادی طور پر بغداد کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے اور ان کی اولاد نے وہاں سے ہند کا سفر کیا اور یہاں مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے۔ یہ قوم شجاعت و بسالت، خودداری اور غیرت مندی جیسے اوصاف سے متصف تھی۔

''کُفری'' وادیِ سُون کے مرکزی شہر نوشہرہ سے 6 کلومیٹر مغرب کی طرف اور سکیسر سے 18 کلومیٹر مشرق میں واقع ہے۔ کُفری کے نام کے بارے میں یہ تاثر عام ہے کہ یہ لفظ شائد کفر سے ماخوذ ہے۔ گویا اس قصبہ میں صرف کافر ہی رہتے ہونگے یا اس میں زیادہ کفر ہوتا ہوگا، جس کی وجہ سے اس کا نام کُفری پڑ گیا۔ جو اہالیانِ قصبہ کے لئے نیک فال نہیں۔

لیکن جب ہم سنسکرت کی ڈکشنری اٹھا کر دیکھتے ہیں تو اس نام کے بڑے

خوبصورت معنی سامنے آتے ہیں۔ سنسکرت میں گُفری اس پہاڑی مقام کو کہا جاتا ہے جس سے قدرتی پانی نکلتا ہو۔ لہٰذا اس مقام کا یہ نام اس لئے پڑا کہ اس کے نواحی پہاڑوں سے چشمے نکلتے ہیں۔

گُفری دامنِ پہاڑ کے ساتھ لڑھکتا ہوا ایک خوش منظر گاؤں ہے۔ یونین کونسل گُفری **1961**ء کو وجود میں آئی۔ اور اس کی آبادی بارہ ہزار کے قریب ہے۔ اس میں مشائخ عظام کے چھ مزارات ہیں۔ قصبہ کے شمال میں ''خانقاہِ مکان شریف'' مرجع خلائق ہے۔

حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمتہ اللہ علیہ (۱۲۶۷۔۱۱۸۳ھ) کے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ (۱۳۰۰۔۱۲۱۶ھ) کے دورِ سجادگی میں چشتیہ سلسلے کی تعلیمات بڑے منظم انداز میں لوگوں پر اثر انداز ہوئیں۔ آپ نے اپنی خانقاہ میں سینکڑوں نابغہ، روزگار ہستیاں پیدا کیں۔ جنہوں نے ملک کے گوشے گوشے میں پھیل کر اسلامی تعلیمات کی ترویج کے ساتھ ساتھ لوگوں کی اخلاقی و روحانی بیماریوں کا شافی علاج بھی کیا۔ افغانستان، ایران، ترکی، مصر، عراق، سعودی عرب، بنگال، برما اور دیگر ممالک میں آپ کے خلفاء نے اسلامی روایات اجاگر کرنے اور تصوّف کی مقدس تعلیمات پھیلانے میں مؤثر کردار ادا کیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق خواجہ سیالویؒ کے خلفا کی تعداد اسّی کے قریب ہے۔

حضرت خواجہ شمس العارفین سیالویؒ کے خلفاء کے قائم کردہ تربیتی مراکز میں سے ایک مرکز موضع گُفری میں ''مکان شریف'' کے نام سے قائم ہوا۔ خواجہ سیالویؒ کے مرید و خلیفہ حضرت میاں عبدالعزیزؒ نے اس خانقاہ کے بانی کی حیثیت سے مخلوقِ خدا کی علمی اور اخلاقی و روحانی حالت سنوارنے کا بیڑہ اٹھایا۔

حضرت میاں عبدالعزیزؒ کو خلافت کی ذمہ داری سونپنے سے پہلے خواجہ سیالویؒ نے اپنے ایک خلیفہ سیّد میاں امام الدین کشمیریؒ کو گُفری بھیجا کہ وہاں خانقاہ کے قیام کے لئے حالات کا جائزہ لیں۔ زمانی تقدیم کے لحاظ سے حضرت میاں امام الدینؒ کا مختصر تعارف پہلے پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت میاں صاحبؒ کشمیری الاصل تھے۔ کشمیر سے ہجرت کر کے پنجاب آئے۔ زاہد مُرتاض تھے۔ اُنہیں اتباع رسول میں کمال حاصل تھا۔ سترہ مستند صوفیائے کرام سے خرقۂ خلافت پایا۔ ان کی زندگی سادگی کا مرقع تھی۔ موٹے کھدر کی قمیض اور چادر، سر پر عمامہ اور پاؤں میں کھڑاؤں پہنتے تھے۔ انہیں حضرت خواجہ شمس العارفین سیالویؒ سے بے پناہ عقیدت و محبت تھی۔ ان کے روحانی کمالات اور خلوص و نیاز کی بنا پر خواجہ سیالویؒ نے انہیں خرقہ ءخلافت عطا کیا۔

حضرت میاں امام الدینؒ بہت کم گو تھے۔ لہجہ نرم اور دھیما تھا۔ شرافتِ طبع، خودداری، توکل، استغنا اور تالیفِ قلب جیسے اوصافِ حمیدہ سے متصف تھے۔ ان کا انتقال معظم آباد (سرگودھا) میں ہوا اور یہیں دفن ہیں۔

حضرت میاں صاحبؒ کے حکم پر مولانا عبدالغفور صاحب کے والد نے خانقاہ کی تعمیر کے لئے تقریباً آٹھ کنال رقبہ نذر کیا۔ جہاں آپ نے جامع مسجد کی بنیاد رکھی اور یہی جگہ ''خانقاہِ مکان شریف'' کے نام سے منسوب ہوئی۔

حضرت میاں عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ

حضرت میاں عبدالعزیزؒ 1832ء میں کفری کی اعوان قوم کے قبیلہ شہال میں میاں محمد یارؒ کے گھر میں پیدا ہوئے۔آباؤاجداد کا پیشہ کاشتکاری تھا۔آپ کا خاندان نجابت وشرافت ،سخاوت ،صلہ رحمی ،انصاف پسندی ،مہمان نوازی اور علم دوستی جیسے اوصاف سے متصف تھا۔

حضرت میاں صاحب نے قرآن پاک کی تعلیم موضع سبھرال میں حاصل کی۔ قرآن کریم حفظ کرنے کا اسقدر شوق تھا کہ کام کاج میں بھی سبق یاد کرتے رہتے تھے۔ حصولِ علم کے بعد روحانی تربیت کے لئے حضرت خواجہ شمس العارفین سیالویؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔طویل ریاضت کے بعد مرشدِ کامل نے خرقہءِ خلافت عطا کیا۔

حضرت سیالویؒ سے میاں صاحب قبلہ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ان کی خدمت میں حاضری کے لئے جب کُفری سے عازمِ سفر ہوتے تو جوتے اتار دیتے اور تقریباً ڈیڑھ سو کلو میٹر کا فاصلہ برہنہ پا طے کر کے سیال شریف پہنچتے۔جب سفر مقدس کا ارادہ باندھتے تو آپ پر ایک عجیب وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی۔جو کچھ پاس ہوتا صدقہ کر دیتے۔ادب و نیاز کا یہ عالم تھا کہ سیال شریف سے واپسی پر اس اہتمام سے چلتے کہ شہرِ محبوب کی طرف پیٹھ نہیں ہوتی تھی۔وہاں قیام کے دوران میں کبھی چارپائی پر آرام نہیں کیا۔

حضرت میاں عبدالعزیزؒ کی دلپذیر شخصیت ،اوصافِ حمیدہ کا ایک حسین مرقع تھی۔آپ دنیا اور دنیاداروں سے ہمیشہ بیزار رہے۔آپ نے خانقاہ کی مسجد کی دیوار پر جلی حروف میں یہ حدیث لکھوا رکھی تھی۔

اَلدُّنیَا جِیفَۃٌ وَ طُلَّابُھَا کِلَابٌ

انگریز نے جب گھوڑی پال سکیم کے تحت اراضی کی تقسیم شروع کی تو معززین علاقہ نے چند قطعہ ہائے زمین کے حصول کے لیے آپ پر بہت زور دیا۔لیکن آپ نے دو

شجرہ نسب حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ بن حضرت میاں عبدالحمیدؒ قوم شہال، اعوان
بمطابق جمعبندی 1865ء موضع گفری ضلع شاہ پور
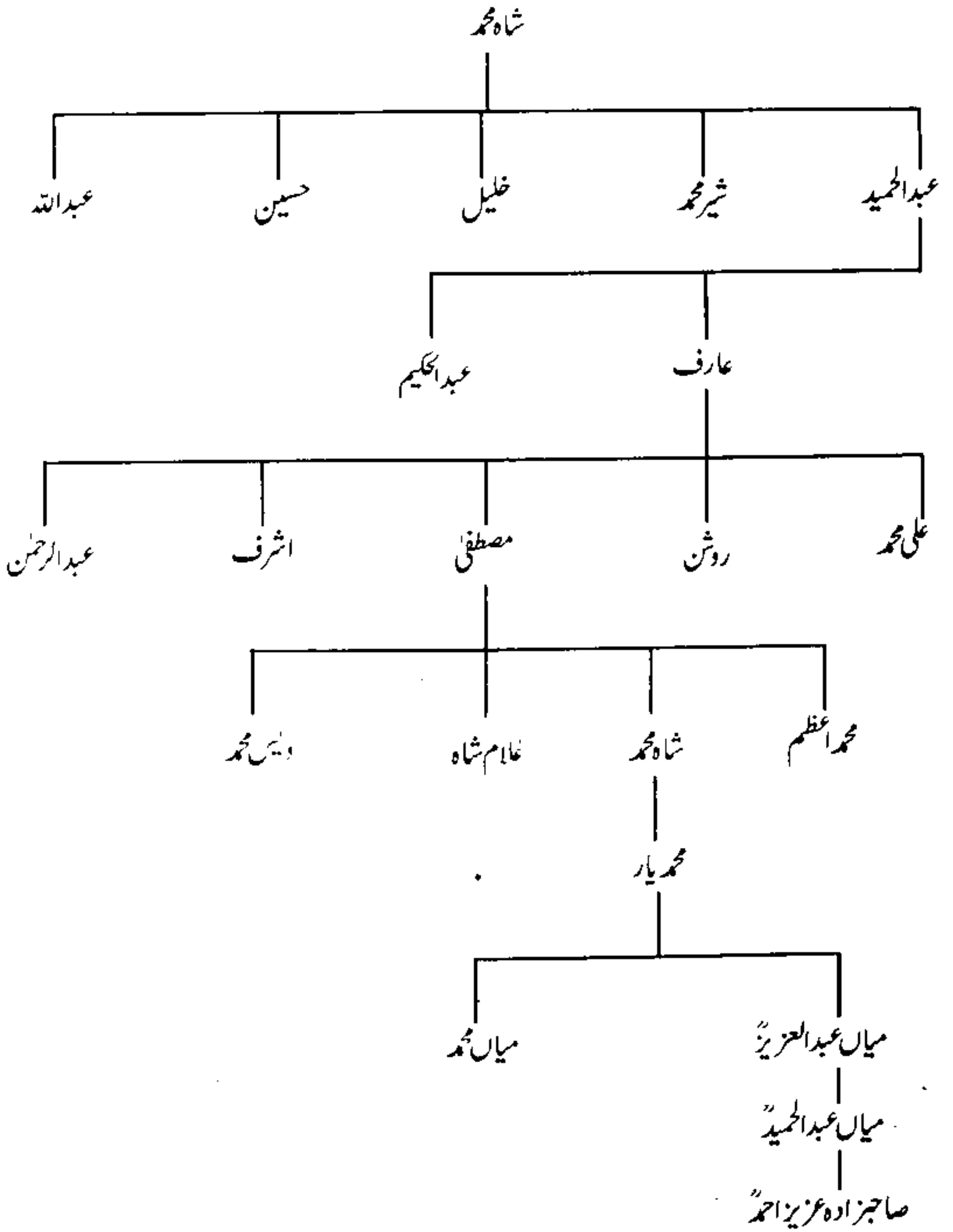
(نوٹ)۔ اعوان قوم کے شاہ محمد کے نام سے ان کی اولاد ''شہال'' کہلائی۔

ٹوک الفاظ میں انکی پیشکش ٹھکرادی اور فرمایا!

''درویش اور عطائے انگریز، کائنات کی دو متضاد قدروں کا تطابق محال ہے۔
حضرت پیر سیال نے جو کچھ عطا کر رکھا ہے وہی کافی ہے۔''

چشتیہ سلسلہ کے صوفیاء کو سماع کا ذوق بارگاہِ ایزدی سے خاص طور پر ودیعت ہوا ہے۔
حضرت میاں صاحبؒ میں بھی سماع کا ذوق بدرجہ اتم موجود تھا۔ صاحبزادہ عزیز احمدؒ راوی ہیں کہ ایک روز مکان شریف کی جامع مسجد میں بابا میراں بخش خاکسار بیٹھا، ماضی کی یاد میں آنسو بہا رہا تھا۔ میں نے پوچھا ''بابا جی کیا یاد کر کے رو رہے ہو؟'' اس نے رومال سے آنسو پونچھتے ہوئے جیب سے چاندی کا ایک روپیہ نکالا، جس پر انسانی ہاتھ کے انگوٹھے کا نشان کندہ تھا۔ میں نے حیرت سے سوال کیا ''یہ نشان کیسا ہے؟'' بابا میراں بخش نے کہا، ''ایک بار میں آپ کے دادا جی (حضرت میاں عبدالعزیزؒ) کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے قوالی کی فرمائش کی۔ میں نے مولانا جامی کا فارسی کلام پڑھا تو آپ پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی۔ جیب سے یہ روپیہ نکال کر مجھے دیا۔ آتشِ شوق نے، جو آپ کی رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوئے تھی، ہاتھ میں پکڑا ہوا سکہ پگھلا دیا اور اس پر انگوٹھے کا نشان کندہ ہوگیا۔''

حضرت میاں عبدالعزیزؒ کو حضرت داتا گنج بخشؒ سے بڑی عقیدت تھی۔
حضرت داتا صاحبؒ اکثر میاں صاحبؒ کے روحانی معاملات میں تصرّف فرماتے تھے۔
حضرت میاں عبدالحمیدؒ راوی ہیں کہ مکان شریف کی مسجد کے صحن میں ایک لکڑی گڑی ہوئی تھی۔ والدِ گرامی (حضرت میاں عبدالعزیزؒ) اس کے ساتھ ٹیک لگا کر کشف المحجوب کا مطالعہ کرتے تھے۔ میں اکثر ایک سفید ریش بزرگ آپ کے پاس بیٹھے دیکھتا، جو کچھ دیر بعد دفعتہً غائب ہو جاتے۔ ایک روز آپ نے مجھے بتایا کہ یہ بزرگ حضرت داتا گنج بخشؒ ہیں جو کشف المحجوب کے مشکل مقامات سمجھنے میں میری مدد فرماتے ہیں۔

حضرت میاں صاحبؒ کی وسیع المشربی کا یہ عالم تھا کہ غیر مسلموں سے بھی اچھے اخلاق سے پیش آتے۔ وہ لوگ آپ کے اخلاقِ حسنہ پر فریفتہ تھے۔ لڑائی جھگڑے اور

مقدموں کے فیصلے کے لئے ان کی نظر میں آپ سے بڑھ کر کوئی شخص قابلِ اعتماد نہیں تھا۔

حضرت میاں صاحبؒ کی بصیرت اتنی تیز تھی کہ آپ پر ہر شخص کی خامیاں ظاہر ہو جاتی تھیں۔لیکن اخلاق کی عظمت کو کیا کہیئے ،کسی بھی موقع پر خطا کار لوگوں کو شرمندہ کرتے تھے اور نہ ہی کسی پر تعزیر عائد کرتے تھے۔ بلکہ آپ کی کوشش یہ ہوتی کہ دانشمندانہ نصائح اور اچھی مثالوں سے لوگوں کے نقائص دور کئے جائیں اور انہیں بھلائی کی طرف راغب کیا جائے۔آپ ہر شخص سے اس کی صلاحیت اور سمجھ کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔

کچھ عرصہ بیمار رہ کر 1927ء میں عالمِ بقا کو سدھارے اور اپنی خانقاہ کے شمال مشرقی کونے میں دفن ہوئے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ نے آپ کے انتقال پر فرمایا،''میں نے حضرت میاں صاحبؒ کی روح مشائخ کی ارواحِ مقدسہ کے درمیان اسطرح دیکھی ہے جس طرح دلہن اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ میں ہوتی ہے۔''

حضرت میاں عبدالحمید رحمتہ اللہ علیہ

حضرت میاں عبدالحمیدؒ ، حضرت میاں عبدالعزیزؒ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ 1902ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت سے پہلے آپ کے والدِ گرامی نے ایک خواب دیکھا، جس میں ان کی ملاقات ایک بزرگ سے ہوئی، جنہوں نے آپ کو ایک آئینہ دکھایا۔ اس کے چار کونوں پر چار بزرگوں کے نام لکھے تھے۔ اس بزرگ نے میاں صاحب سے کہا! ''اللہ کریم تمہیں ایک فرزند عطا کرے گا جو ان بزرگوں، (جن کے نام آئینہ پر لکھے تھے) کے سلسلہ طریقت کو خوب بڑھائے گا۔'' غالباً وہ بزرگ مشائخِ چشت میں سے تھے۔

حضرت میاں عبدالحمیدؒ نے قرآن پاک کی تعلیم اپنے گاؤں کے میاں سوہنا صاحب اور میاں نظام الدین صاحب سے حاصل کی۔ علومِ دینیہ کے حصول کے لئے سیھرال، بندیال، ہزارہ اور تونسہ شریف کے مدارس میں قیام رہا اور والدِ گرامی کے انتقال (1927ء) تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

والد صاحب کے انتقال کے بعد حضرت خواجہ محمد ضیاء الدّین سیالویؒ (۱۳۴۸ھ) نے آپ کو خانقاہ مکان شریف کا دوسرا سجادہ نشین مقرر کرتے ہوئے خرقۂ خلافت عطا کیا۔ اس موقعہ پر حضرت سیالویؒ نے وادیِ سُون کے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

''میاں صاحبؒ کا وجود تمہارے لئے خیر و برکت کا سرچشمہ ہے۔ اے اہلِ سُون! میاں صاحب کو تمہارے درمیان چھوڑ کر میں نے تمہارا حق ادا کر دیا ہے۔''

حضرت میاں عبدالحمیدؒ اپنے 50 سالہ عہدِ جانشینی میں اسلاف کی روایات زندہ رکھنے اور تصوف کے تابندہ اصولوں پر کاربند رہنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ قریب سے آپ کی زندگی کا مطالعہ کرنے اور آپ کی مجلس میں بیٹھنے والوں کو دنیائے روحانیت کے زرّیں نظامی دور کا کیف حاصل ہوتا تھا۔ حضرت میاں صاحبؒ کے انہی روحانی کمالات کا تصرّف ہے کہ آج بھی آپ کی خانقاہ میں ایسی ہی بوباس محسوس ہوتی ہے، جو اولیائے

متقدمین کے روحانی مراکز میں پائی جاتی تھی۔

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ نے آپ کے انتقال پر کیا خوب فرمایا تھا۔

''میاں صاحب اولیائے متقدمین کی آخری کڑی تھے جو آج ہم کھو بیٹھے ہیں۔''

حضرت میاں صاحبؒ کو اپنے شیخِ طریقت سے بے پناہ محبت تھی۔ تمام عمر شیخ کے احکام کی تعمیل کو فرضِ عین سمجھا۔ مذہبی ہدایات کی تعمیل تو ایک مردِ صالح کی سرشت میں ہوتی ہے اور اپنے آپ کو اطاعت کے سانچے میں ڈھال لینا اس کے لئے قدرے آسان ہوتا ہے، لیکن رواروی کے اس پُر آشوب دور میں سیاسی احکام کی تعمیل زندگی کا تلخ ترین تجربہ ہوتا ہے۔ سیاسی مصلحتوں کی چکا چوند میں بڑے بڑوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ لیکن حضرت میاں صاحب کے جذبۂ اطاعت اور مستقل مزاجی کو کیا کہیئے کہ آپ کے طویل زمانۂ سجادگی میں ایک موقعہ بھی ایسا نہیں آیا جب آپ اپنے شیخ کے ایسے فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے کسی مصلحت کا شکار ہوئے ہوں یا آپ نے ایسا سوچا بھی ہو کہ کاش ایسا حکم نہ ہوتا۔ تحریکِ پاکستان سے 1970ء کے الیکشن تک آپ نے حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ کی ہر پکار پر لبیک کہا اور وادیِ سُون میں آپ کے سیاسی مشن کو آگے بڑھانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

حضرت میاں صاحبؒ اپنے زمانے کے زاہد مُرتاض بزرگ تھے۔ لیکن مزاج میں خشکی نام کو نہیں تھی۔ آپ عبادت و ریاضت کے ساتھ ساتھ سخن فہمی اور شعر شناسی کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی لائبریری میں عربی، فارسی اور اردو کے نابغۂ روزگار شعراء کے کئی ایک دیوان موجود تھے۔

فارسی میں جامی، نظامی، حافظ شیرازی، خسرو، بیدل اور اُردو شاعری میں غالب، اقبال، فانی، عدم اور ندیم کا مطالعہ کرتے تھے۔

حضرت میاں صاحبؒ کی زندگی سادگی کا مرقع تھی۔ آپ کی مجلس میں کبھی رعب و دبدبہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ نہایت منکسر المزاج تھے۔ دروازے پر نہ کوئی دربان نہ حاجب، جو بھی آتا بلا روک ٹوک آپ کی خدمت میں پہنچ جاتا، اپنے دکھڑے سناتا اور آپ کی مختصر، مگر

دلآویز گفتگوسن کر اپنے آپ کوساون کے برسے ہوئے بادل کی طرح ہلکا پھلکا محسوس کرتا۔

آپ کا دستر خوان، باوجود معاش کی عدم فراخی کے، بہت وسیع ہوتا۔ ہر آنے والے کو اصرار کر کے کچھ نہ کچھ ضرور کھلاتے تھے۔ آپ نے اپنی مجلسوں میں بارہا یہ حدیث بیان فرمائی۔

من زار حیاً ولم یذق منه شیئاً فکانه زار میتاً O

ترجمہ:۔ جو کسی سے ملنے گیا اور اس سے کچھ کھایا نہ پیا۔ وہ گویا کسی مردہ کے پاس گیا۔

حضرت میاں صاحبؒ کی ذات میں سخاوت کا وصف قدرت کی طرف سے ودیعت تھا۔ ''قرار در کفِ آزادگاں نگیرد مال'' کے مصداق روزانہ جو کچھ آتا، ہاتھوں ہاتھ محتاجوں اور مسکینوں میں بٹ جاتا۔ کوئی سیّد زادہ سائل آجاتا تو حرمتِ خونِ رسول ﷺ کی پاسداری میں اس پر انعام واکرام کی بارش برسنے لگتی۔

دنیا سے بے نیازی و بے توجّہی آپ کی فطرتِ ثانیہ تھی۔ معاملات دنیوی چاہے ذاتی ہی ہوں، آپ ان سے لاتعلق رہتے تھے۔ اپنی موروثی زمین تک نہیں دیکھی تھی۔ فرماتے تھے کہ والدِ مکرّم سے مجھے جو ورثہ ملا ہے وہ زمین یا مال و دولت نہیں، اپنے شیخ کی محبت اور استغنا و خودداری ہے۔ آپ نے اس نعمتِ عظمٰی کی پاسداری اس حد تک کی کہ زندگی بھر دنیاوی شان وشوکت اور جاہ ومنصب کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔

دوشنبہ، 9 رجب المرجب 1397ھ بمطابق 27 جون 1977ء کو آپ کا انتقال ہوا اور اپنے والد گرامی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

حضرت صاحبزادہ عزیز احمد رحمتہ اللہ علیہ

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ کی ولادت، وادیِ سُون سکیسر کے خوش منظر اور صحت افزا گاؤں کُفری میں حضرت میاں عبدالحمیدؒ کے ہاں، ان کی شادی کے پندرہ برس بعد ۱۲ ذوالحج ۱۳۵۵ھ بمطابق 23 فروری 1937 بروز منگل ہوئی۔ حضرت میاں صاحب کی دو شادیاں تھیں اور دونوں یکے بعد دیگرے چک 74 شمالی (سرگودھا) کے اعوان قبیلہ سے تعلق رکھنے والے ایک بزرگ میاں گُل محمد مرحوم کی صاحبزادیوں سے انجام پائیں۔ پہلی زوجہ محترمہ سے صرف ایک صاحبزادی ہوئیں اور دوسری مائی صاحبہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادے کی نعمت سے نوازا۔

صاحبزادہ صاحبؒ کی پیدائش چونکہ طویل انتظار اور بڑی حد تک مایوسی کے بعد ہوئی، لہٰذا اہلِ خاندان اور اہلِ علاقہ نے جی بھر کے خوشی کا اظہار کیا۔ تہنیت کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ حضرت میاں صاحبؒ اکلوتے بیٹے کی ولادت پر بہت مسرور تھے۔ گھر میں جو کچھ تھا، تحدیثِ نعمت کے طور پر صدقہ کر دیا اور اظہارِ تشکّر کے لئے اپنے شیخِ طریقت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدّین سیالویؒ (1981ء) نے ''عزیز احمد'' نام تجویز کیا۔ تاریخی نام ''عزیز احمد درویش صفت'' اور ''عزیز احمد نغمہ سنج'' ہے۔ حضرت خواجہ محمد حسین معظم آبادیؒ (۱۳۶۰۔۱۳۱۷ھ) نے، جن کے حضرت میاں صاحبؒ سے قابلِ رشک دیرینہ مراسم تھے، آپ کی پیدائش پر خط لکھ کر اس شعر سے ہدیہِ تبریک پیش کیا۔

> ہزار شکر کہ از لطفِ قادرِ جاوید
> شگفتہ شد گلِ دولت بوستانِ امید

ترجمہ:۔ قادرِ مطلق کا ہزار شکر ہے کہ اس کے کرم سے امید بر آئی ہے اور گلشن میں نعمت کا پھول کِھلا ہے۔

حضرت میاں صاحبؒ بیان کرتے ہیں کہ عزیز احمد صاحب کی ولادت پر راحت وانبساط کے باوجود ان کے مستقبل کے بارے میں ایک خلش ہمہ وقت دل میں رہتی۔ چنانچہ ابھی وہ چند دن کے تھے کہ میں نے استخارہ کیا تو خواب میں نومولود کو یہ شعر پڑھتے دیکھا۔

من شاخِ درختم پُر از میوهٔ توحید

ہر راہگزرے سنگ زند عار نیاید

ترجمہ:۔ میں شجرِ توحید کی ثمر بار ٹہنی کا ایسا پھل ہوں، جسے لوگ پتھر مارتے ہیں تو عار محسوس نہیں ہوتا۔

چار سال، چار ماہ اور چار دن کے ہوئے تو صوفیا کی روایت کے مطابق بسم اللہ کی تقریب ہوئی۔ حضرت خواجہ غلام سدید الدین معظم آبادیؒ (1989ء) نے آیۃ کریمہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ O پڑھا کر باقاعدہ تعلیم کا آغاز کیا۔قرآن کریم حاجی محمد امیر مردوالوی اور دیگر اساتذہ سے ناظرہ پڑھا۔اس دوران شیخ نور محمد صاحب سے تختی کی مشق لیتے رہے۔حساب بھی انہی سے سیکھا۔سکول میں داخل ہوکر باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی۔اس کے باوجود عظیم مذہبی سکالر اور بہترین ادیب کہلائے۔

درسِ نظامی کے فارسی نصاب میں کریما، مصدر فیوض، گلستان، بوستان، سکندر نامہ وغیرہ اور عربی نصاب میں صرف، قانونچہ شاہ ولایت سے شرح جامی تک اور منطق میں ایساغوجی سے قطبی تک تمام کتابیں والدِ گرامی سے پڑھیں۔

حضرت میاں صاحبؒ نے خود بڑی محنت وریاضت سے علم حاصل کیا تھا۔ دور دراز علاقوں بندیال، تونسہ شریف اور غور غشتی (ہزارہ) میں واقع مدرسوں میں عُسرت اور کس مپرسی کے عالم میں کہنہ مشق اساتذہ کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔نامور اور تجربہ کار اساتذہ کی شب و روز محنت ونگرانی اور میاں صاحبؒ کے ذوقِ طلب نے حصولِ علم کے جملہ مراحل آسان بنا دیئے اور کم عمری میں وہ ایک تجربہ کار مُدرس بن کر علم وآگہی اور عرفان وشعور کے خزانے لٹانے لگے۔صاحبِ روحانیت معلّم سے اگر اکتسابِ علم کیا جائے تو اس کے اثرات و نتائج بہت گہرے اور دیرپا ہوتے ہیں ۔ اس کی ایک جھلک

صاحبزادہ صاحبؒ کی شخصیت میں دیکھی جا سکتی ہے۔ دورہ حدیث کے دوران حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار احمدؒ کے سامنے بخاری شریف کی عبارت پڑھی تو آپ نے پوچھا: ''صرف ونحو کس سے پڑھی ہے۔'' صاحبزادہ صاحبؒ نے عرض کیا: ''والد گرامی سے'' فرمایا: ''ہاں والد کی محنت معلوم ہوتی ہے۔''

صاحبزادہ صاحبؒ اپنے والد گرامی کے اندازِ تعلیم کے بارے میں فرماتے تھے کہ آپ کے پڑھانے کا انداز بڑا دلنشین تھا۔ گلستان سعدی اور سکندر نامہ کے اشعار پڑھتے ہوئے آپ کی پلکوں سے آنسو موتیوں کی طرح ٹپکنے لگتے۔ اشعار کی تشریح مثالیں دے کر کرتے تھے۔ سبق یاد نہ ہونے پر سرزنش فرماتے تھے۔ مار کھانے میں مَیں بڑا سادہ واقع ہوا تھا۔ ایک دفعہ میں نے آپ کے ڈنڈے کی ضرب سے بچنے کے لئے پشت پر قمیض کے نیچے ''تڈی'' (کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی) باندھ لی اور دل ہی دل میں خوش تھا کہ اگر مار پڑی تو تکلیف کم ہوگی۔ چنانچہ جونہی سبق بھولا، ڈنڈا اچلا، تڈی پر پڑنے سے تڑاخ کی آواز آئی تو میری معصومیت اور سادگی کا راز کھل گیا۔ آپ نے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' غلطی پکڑے جانے اور مزید سزا پانے کے خوف سے میری زبان گنگ ہوگئی۔ میں مبہوت ہو کر رہ گیا۔ آپ نے میرے چہرے کی سراسیمگی سے معاملہ بھانپ لیا کہ اس نے سزا کے خوف سے یہ ڈرامار چایا ہے۔ ہنس پڑے اور فرمایا: ''جاؤ سبق یاد کر کے آیا کرو۔''

جدید سائنسی دور سے قبل جب زیادہ سہولتیں میسر نہیں تھیں تو حصولِ علم میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ایک دفعہ صاحبزادہ صاحبؒ نے اپنے تعلیمی دور کے مسائل کا اسطرح ذکر کیا کہ ہم مکان شریف کی جامع مسجد میں بیٹھ کر مطالعہ کیا کرتے تھے۔ ان دنوں بجلی نہیں تھی اور لالٹین بھی دستیاب نہیں ہوتی تھی۔ اسلئے مٹی کے دیئے میں کڑوا تیل جلایا جاتا تھا۔ اس کی انتہائی مدھم روشنی میں کہ بمشکل کتاب کی سطریں نظر آتیں، ہم پڑھا کرتے۔ تیل کے کڑوے دھویں سے آنکھوں سے پانی بہنے لگتا اور کبھی درد بھی ہونے لگتا۔ لیکن حصولِ علم کی لگن میں تکلیف کا احساس نہیں ہوتا تھا۔

حضرت میاں صاحبؒ نے ایک لائق اور شائستہ استاد کی طرح جہاں

صاحبزادہ صاحبؒ کی تعلیمی صلاحیتیں اجاگر کرنے کے لئے محنت کی وہاں ان کی اخلاقی و روحانی تربیت کا بھی خاطر خواہ خیال رکھا۔ عادات واطوار کی اصلاح پر زور دیتے اور سیرت طیبہ کے مطالعہ کی تلقین فرماتے تھے۔ اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، کھانے پینے، گھر کے اندر اور باہر کے مشاغل، لوگوں سے علیک سلیک اور روابط غرض ان کا ہر گوشۂ زندگی آپ کے پیش نظر رہتا۔ معمولی کوتاہی پر بھی گرفت کرتے لیکن نرم اور مثبت انداز میں سمجھا دیتے تھے۔

صاحبزادہ صاحبؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ باواجی صاحب نے مجھے طلب فرمایا۔ میں حاضر ہوا تو آپ صحن میں کھڑے تھے اور میں سیڑھیوں سے اترتا ہوا آخری سیڑھی پر رک گیا۔ دراصل آپ کے سامنے جاتے ہی میں مرعوب ہو جاتا اور سوچنے سمجھنے کی تاب نہیں رہتی تھی۔ خیر آپ نے جو کہنا تھا کہا اور میں واپس آ گیا۔ لیکن چہرے کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ کوئی بات آپ کو ناگوار گزری ہے۔ اگلی دفعہ جب میں حاضرِ خدمت ہوا تو تنبیہ فرمائی کہ بیٹے کو باپ سے اونچی جگہ کھڑے ہو کر مخاطب ہونا زیب نہیں دیتا۔

دس بارہ برس کی عمر میں، زمانۂ طالبعلمی میں پہلی مرتبہ اپنے والدِ گرامی کے ہمراہ سیال شریف حاضر ہوئے اور حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدّین سیالویؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ اس موقع پر خواجہ سیالویؒ نے فرمایا: ''تمہارے دادا جی کی بیعت خواجہ شمس العارفینؒ سے اتنی مضبوط ہے کہ آئندہ سات پشتوں تک نئی بیعت کی ضرورنہیں''۔ پھر آپ نے دسترخوان پر اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور ایک نوالہ چبا کرانہیں عنایت فرمایا۔

اس سفرِ شوق کی معمولی جزئیات بھی آپ کو ہمیشہ یاد رہیں۔ فرماتے تھے کہ خوشاب بس سٹینڈ پر ہم بس کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ چچا عبدالحق صاحب بھی ہمراہ تھے۔ حضرت باواجی صاحب نے میرے لئے چائے اور مٹھائی منگوائی۔ میں سڑک سے گزرنے والے سائیکل سواروں، کاروں اور پیدل چلنے والوں کو معصومانہ حیرت سے دیکھ کر یہ سوچ رہا تھا کہ یہ کھاتے پیتے گھرانوں کے لوگ، جو کاروں اور گاڑیوں پر بھاگتے پھرتے ہیں، بڑے بےفکر اور خوشحال ہیں۔

حضرت باواجی صاحب نے نورِ بصیرت سے میرے وسوسۂ قلب سے آگاہ ہو

کر سوال کیا، ''عزیز احمد! کیا سوچ رہے ہو؟'' میں ابھی کوئی جواب نہ دے پایا تھا کہ آپ نے نسوار تھوکتے ہوئے، عارفانہ انداز میں ارشاد فرمایا: ''بیٹا! یہ لوگ دنیا دار ہیں۔ صرف ظاہری کرّ وفر رکھتے ہیں، ان کے دل ایمان کی نعمت سے خالی ہیں، ان کی اوقات بس اتنی ہی ہے جتنی میری اس تھوک کی۔'' صاحبزادہ صاحبؒ نے فرمایا: ''باواجی صاحب کے اس فرمان میں بلا کی تاثیر تھی۔ آج تک میری نظر میں کسی دنیادار کی وقعت اس سے زیادہ نہیں ہو سکی۔''

قدرت جسے اپنے کرم سے نوازنا چاہے، کم سنی میں ہی اس کی تربیت کے اسباب مہیا کر کے اسے منظورِ نظر بنا لیتی ہے اور بعض اوقات تو اس مقبولیت و محبوبیّت کا شعور بھی اسے عطا کر دیا جاتا ہے۔ صاحبزادہ صاحبؒ مذکورہ سفر کے بارے میں فرماتے تھے کہ جب ہم خوشاب سے روانہ ہو کر سرگودھا پہنچے تو کمپنی باغ سے گزر ہوا۔ جہاں بَڑ کے درخت کے نیچے ایک مجذوب لیٹا ہوا تھا۔ بہت سی مکھیاں اس کے بے حس و حرکت جسم پر بھنبھنا رہی تھیں۔ اس حالت میں اسے دیکھ کر میں سوچنے لگا کہ ایک غلیظ مخلوق نے، اشرف المخلوق کو غلاظت کا ڈھیر بنا رکھا ہے اور اسے اس کا احساس نہیں۔ ہم اس کے قریب سے گزرنے لگے تو مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا ''میرے سُتھرے یاں دے سُتھرے اَساں کنہیاں کولوں کراہت کریندے ہن۔'' حضرت باواجی صاحب اسے سلام کرتے ہوئے آگے بڑھے تو ایک دوسرے مجذوب جمال شاہ سے ملاقات ہوئی۔ وہ کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔ البتہ جس پر خوش ہوتا، اسے کنکریاں مارتا یا ویسے چھیڑ دیتا۔ یہی اس کا طریقہء فیض تھا۔ چونکہ وہ راستے کے درمیان میں کھڑا تھا اس لئے ہم اس کے قریب پہنچ کر رُکے۔ ہمیں دیکھ کر وہ راستے سے ہٹ گیا اور کہنے لگا کہ ''میں نے تو آپ کے لئے ہی راستہ چھوڑا ہے، آپ چلیں۔''

سیال شریف سے واپس بس سٹینڈ پر پہنچے تو جمال شاہ وہاں موجود تھا۔ اس کے ہاتھ میں مٹی کا ایک ڈھیلا تھا، جو اس نے میری طرف پھینکا۔ ڈھیلا پاس کھڑی بس کے شیشے پر لگ کر بکھر گیا۔ اس کے کچھ ٹکڑے مجھے بھی لگے۔ حضرت باواجی صاحب دیکھ رہے تھے۔ آپ نے غصے میں اس سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''جمال شاہ! ہم پیر سیال کے غلام ہیں۔ ہمیں

اپنے پیر کا فیض کافی ہے۔ تمہارے احسان کی احتیاج نہیں۔'' یہ سن کر اس نے اپنا کاسہ زمین پر رکھا، جو نیاز کی علامت تھی اور سلام کرتا ہوا ایک طرف چل دیا۔

صاحبزادہ صاحبؒ قطبی پڑھنے کے بعد والدِ مکرّم کی اوراد و وظائف میں مصروفیت اور علالتِ طبع کی وجہ سے، مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے 1953ء میں اُچھالہ (خوشاب) میں مولانا قطب الدّین صاحب کے مدرسہ میں داخل ہوئے۔ سلّم العلوم، مُلّا حسن، حمد اللہ، قاضی مبارک، شمسِ بازغہ، صدرا، ہدایہ اوّلین اور شرح وقایہ جیسی کتابیں مولانا موصوف سے پڑھیں۔ مولانا کو منطق، نحو اور فلسفہ پر عبور حاصل تھا۔ اپنے عہد کے مایہ ناز منطقیوں میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی محنت و جانفشانی کے ثمرات، صاحبزادہ صاحبؒ کے علم و شعور میں نمایاں نظر آتے تھے۔ ایک موقع پر حضرت شیخ الاسلام محمد قمر الدّین سیالویؒ، دارالعلوم ضیاءِ شمس الاسلام سیال شریف تشریف لائے۔ صاحبزادہ صاحبؒ، جو شیخ الجامعہ تھے۔ طلبہ کو منطق کا سبق پڑھا رہے تھے۔ خواجہ سیالویؒ باہر برآمدہ میں کھڑے ہو کر آپ کے اندازِ تدریس سے محظوظ ہوتے رہے۔ اختتامِ سبق پر کمرے میں تشریف لے گئے تو صاحبزادہ صاحبؒ کے سر پر بوسہ دیا اور فرمایا: ''آپ کے سبق پڑھانے کا انداز دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ آپ کو منطق کا بادشاہ کہوں۔''

مولانا قطب الدّین صاحب مسلک کے لحاظ سے دیو بندی تھے، لیکن متعصب نہیں تھے۔ تمام مکتبہ ہائے فکر کا احترام کرتے تھے۔ صاحبزادہ صاحبؒ ان کی وسیع النظر فی کا ذکر اکثر کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ قیامِ اُچھالہ کے دوران میں میرا یہ معمول تھا کہ نمازِ صبح کے بعد بلا ناغہ ملحقہ قبرستان میں حضرت سلطان صاحبؒ اور شاہ صاحبؒ کے مزارات پر فاتحہ خوانی کے لئے حاضر ہوتا۔ میری حاضری مشائخ کی روایات کے مطابق ہوتی۔ مولانا میرا اندازِ نیاز دیکھتے اور مسکرا دیتے تھے۔ (ان کے مسلک میں مزار بوسی ناجائز تھی)

ایک مرتبہ انہیں کسی کام سے سرگودھا جانا تھا۔ میں صبح نماز سے فارغ ہو کر سبق پڑھنے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے پوچھا کہ ''آج خلافِ معمول جلدی کیوں آ

گئے؟'' میں نے عرض کیا: '' آپ کے پروگرام کا علم تھا، اس لئے جلدی آ گیا ہوں، مبادا آپ کو دیر ہو جائے۔'' انہوں نے فرمایا کہ '' معمول کے مطابق سلطان صاحبؒ کے مزار پر حاضری دیں، میری فکر نہ کریں، میں دیر سے چلا جاؤں گا۔''

صاحبزادہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جب میں دارالعلوم ضیاءِ شمس الاسلام سیال شریف میں تدریسی خدمات انجام دے رہا تھا تو استادِ محترم مولانا قطب الدین صاحب سرگودھا کے ایک گاؤں چوکیرہ کے مدرسہ میں مدرس تھے۔ سیال شریف کے مضافاتی قصبہ پُوہلہ کا ایک طالبعلم خالد بھی مذکورہ مدرسہ میں زیرِ تعلیم تھا۔ خالد کو سیال شریف اور خصوصاً مسلکِ اہل سنت سے انتہائی چڑ تھی اور میرا تو وہ نام بھی نہیں سن سکتا تھا۔ اس نے میری کئی ایک تقاریر کے اقتباسات نوٹ کر رکھے تھے۔ مدرسہ کی بزمِ ادب یا کسی جلسہ میں انہیں موضوعِ سخن بنا کر، میرے متعلق اس کے منہ میں جو کچھ آتا بلا دریغ کہہ دیتا۔ مولانا اس کی ہرزہ سرائی سنتے لیکن خاموش رہتے۔ جب وہ حد سے بڑھنے لگا تو ایک دن اسے طلب کیا اور پوچھا کہ ''تمہیں کبھی صاحبزادہ صاحب کے پاس بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے؟'' اس نے کہا! '' جب کبھی سیال شریف جاتا ہوں تو ان کے پاس بھی ضرور جاتا ہوں۔'' مولانا نے فرمایا! '' انہوں نے دیوبندی علما کے بارے میں کبھی کچھ کہا ہے؟'' خالد نے عرض کیا کہ '' میں نے ان کی زبان سے اکابرین دیوبند کے متعلق کبھی اہانت آمیز بات نہیں سنی۔'' مولانا نے پوچھا کہ: '' وہ اپنے مسلک کے حق میں جو دلائل دیتے ہیں، ان کا جواب تمہارے پاس ہے؟'' اس نے نفی میں جواب دیا۔ مولانا نے تلخ لہجے میں کہا: '' عزیز! اگر تم اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہتے ہو تو خاموشی سے وقت گزارو، دوسروں کی عزت پر کیچڑ مت اچھالو، ورنہ بوریا بستر اٹھاؤ اور چلتے بنو۔''

اُچھالہ میں منطق اور فلسفہ و نحو کی نصابی کتابوں کی تکمیل کے بعد آپؒ، والدِ گرامی کی ہدایت پر جامعہ معظمیہ، معظم آباد پہنچے، جہاں حضرت مولانا مفتی عبدالشکورؒ (1997ء) کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیا۔ شیخ التفسیر والحدیث مولانا عبدالشکورؒ جامعہ میں صدر مدرس تھے۔ آپ کچھ عرصہ قبل یہیں مولانا خدا بخش صاحب کُفروی کے حلقۂ تلمذ میں شامل

رہے۔آپ مرنجاں مرنج انسان تھے۔درویش صورت،فرشتہ سیرت اور عالم باعمل تھے۔ ہمہ وقت باوضو رہتے اور زیادہ وقت مسجد میں گزارتے تھے۔حضرت شیخ الاسلام سیالویؒ نے ان کے بارے میں ایک مرتبہ فرمایا کہ''جس نے دنیا میں جنتی شخص دیکھنا ہو،مولانا عبدالشکور صاحب کو دیکھ لے۔'' حضرت مولاناؒ نے چک 82 شمالی (سرگودھا) میں جامعہ عربیہ صدیقیہ معظمیہ کے نام سے مدرسہ بنالیا اور آخر دم تک وہیں تشنگانِ علم وحکمت کی پیاس بجھاتے رہے۔

صاحبزادہ صاحبؒ نے جامعہ معظمیہ میں ہدایہ اخیرین۔مختصر معانی ومطوّل، جلالین،زواہد ثلاثہ،بیضاوی اور مشکوٰۃ شریف مولانا موصوف سے پڑھیں۔

جامعہ معظمیہ سے فراغت پانے کے بعد دورہ حدیث کا مرحلہ باقی تھا۔ حضرت میاں صاحبؒ نے آپ کو جامعہ رضویہ فیصل آباد میں شیخ الحدیث مولانا سردار احمدؒ سے رابطے کا مشورہ دیا۔چنانچہ آپ نے داخلہ کی معلومات حاصل کرنے کیلئے جامعہ رضویہ میں ایک خط تحریر کیا۔جس کے بارے میں اپنے مضمون''چند یادیں''میں یوں رقم طراز ہیں۔

''کوائفِ مدرسہ اور شرائطِ داخلہ سے آگاہی کے لئے میں نے صاحبزادہ سیّد مراتب علی شاہ صاحب کو عریضہ تحریر کیا۔چونکہ موصوف بسلسلۂ عرس گنج بخش داتا دربار لاہور پہنچے ہوئے تھے۔اس لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار احمد صاحب نے خود جواب مرحمت فرمایا۔انہوں نے لکھا کہ مدرسہ آپ کا اپنا ہے۔جامعہ کے دروازے ہمہ وقت کھلے ہیں۔قیام وطعام کا اہتمام مدرسہ کے ذمے ہے۔آپ سات شوال تک پہنچ جائیں۔''

چنانچہ صاحبزادہ صاحبؒ ۷شوال المکرم ۱۳۷۴ھ بمطابق 29 مئی 1955ء بروز اتوار،جامعہ رضویہ پہنچے اور 9 شوال کو شعبۂ دورہ حدیث میں داخل ہوئے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ سے پہلی ملاقات کا ذکر اسطرح کرتے ہیں۔

''میں حسب ہدایت ۷شوال کو مدرسہ میں پہنچا۔آپ کتب خانہ میں تشریف فرما تھے۔علماوطلبہ حاضرِ خدمت تھے۔مودودی صاحب کی کتاب''رسائل ومسائل''پر تبصرہ کررہے تھے میں نے آگے بڑھ کر قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔چونکہ آپ یکسوئی سے کتاب کا رد
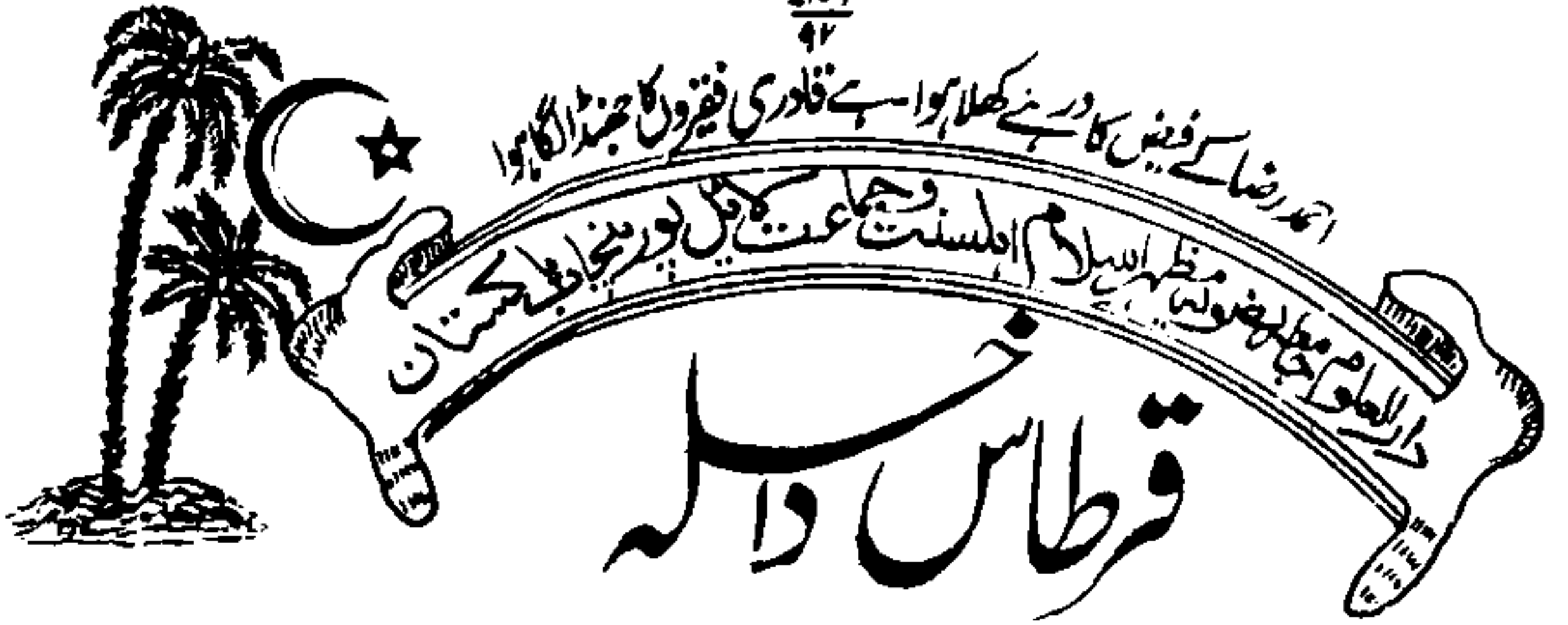
بخدمت اقدس حضرت مہتمم صاحب ________________ سلام مسنون

گذارش ہے۔ کہ میں جامعہ رضویہ میں بحیثیت طالب علم داخل ہونا چاہتا ہوں اور میں جامعہ کے جملہ قوانین وضوابط کا بخوشی پابند رہونگا۔ خلاف ورزی کی صورت میں جو کارروائی مناسب سمجھیں۔ آپ کو اسکے اجراء و نفاذ کا اختیار ہے

فقیر ________________

تاریخ ________________

اندراجات ذیل کی خانہ پوری خود طالب علم کو اپنے ہاتھ سے کرنا ہوگی۔

نام طالب علم ________________ ولدیت ________________

قومیت ________________ عمر ________________

سکونت معہ پتہ ________________

پہلے کون کونسی کتابیں کس مدرسہ میں پڑھی ہیں۔ ________________

اب کیا پڑھنا چاہتا ہے۔ ________________

اجازت نامہ

میں اجازت دیتا ہوں۔ کہ طالب علم ________________ کو داخلِ جامعہ کیا جائے۔ اور اس کی تعلیم وغیرہ کا مناسب نظم کیا جائے۔

دستخط مہتمم صاحب ________________

تاریخ ________________

دستخط ناظم صاحب ________________

تاریخ داخلہ ________________

کے لئے مکہ مکرمہ گئے، وگرنہ تا دمِ آخر دیارِ محبوب میں ہی قیام پذیر رہے۔ حضرت امامؒ فرماتے تھے کہ حج فرض ادا کر دیا ہے، اب مدینہ منورہ چھوڑ کر حج کرنے جاؤں تو ہو سکتا ہے وہیں موت آ جائے اور خاکِ مدینہ میں دفن ہونے سے محروم رہ جاؤں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ نے پھر فرمایا کہ فقیر نے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے واپسی کے وقت کچھ بال اور ناخن مدینہ منورہ میں دفن کر دیئے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! مدینہ پاک میں مرنا تو میرے اختیار میں نہیں، البتہ اپنے جسم کے چند اجزا دفن کر کے جا رہا ہوں کہ ہم غریبوں کے لئے بھی غنیمت ہو۔

صاحبزادہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ آپؒ بیمار ہو گئے تو ہم چند طلبہ عیادت کے لئے حاضر ہوئے۔ مولانا محمد حسین سکھروی خاص لَے میں قصیدہ بُردہ شریف پڑھ رہے تھے۔ اختتامِ قصیدہ پر آپؒ نے فرمایا کہ ''طبیب کے علاج سے اتنا فائدہ محسوس نہیں ہوتا، جتنا ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے۔''

صاحبزادہ صاحبؒ نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیثؒ منطق کی کتاب سلّم العلوم پڑھا رہے تھے۔ مسئلہ یہ تھا کہ تصدیق کا وجود تصور کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ طلبہ کو مسئلہ سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ افسوس ہے مولوی اسماعیل دہلوی صاحب کے علم پر۔ وہ کہتے ہیں کہ نماز میں سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تصوّر سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حالانکہ نماز مختلف اذکار کا مجموعہ ہے۔ اس میں قرآن مجید کی تلاوت بھی ہے اور درود و سلام بھی۔ کئی جملے ایسے آتے ہیں جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف و توصیف اور حضور کا اسم مبارک بھی آتا ہے۔ جب تصدیق کے لئے طرفین کا تصور ہونا ضروری ہے تو نماز میں آنے والے وہ جملے جو ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشتمل ہیں، بغیر تصورِ محبوب کے کس طرح پڑھے جائیں گے اور اس کے بغیر نماز کس طرح ادا ہو گی۔

حضرت شیخ الحدیثؒ، صاحبزادہ صاحب سے بہت اُنس کرتے تھے۔ ہمیشہ ''صاحبزادہ صاحب'' کے نام سے مخاطب کرتے۔ طلبہ کے خورد و نوش کا بندوبست جامعہ میں تھا لیکن آپ کا کھانا استادِ محترمؒ کے گھر سے آتا تھا۔

17 رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ بمطابق 17 جون 1984ء بروز اتوار حضرت شیخ الاسلام سیالویؒ کے عرس مبارک پر جاتے ہوئے خوشاب کے قریب دریائے جہلم کے پل پر واقع ایک چھوٹی سی مسجد میں نمازِ مغرب کے بعد صاحبزادہ صاحبؒ نے بکمال شفقت راقم کو دو دعائیں، دعائے جبریل اور دعائے فریدی تلقین کیں۔ اس موقع پر آپ نے اپنے استادِ مکرمؒ کی خصوصی عنایات کے حوالے سے بیان فرمایا کہ آپؒ مرضِ وصال میں مبتلا، ہسپتال میں داخل تھے۔ میں مزاج پُرسی کے لئے حاضر ہوا تو آپؒ نے یہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا کہ ''سلسلہ قادریہ میں مجھے اپنے شیخ سے جو نعمتِ باطن عطا ہوئی، وہ میں آپ تک پہنچانا چاہتا ہوں۔'' میں نے دست بستہ عرض کیا کہ ''آپ کی اس عطا پر سراپا سپاس ہوں۔ لیکن حضرت پیر سیال نے جو روحانی نعمت عطا فرما دی ہے، اس کے ہوتے ہوئے مزید کسی نعمت کی حاجت نہیں۔''

حضرت شیخ الحدیثؒ میری گزارش سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا ''مجھے آپ سے ایسے ہی جواب کی توقع تھی۔'' پھر مجھے سینے سے لگا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور دعا سے نوازا۔ ساتھ قصیدہ بردہ شریف کے ورد کی تلقین فرمائی۔

صاحبزادہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں دورہ حدیث کے لئے جامعہ رضویہ میں داخل ہوا تو وہاں اساتذہ اور طلبہ کا ذریعۂ اظہار اردو تھا۔ خصوصاً سبق کی تقریر اردو میں ہوتی تھی۔ میں جس علاقے سے تعلق رکھتا تھا، وہاں کی مادری زبان پنجابی تھی اور اتفاق سے میرے تمام اساتذہ بھی دورانِ سبق پنجابی میں گفتگو کرتے تھے۔ اس لئے مجھے اردو بولنے میں دقت محسوس ہوتی تھی۔ میں بمشکل ایک دو جملے بول سکتا تھا۔ اس لئے نئے ماحول میں بات کرتے ہوئے مجھے ندامت ہوتی، لیکن سبق کی تقریر تو بہر حال کرنا ہوتی۔ ایک دن مجھے ایک ہم سبق نے اردو نہ بول سکنے پر طعنہ دیا۔ جس سے میں بہت دلبرداشتہ ہوا۔ رات اپنے کمرے میں دل کھول کر رویا۔ خواب میں حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ڈالا اور فرمایا ''عزیز احمد! اب اردو بولا کرو۔'' حضرت شیخؒ کی کرامت تھی کہ اگلے ہی روز میں روانی سے اردو بولنے لگا۔ جس طرح پہلے

تقریر وغیرہ میں اردو بولنا محال تھا، اب پنجابی بولنا مشکل ہو گیا۔ ایک دو مرتبہ حضرت باواجی صاحب کی تعمیلِ ارشاد میں تقریر کے دوران میں صرف دو چار جملے ہی پنجابی میں ادا کر سکا۔

صاحبزادہ صاحبؒ نے دورہ حدیث سے فراغت پانے کے بعد استادِ گرامی کے حکم پر ایک سال کا عرصہ ان کی خدمت میں گزارا۔ لوگ خطوط کے ذریعے حضرت شیخ الحدیثؒ سے مسائل کا استفسار کرتے۔ صاحبزادہ صاحبؒ ان کا جواب لکھنے پر مامور تھے۔ روزانہ نوے سے سو کے قریب خط لکھے جاتے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں صبح ناشتہ کے بعد خط لکھنے بیٹھتا اور دو بجے دوپہر تک لکھتا۔ ان خطوط سے میرے فقہی علم میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ اس دوران فتویٰ نویسی کا کام بھی آپ کے سپرد تھا۔ صاحبزادہ صاحبؒ کو فقہی مسائل پر جو دسترس حاصل تھی، حضرت شیخ الحدیثؒ کو اس پر کامل اعتماد تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپؒ اکثر ان کے لکھے ہوئے فتوے پر بغیر پڑھے مہرِ تصدیق ثبت فرما دیتے۔

شوال ۱۳۷۶ھ کو حضرت شیخ الحدیثؒ نے آپ کو تدریس کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس وقت تین مدرسوں میں شیخ الجامعہ کی اسامی خالی تھی۔ صاحبزادہ صاحبؒ نے دیوانِ حافظ سے فال لی۔ سانگلہ ہل کی رہنمائی ہوئی۔ حضرت شیخ الحدیثؒ سے عرض کیا تو آپ نے جامعہ نقشبندیہ رضویہ سانگلہ ہل (شیخوپورہ) میں بطور صدر مدرس آپ کا تقرر کر دیا۔ چونکہ اس سے پہلے آپ کو تدریس کا تجربہ نہیں تھا اس لئے حضرت شیخ الحدیثؒ نے راہنمائی کے لئے خط میں جامع اور واضح ہدایات تحریر کیں۔

''طلبہ سے خلوص و محبت سے پیش آنا۔ محنت سے پڑھانا تاکہ طلبہ صحیح عالم بن کر خادمِ اہل سنت بنیں۔ تنخواہ کی کمی بیشی کا خیال نہ کرنا۔ لالچ نہ کرنا۔ ورنہ دنیا آگے آگے ہو گی اور تم پیچھے۔ اور اگر بے غرض رہے تو تم آگے اور دنیا تمہارے پیچھے ہو گی۔''

خط کے مندرجات کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو خلوص و محبت، محنت، سیر چشمی اور بے غرضی جیسے اوصافِ حمیدہ اپنانے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ گویا علمِ حدیث سے آگہی عطا کرنے کے علاوہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے شاگردِ رشید کو اپنے اخلاق و کردار اور افعال و اعمال پر کڑی نگرانی رکھنے کا درس بھی دیا کہ جو انسان اپنا محاسبہ خود کر لیتا ہے وہ ایک بڑے

عورت کی حکمرانی پر فتویٰ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ عورت سربراہ مملکت ہو سکتی ہے یا نہ؟

السائل: غلام حسین نوشہرہ، سون ویلی

الجواب وھو الموفق للصواب:

عورت شرعاً امارت وقضا کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ ملکی سربراہ ہونے کیلئے ضروری ہے کہ سربراہ دلیر ہو، جری ہو اور کسی بھی محفل میں ملکی تعمیر و ترقی کے لئے اور باہر سے آنے والے وفود سے ملاقات کے لئے جلوت وخلوت میں وقت دے سکے۔ عورت کا اگرچہ مقام اسلام نے بڑا اعلیٰ متعین کیا ہے مگر امور مملکت سوائے مرد کے کسی اور کے حصے میں نہیں آ سکتے۔ عورت کا معنی ہی یہی ہے کہ جسکا تحفظ ضروری ہو اور اسے عریانی سے دور رکھنا لازم ہو۔ عورت کا بلند آواز سے قرآن پڑھنا کہ آواز غیر محرم تک پہنچے، یا سلام دینا یا بیگانوں کو سلام کا جواب دینا، اذان دینا، غیر محرم کے حرمین کی حاضری دینا یا کھلے بندوں عوامی محفل میں شریک ہونا یا جلسوں میں تقریر کرنا خواہ پس پردہ کیوں نہ ہو، سخت ممنوع اور شرعاً جرم ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیعت کے موقعہ پر عورتوں کو پس پردہ بٹھا کر احکام کا اظہار فرمانا اور سامنے نہ آنے دینا عورت کے متعلق بے حجابی کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ ان حالات میں عورت اگر سربراہ مملکت ہو تو ممنوعہ امور کا ارتکاب کئے بغیر وہ عنان حکومت پر کیسے قابو پا سکے گی۔ جرم کا مقدمہ جرم ہے، ایک ایسا اصول ہے جسکی روشنی میں عورت کے ملکی سربراہ بننے کی حرمت از خود سامنے آجاتی ہے اور حضرت شیخ الاسلام حضور خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رضی اللہ عنہ نے بروایت صحیح بخاری جس حدیث کا ذکر اپنے فتاویٰ عورت کے مملکت کا سربراہ نہ بننے میں فرمایا وہ اس مسئلہ کی نوعیت حرمت کیلئے حرف آخر ہے۔ لن یفلح قوم ولوا امرہم امرأۃ وہ لوگ کبھی کامیاب نہ ہوں جو اپنے ملکی معاملات کو عورت کے حوالے کر دیں۔ اسی حدیث کے ماتحت محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ "ازیں جا معلوم می شود کہ زن قابل ولایت وامارت نیست" (اشعۃ اللمعات ص۳۲۰ ج ۳) مرقات میں ہے لا تصلح المرأۃ ان تکون اماما ولا قاضیا لانہما محتاجان الی الخروج للقیام لامور المسلمین والمرأۃ عورۃ لا تصلح لذالک (مرقات ص۲۱۵ ج ۷)

نوٹ: یہ بات بھی واضح ہے کہ عورت کا سربراہ بننا جتنا جرم ہے اتنا اسکو سربراہ بنانا بھی جرم ہے، خواہ الگ الگ افراد کا فعل ہو یا پنچ کا۔ صوبائی اجماع کا فعل ہو یا صوبائی عمل سے جو منتخب ہوا ہو، اسکی تعیین ہو یعنی بالواسطہ یا بلاواسطہ کیونکہ حدیث میں ولوا کا لفظ سب صورتوں کو حاوی ہے۔

واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب۔

عزیز احمد مکان شریف کنجری

وادی سون سکیسر

محاسبے سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیتا ہے۔ صاحبزادہ صاحبؒ کے نام ایک دوسرے خط میں ان کی دینی خدمات کا اعتراف ان دعائیہ کلمات سے فرمایا۔

''مولا عزَّ وجل اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ سے آپ کے دین وایمان میں، درس وتدریس میں، مذہبِ اہل سنت و جماعت کی تبلیغ واشاعت میں برکت، فتح ونصرت عطا فرمائے اور اعداءِ دین وشرِ حاسدین سے محفوظ فرمائے۔آمین''

اسی خط میں آگے چل کر ان کے حوصلے کو مہمیز لگاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

''دینی کاموں میں بھی رکاوٹیں ڈالنے والا عنصر موجود ہے۔آپ مطمئن رہیں اور ذوق وشوق اور محنت سے دینی کام کرتے رہیں۔''

جامعہ نقشبندیہ رضویہ 1952ء میں معرضِ وجود میں آیا۔اس کے بانی حضرت مولانا عنایت اللہ رضوی، فاضل جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام، بریلی شریف تھے۔آپ حضرت مولانا حامد رضا خان بریلویؒ کے مرید وخلیفہ تھے۔مدرسہ سے ملحقہ جامع مسجد رضوی کے خطیب اور بلند پایہ مناظر تھے۔مولانا موصوف کو صاحبزادہ صاحبؒ کی انتظامی صلاحیتوں پر اعتماد تھا اس لئے مدرسہ کے معاملات میں دخل نہیں دیتے تھے۔ایک مرتبہ صاحبزادہ صاحبؒ کے والد گرامی حضرت میاں عبدالحمیدؒ سانگلہ ہل تشریف لائے تو مولانا نے آپ کی بڑی تکریم کی۔حضرت میاں صاحب نے صاحبزادہ صاحبؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا سے کہا کہ ''عزیز احمد آپ کے بھائی ہیں، ان کے مزاج میں وفا شعاری اور خلوص ومحبت کے اوصاف موجود ہیں، صاحبزادگی بالکل نہیں ہے۔آپ انہیں اپنی سرپرستی میں رکھیں گے تو مجھے اطمینان رہے گا۔'' مولانا نے عرض کیا کہ ''صاحبزادہ صاحب دیگر رشتوں کے علاوہ میرے استادِ مکرّم کے محبوب شاگرد بھی ہیں۔ میرے لئے لائقِ احترام ہیں۔آپ فکر مند نہ ہوں۔انہیں میری نہیں، مجھے انکی سرپرستی کی زیادہ ضرورت ہے۔''

سانگلہ ہل میں معمول تھا کہ نمازِ فجر کے بعد جامع مسجد رضوی میں درسِ حدیث دیتے، جس کا شہرہ دور دور تک تھا۔شائقین نمازِ فجر مذکورہ مسجد میں ادا کرتے اور مسجد کا ہال

مکتوب شیخ الحدیث حضرت مولانا سردار احمدؒ

بنام

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ

جامعہ رضویہ مظہر اسلام

لائلپور

۲۸۶

عزیز محترم فاضل نوجوان سلمہ

سلام مسنون - دعوات صالحہ - خیر و عافیت

آپکے یکے بعد دیگرے دو محبت نامے ملے کاشف

احوال ہوئے باعث فرحت و سرور ہوئے آپ

جو اسباق پڑھاتے ہیں انکی فہرست دیکھکر

دل باغ باغ ہوا آپ کی وجہ سے اس مدرسہ میں

خوب رونق ہو گی آپ دل لگا کر پڑھائیں

محنت کریں طلباء کو قابل بنائیں مدرس تیار کریں

فنون کے طلباء بھی تیار کریں تنخواہ تھوڑی یا

زیادہ کا ہرگز خیال نہ کریں کام کرتے جاؤ تنخواہ

پیچھے دوڑتی آئیگی آپ سے بہت امیدیں وابستہ ہیں

طلباء سے جتنی ہمدردی آپ کرینگے اور پڑھانے

میں شفقت کریں گے اسی قدر زیادہ آپ ترقی

کرینگے عزیزم مولانا عنایت المولیٰ صاحب و عزیزم مولانا

صوفی مولیٰ بخش صاحب - و جملہ احباب و طلباء اہلسنت

پرسان حال کو سلام و دعا فقیر اس ہفتہ کے دن

آٹھ ذی قعدہ کو دربار داتا لاہور حاضر ہوگا اور رات کو

وہاں ایک محلہ میں جلسہ میں حاضر ہوگا اور اتوار کی صبح کو واپس آئیگا بعونہ تعالیٰ

پوسٹ کارڈ

POST CARD

ADDRESS ONLY

عزیز المحترم فاضل نوجوان مولانا مولوی صاحبزادہ

عزیز احمد صاحب چشتی رضوی سلمہ

مقام ... جامع مسجد

ضلع شیخوپورہ

مکتوب شیخ الحدیث حضرت مولانا سردار احمدؒ

بنام

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ

کھچا کھچ بھر جاتا تھا۔ درس سے فارغ ہوکر طلبہ کے اسباق شروع ہو جاتے اور یہ سلسلہ بارہ بجے دوپہر تک جاری رہتا۔ آپ شرح تہذیب، شرح جامی، شرح وقایہ، زلیخا، گلستانِ سعدی، سکندر نامہ اور مثنوی مولانا روم کے اسباق پڑھاتے تھے۔ اندازِ تدریس جچا تُلا تھا۔ سبق کا ماحصل پہلے بیان کر دیتے تھے۔ تقریر مختصر اور جامع ہوتی۔ فرماتے تھے کہ مولانا قطب الدین صاحب اچھالوی کا یہی انداز ہے، جو ایک کہنہ مشق استاد ہیں۔ نمازِ ظہر کے بعد اگلے دن پڑھائے جانے والے اسباق کا مطالعہ فرماتے۔ قاری فضل الرحمٰن صاحب بیان کرتے ہیں کہ کریما جیسی ابتدائی کتاب بھی مطالعہ کے بغیر نہیں پڑھاتے تھے۔ نمازِ عصر سے مغرب تک ورزش اور سیر کا معمول تھا۔

سانگلہ ہل کے زمانہِ قیام میں علمیّت کے ساتھ ساتھ تصوّف کا رنگ بھی غالب رہا۔ مشائخِ چشت کے ملفوظات ذوق وشوق سے بیان فرماتے تھے۔ اس دوران میں سوز وگداز کی کیفیت آپ کے چہرے سے مترشح رہتی۔ اردو اور فارسی شعرا مومن، غالب، مظہر جانِ جاناں، امیر مینائی، ندیم، اقبال، عمر خیام، بیدل، جامی اور لسان الغیب حافظ شیرازی کے متصوفانہ اشعار زیرِ لب گنگناتے اور محظوظ ہوتے تھے۔ فرماتے تھے خواجہ حافظ شیرازی کے دیوان سے فال، مشائخ کے ہاں مروّج ہے۔

مولانا عنایت اللہ صاحب جب مرزائیوں کے خلاف تحریک میں نظر بند ہو جاتے تو ان کی عدم موجودگی میں صاحبزادہ صاحبؒ جامع مسجد رضوی میں خطبہءِ جمعہ ارشاد فرماتے۔ شانِ رسالت، اخلاقِ حسنہ اور اصلاحِ معاشرہ آپ کے خطبہ کا موضوع ہوتے تھے۔ اندازِ بیان میں روانی بہت تھی۔ الفاظ کے زیر و بم سے سامعین کے جذبات میں تلاطم پیدا کر دیتے تھے۔ میلاد و معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور گیارھویں شریف کے مواقع پر ہر سال اردگرد کے دیہات میں تقریر کے لئے جاتے تھے۔ کوٹلہ میں مولانا غلام رسول کے ہاں، ان کی درخواست پر، سالانہ جلسہءِ میلاد میں ضرور شرکت کرتے تھے۔

آپ کی خورد ونوش مدرسہ کے ذمہ تھی۔ چائے اور ناشتے کا بندوبست اپنا تھا۔ خالی معدہ چائے بالکل نہیں پیتے تھے۔ اکثر اس کے مضرّات بیان کرتے۔ پہلے ہلکا ناشتہ کر

لیتے تب چائے پیتے ۔محمد شریف قصاب کے گھر سے دیسی گھی میں پکا ہوا سالن آتا جسے رغبت سے کھاتے تھے ۔خوش پوشاک تھے ۔سفید شلوار قمیض زیبِ تن کرتے اور سر پر ہمیشہ ٹوپی رکھتے تھے ۔عمامہ صرف نمازِ جمعہ میں باندھتے تھے ۔جامعہ میں آپ کا مشاہرہ ایک سو پچاس روپے ماہانہ تھا، جبکہ دیگر اساتذہ کو سو روپے پیش کیے جاتے ۔حضرت شیخ الحدیثؒ جب سانگلہ ہل تشریف لاتے تو آپؒ ریلوے سٹیشن پر استقبال کرتے تھے ۔ حضرت شیخ الحدیثؒ اکثر و بیشتر حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر حاضری کے لئے لاہور جاتے تو صاحبزادہ صاحبؒ کو بھی ہمراہ لے جاتے تھے ۔

صاحبزادہ صاحبؒ طلبہ کی کڑی نگرانی فرماتے ۔آپ کے کمرہ کی ایک کھڑکی طلبہ کے کمروں کی طرف کھلتی تھی ، اس میں سے ان کی حرکات پر نظر رکھتے ۔اگر کسی طالبعلم سے کبھی کوتاہی یا غلطی سرزد ہو جاتی تو پیار سے سمجھا دیتے ،سختی نہیں کرتے تھے ۔اس کے باوجود آپ کا رعب بہت تھا ۔

خوش رہتے اور ساتھیوں کو بھی خوش رکھتے تھے ۔ظریف الطبع نہیں تھے ۔لیکن ظرافت پسند کرتے تھے ۔آپ کے ایک ہم منصب مولانا محمد فاضل وضو اور غسل وغیرہ کے لیے پانی کا استعمال زیادہ کرتے تھے ۔انہوں نے نوازش نامی ایک طالبعلم کی ڈیوٹی لگا رکھی تھی کہ وہ پانی کے گھڑے بھر کر لایا کرے ۔وہ بیچارہ سارا دن پانی بھرتا رہتا ۔آخر ایک دن وہ تھک گیا اور اس بامشقت خدمت سے خلاصی پانے کا سوچنے لگا ۔چنانچہ اسے ایک ترکیب سوجھی ۔اس نے گھڑا استاد صاحب کے دروازے کی دہلیز پر چپکے سے سر سے کھسکا دیا ۔ گھڑا تو فرش پر گر کر ٹوٹ گیا اور قیامت اس کے سر پر ٹوٹ پڑی ۔مولانا موصوف نے اسکی خوب مرمت کی ۔صاحبزادہ صاحبؒ تک شکایت پہنچی ۔آپ نے نوازش سے باز پرس کی ۔ اس نے روہانسا منہ بنا کر سچ سچ بتا دیا کہ پانی بھر بھر کے میرے کندھوں پر گٹے پڑ گئے تھے ۔ مطالعہ کا وقت بھی نہیں نکلتا تھا ۔میں نے جان بوجھ کر گھڑا توڑا ہے کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری ۔صاحبزادہ صاحبؒ اس کے جواب سے بہت محظوظ ہوئے اور اکثر نوازش کی یہ بات یاد کر کے ہنس پڑتے تھے ۔

تایا محمد شریف بھی جامعہ میں نشانۂ مذاق بنے رہتے تھے۔ پچاس سال کی عمر میں ہنوز کنوارے تھے اور تاحیات کنوارے رہنے کے ہی امکانات تھے۔ لیکن شادی کے لئے بہت حریص تھے۔ ان کی شادی کا موضوع ظرافت کا باعث بنتا اور ان سے خوب چھیڑ چھاڑ کی جاتی۔ وہ صاحبزادہ صاحبؒ کے ہمہ وقتی خدمت گار تھے۔ آپ ان کی پُر مزاح باتوں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

صاحبزادہ صاحبؒ اپنے شاگردوں میں مولانا ذوالفقار علی رضوی کو بہت عزیز جانتے تھے۔ مولانا بیان کرتے ہیں کہ آپ صاحبِ کشف وبصیرت بزرگ تھے۔ ایک دفعہ میرے گاؤں چک 116 تشریف لے گئے۔ میرے والد حضرت مولانا محمد عبداللہ قادری سروریؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھ کر فرمانے لگے کہ مرحوم صاحبِ روحانیت ہیں۔ ان کے مزار پر بہت سکون ملا ہے۔ میری والدہ نے خاکی رنگ کا کھیس نذر کیا۔ بہت پسند کیا اور فرمایا کہ ''درویشوں والا رنگ ہے۔''

فی نفسہٖ سیاست میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ البتہ مسلکِ اہل سنت کا کوئی نمائندہ الیکشن میں امیدوار ہوتا تو اس کی امداد فرماتے تھے۔ چوہدری عبدالغنی صاحب، جامع مسجد رضوی کے سیکرٹری تھے، الیکشن میں ان کے ساتھ تعاون کیا۔

مولانا ذوالفقار علی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ صاحبزادہ صاحبؒ نے بزرگوں کی ایک روایت اس طرح بیان کی کہ اگر شدت کی آندھی چل رہی ہو اور انگشتِ شہادت سے فضا میں بسم اللہ شریف لکھی جائے تو آندھی کا زور ٹوٹ جاتا ہے۔

صاحبزادہ صاحبؒ کے قابلِ اعتماد دوستوں میں مفتی ظفر علی نعمانی، قاری فضل الرحمٰن، ڈاکٹر غلام حیدر مرحوم اور حکیم محمد بشیر مرحوم کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ آخر الذکر کو آپؒ سے تین نسبتیں تھیں۔ وہ بیک وقت آپ کے استاد، شاگرد اور بے تکلف دوست تھے۔ صاحبزادہ صاحبؒ کو طبِ یونانی کا شوق تھا۔ فارغ اوقات میں حکیم صاحب کے مطب چلے جایا کرتے۔ اس طرح آپ نے مرحوم سے طب کی کتابیں میزان الطب اور طبِ اکبر پڑھیں۔ حکیم صاحب آپ کے باضابطہ شاگرد نہیں البتہ فلسفہ اور تصوف کی بعض کتابوں کے

مشکل مقامات میں آپ سے راہنمائی لیتے رہے ۔ دوستانہ روابط تو طرفین میں بہت بے تکلفانہ تھے ۔ طبِ یونانی سے آپ کو جو شغف تھا ، اس سے اہلِ علاقہ کو خوب فائدہ پہنچا ۔ لوگ آ کر اپنی روحانی وجسمانی بیماریوں کا ذکر کرتے تو آپ دعا وتعویذ کے ساتھ دوا بھی تجویز کر دیتے ، جس سے لوگوں کو شفا حاصل ہوتی ۔

سیّد فدا حسین شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ میرے استادِ محترم صاحبزادہ صاحبؒ اکثر جمعرات کو سانگلہ ہل سے میرے غریب خانہ پہاڑنگ سالار والا تشریف لاتے ۔ مجھے ساتھ لے کر حضرت صوفی برکت علی لدھیانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ۔ صوفی صاحبؒ آپ سے بڑی شفقت سے پیش آتے ۔ آپؒ بہت کم گو اور کم آمیز تھے ۔ اٹھ کر کسی کا استقبال نہیں کرتے تھے ۔ لیکن صاحبزادہ صاحبؒ جب بھی ان کے پاس جاتے ، دیکھتے ہی سروقد کھڑے ہو جاتے ، چند قدم آگے بڑھ کر بغلگیر ہوتے اور پیشانی پر بوسہ دیتے ۔ کافی دیر پاس بٹھاتے اور سلوک ومعرفت کی گفتگو فرماتے تھے ۔

صوفی صاحبؒ احادیث پر مشتمل '' ترتیب شریف '' کے نام سے ایک کتاب ترتیب دے رہے تھے ۔ اس کے لئے انہیں چند احادیث مع حوالہ جات درکار تھیں ۔ انہوں نے ان احادیث کی فراہمی کیلئے صاحبزادہ صاحبؒ سے فرمائش کی ۔ آپؒ نے مطلوبہ احادیث '' چہل حدیث '' کے عنوان سے ترتیب دے کر پیش کیں تو صوفی صاحبؒ بہت خوش ہوئے ۔

ایک مرتبہ آپ صوفی صاحبؒ کی زیارت کے لیے سالار والا تشریف لے گئے ۔ اتفاقاً اس وقت محفلِ ذکر ہو رہی تھی ۔ صوفی صاحبؒ سمیت تمام حاضرین دائرے میں کھڑے ہو کر ذکر کر رہے تھے ۔ آداب کے مطابق صاحبزادہ صاحبؒ بھی ذکر میں شریک ہو گئے ۔ صوفی صاحبؒ کی نظر جب آپ پر پڑی تو فوراً حصار توڑ دیا ، ذکر منقطع کر دیا ، اور کمرۂ خاص میں بٹھایا ، پھر آپؒ سے مخاطب ہو کر کہا کہ '' آپ ذکر کرنے والوں میں نہیں ، کرانے والوں میں سے ہیں ۔ ''

صوفی صاحبؒ کے ایک مکاشفے کا مشاہدہ راقم کو بھی ہوا ۔ ایک دفعہ میں صاحبزادہ صاحبؒ کے ہمراہ سانگلہ ہل سے فیصل آباد جاتے ہوئے ، سالار والا حاضر ہوا ۔

مکتوب حضرت صوفی برکت علی لدھیانویؒ

بنام

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماشآء اللہ لا قوۃ الا باللہ

یا حی یا قیوم

اللھم صل علی سیدنا محمد و آلہ و عترتہ بعدد کل معلوم لک

استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ *

یا حی یا قیوم

دلربائے من قربانت شوم

صاحبزادہ عزیز القدر عزیز احمد چشتی سلمہ اللہ تعالی

صدر مدرس دارالعلوم سیال شریف جھنگ

یادش بخیر

السلام و علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

میرے بیٹے تیرے احساسات اس خاک نشین کو لے دے گئے

محبت بھرا سلام قبول ھو

خیر اندیشی کا بیحد شکریہ جزاک اللہ خیراً فی الدارین

تقویم دارالاحسان تحفۃً ارسال ھے قبول فرمائیں

احقر برکت علی عفی عنہ

دعا گو احقرؒ برکت علی عفی عنہ

دارالاحسان

۱۶ محرم الحرام ۱۳۹۲

سینکڑوں زائرین خانقاہ میں موجود تھے۔ پتہ چلا کہ صوفی صاحبؒ خلوت میں ہیں اور اس وقت کسی کو اندر جانے کی اجازت ہے نہ وہ شرفِ ملاقات بخشتے ہیں۔ ہم کچھ مایوس ہوئے۔ صاحبزادہ صاحبؒ نے ان کے خادم کو کاغذ کے ٹکڑے پر فقط "عزیز احمد" لکھ کر دیا کہ وہ یہ چِٹ اندر پہنچا دے۔ خادم ان کے کمرے میں گیا۔ بمشکل دو منٹ گزرے ہونگے کہ صوفی صاحبؒ باہر تشریف لائے۔ چہرے پر نور اور اپنائیت کا عجیب امتزاج تھا۔ مسکراتے ہوئے آئے اور صاحبزادہ صاحبؒ سے بغلگیر ہو گئے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کسی حوالے کے بغیر صرف نام پر پہچان لینے کو یقیناً کشف ہی کہا جا سکتا ہے۔ جبکہ اس نام کے کئی ملاقاتی روزانہ ان سے ملنے آتے ہونگے۔

حکیم حافظ عبداللطیف بیان کرتے ہیں کہ میں نے سانگلہ ہل میں مطب کھول رکھا تھا۔ لیکن خاطر خواہ کام نہیں چل رہا تھا۔ میرے معاش کا دارومدار اسی مطب پر تھا۔ ایک شام مایوس ہو کر صاحبزادہ صاحبؒ کے پاس حاضر ہوا اور اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ آپ نے پُراعتماد لہجے میں فرمایا: "حافظ صاحب! نمازِ مغرب کے بعد سورۂ واقعہ کا وِرد روزانہ کا معمول بنا لیں۔ تب بھی کام نہ چلے تو مجھے گلہ دینا۔" میں نے تعمیلِ ارشاد کی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرا کام چل نکلا اور پریشانی دور ہو گئی۔

ایک مرتبہ آپؒ نے پہاڑ ننگ سالا روالا میں لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا ۝ کی آیتِ قرآنی کے تحت شانِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر تقریر فرمائی۔ دل سے نکلی ہوئی بات بہر طور اثر رکھتی ہے۔ آپ کی گفتگو سے لوگ بہت متاثر ہوئے۔ اختتامِ جلسہ پر گاؤں کے دو اہلِ تشیع سیّد فدا حسین شاہ صاحب کے گھر آئے اور صاحبزادہ صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی خواہش کی۔ شاہ صاحب نے انہیں آپ کی خدمت میں پیش کیا تو ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: "تمہاری بیعت بس یہی ہے کہ تم خلفائے راشدین کا ادب ملحوظ رکھو۔"

شیخ الحدیث والتفسیر مولانا عبدالکریم ابدالوی کے دارالعلوم چشتیہ رضویہ خانقاہ ڈوگراں میں صاحبزادہ صاحبؒ درسِ نظامی کے طلبہ کے سالانہ امتحان کیلئے تشریف لے جاتے۔ قاری فضل

الرحمٰن صاحب بھی آپ کے ہمراہ ہوتے۔ قاری صاحب طلبہ سے قرآن کریم کا امتحان لیتے تھے۔

جامعہ نقشبندیہ رضویہ سانگلہ ہل میں آپؒ کے رفقائے کار، مولانا میاں محمد صاحب (میانوالی)، مولانا محمد فاضل صاحب (گجرات)، مولانا نذیر احمد صاحب، مولانا غلام مرتضٰی صاحب، مولانا محمد طفیل صاحب اور مولانا محمد الیاس صاحب تھے۔

جامعہ میں آپ کے بعض تلامذہ کے نام حسب ذیل ہیں۔

مولانا حافظ احسان الٰہی (ترگ)، مولانا حافظ عبدالرحمٰن (مکھڈ شریف)، مولانا حافظ محمد افضل (قلعہ گجر سنگھ)، مولانا ذوالفقار علی رضوی (سانگلہ ہل)، مولانا عبدالحمید مرحوم (حافظ آباد)، مولانا غلام قمرالدین (کراچی)، صاحبزادہ محمد مکرّم الدین (سرگودھا)، مولانا محمد نورالحق حمیدی (پاک آرمی)، مولانا محمد دین (لاہور)، شیخ محمد صادق رونقی، محمد شفیع مرحوم، ڈاکٹر غلام نبی، ڈاکٹر غلام حیدر، حکیم محمد بشیر مرحوم اور عمر حیات (شیخوپورہ)۔

حصولِ علم کے بعد یہ علمائے کرام ملک کے مختلف شہروں میں علومِ اسلامیہ کی اشاعت وترویج کیلئے ہمہ تن کوشاں ہیں۔

ایک مرتبہ صاحبزادہ صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ سانگلہ ہل کے قیام کے دوران میرے پاس ''نصیبا'' نامی ایک شخص یہ مطالبہ لے کر آیا کہ ایک ایسا نکاح پڑھوں جو شرعاً ناجائز تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ اوّل تو میں کوئی نکاح خواں مولوی نہیں اور پھر ایسا نکاح پڑھنا جو شرعاً ناجائز ہو، میرے لئے ممکن نہیں۔ اس کے بار بار اصرار پر مجھے غصہ آیا اور میں نے اسے ڈانٹ پلا دی۔ وہ غصے میں بُڑبُڑاتا ہوا چلا گیا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے اکبر نامی شخص کے ذریعے ایک پسٹل میرے کمرے میں رکھوا دیا اور خود جا کر پولیس کو اطلاع کر دی کہ اس کے پاس ناجائز اسلحہ موجود ہے۔

اِدھر مجھے خواب میں دادا جی، حضرت میاں عبدالعزیزؒ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ ایک شخص تمہیں نقصان پہنچانے کے درپے ہے۔ کمرے کی الماری کے طاق میں ایک پسٹل پڑا ہے۔ اسے الماری سے نکال دو۔ بیدار ہو کر میں نے تلاش کیا تو واقعی الماری میں پسٹل موجود تھا۔ میں نے اسے وہاں سے اٹھوا دیا۔ اگلے دن تھانیدار آیا۔

کمرے کی تلاشی لی گئی۔ میں نے کہا اگر فلاں شخص نے شکایت کی ہے تو اصل واقعہ اسطرح ہے۔ مدعی بھی ساتھ تھا۔ تھانیدار نے اپنے مخصوص انداز میں اس سے تفتیش کی تو وہ مان گیا کہ میں نے بدلہ لینے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔

صاحبزادہ صاحبؒ کے حلقہءِ درس میں جن بھی شریک ہوتے تھے۔ حاجی محمد رمضان ڈوگر بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ کی طبیعت ناساز تھی۔ شوکت حسین مرحوم آپ کا جسم دبا رہے تھے۔ وہ بیچارے اپنے طور پر تو بہت زور لگا رہے تھے، لیکن کوفت کی وجہ سے آپ انہیں مزید زور لگانے کو کہہ رہے تھے۔ اس دوران ایک تنومند اجنبی شخص اندر آیا اور آپ کے جسم کو دبانے لگا۔ جس سے آپ کو سکون محسوس ہوا۔ کچھ دیر بعد اسے رخصت کر دیا۔ شوکت صاحب نے اس کی وضع قطع اور زورِ بازو دیکھ کر عرض کیا کہ اس شخص نے میرا گھنٹے کا کام منٹوں میں کر دیا ہے، لگتا ہے کوئی جن ہے۔ آپ نے فرمایا! ہاں وہ جن ہی ہے، سانگلہ ہل میں میرے پاس پڑھتا رہا ہے۔

آپؒ ابھی جامعہ نقشبندیہ رضویہ میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے کہ آپ کی شادی کا پروگرام طے پا گیا۔ چنانچہ ذی قعدہ ۱۳۸۲ھ بمطابق 23 اپریل 1963ء کو اپنے چھوٹے ماموں ملک غلام حسین مرحوم (1993ء) کی بڑی صاحبزادی سے آپ کا عقد ہوا۔

آپ کے ننہال و سسرال، انگریز کی گھوڑی پال سکیم کے تحت ملی ہوئی زرعی اراضی واقع چک 74 (سرگودھا) میں مقیم ہیں۔ شرافت و نجابت اور خلوص و مروّت ان کا خاندانی امتیاز ہے۔ اس وجہ سے علاقے میں معزز و محترم ہیں۔ صاحبزادہ صاحبؒ سے ان کی خاندانی نسبت کی وجہ سے بھی لوگ ان کا احترام کرتے ہیں۔

ملک غلام حسین مرحوم کے ایک بیٹے حاجی نذیر احمد صاحب ہیں، جو رجسٹریشن آفس سرگودھا میں ملازمت کرتے ہیں۔ کم گو اور مرنجاں مرنج شخصیت کے حامل ہیں۔ آپ کے دوسرے ماموں ملک غلام محمد مرحوم (1982ء) کے بھی صرف ایک بیٹے حاجی شیر محمد صاحب ہیں، جو اپنی زمین کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ہر سال فریضہ حج کی ادائیگی کے

تہنیت نامہ

برتقریبِ سعید شادی قبلہ صاحبزادہ ابوالفیض عزیز احمد صاحب

فصلِ گل است ناز ہزاراں صبا کُند
زیبد کہ دل بہ سیرِ چمن التجا کُند
گلچینِ صبح بین کہ زِ گلہاے اختراں
گلدستہ اے بہ طشتِ زمرّد بنا کُند
سازد وضو زِ چشمہءِ شبنم کے درست
کو از غبارِ راہ تیمم روا کُند
قُمری صفت بہ صحنِ چمن موجِ باد را
دیدم زِ شادمانی دَما دَم ندا کُند
پُرسیدمش کہ از چہ دھی مژدہ اے، بگفت
برخیز تا نہ بخت زِ خوابت گلہ کُند
نشیدہ ای زِجلسہءِ شادی مگر ہنوز
کز دے فلک بہ گوشِ جہاں ماجرا کُند
سرسبز باد بہرِ عزیز احمد ایں چمن
دستِ سپہر صد گرہِ بستہ وا کُند
بادش ہمیشہ پُشت و پناہ خواجہءِ سیالؒ
کوچون تو پاسداری دینِ خدا کُند
اصحابِ جشن جملہ بہ ظلِ ہماے بخت
مانند شاد تا بہ فلک خود ضیا کُند
در حقِ تو دعا زِ ایاز است نوشہا !
خاتونِ جاہ باشوے عمرت وفا کُند

نیازکیش :۔ محمد حیات ایاز چشتی

ترجمہ تہنیت نامہ

۱۔ پھولوں کا موسم ہے، صبا ہزاروں ناز کر رہی ہے۔ ایسے میں دل چمن کی سیر کی التجا کرے تو بجا ہے۔

۲۔ صبح کے مالی کو دیکھو کہ ستاروں کے پھولوں سے آسمان کے زمرّدیں تھال میں گلدستہ بنا رہا ہے۔

۳۔ شبنم کے چشمے سے وہی صحیح طور پر وضو کر سکتا ہے جو گردِ راہ سے تیمّم جائز سمجھتا ہو۔

۴۔ مَیں نے دیکھا کہ موجِ ہوا قُمری کی طرح صحنِ چمن میں خوشی سے مسلسل گا رہی ہے۔

۵۔ مَیں نے اس سے پوچھا کہ کون سی خوش خبری دے رہی ہو تو موجِ ہوا نے کہا کہ اٹھ! تا کہ تیرے بخت کو نیند سے شکایت نہ ہو!

۶۔ کیا تو نے اس شادی کی محفل کے بارے میں نہیں سنا جس کی تفصیل آسمان خود دنیا کے کانوں میں سنا رہا ہے؟

۷۔ عزیز احمد کے لیے یہ چمن سرسبز رہے۔ آسمان کے ہاتھ سینکڑوں بندھی ہوئی گرہیں کھولیں۔

۸۔ پیر سیالؒ ہمیشہ اس کا سہارا بنے رہیں جو تیری ہی طرح اللہ کے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔

۹۔ اس جشن میں شریک ہونے والے تمام ساتھی ہمائے بخت کے سائے میں اس وقت تک خوش و خرّم رہیں جب تک سورج آسمان پر چمکتا رہے۔

۱۰۔ اے دولہا! تیرے حق میں ایاز کی یہ دعا ہے کہ عزّت و عظمت کی خاتون تیری عمر کے شوہر سے وفا کرے۔

لئے حرمین شریفین حاضر ہوتے ہیں۔خوش اخلاق اور مہمان نواز ہیں۔

شادی کے سات سال بعد جون 1970ء میں قدرت نے صاجزادہ صاحبؒ کوایک خوش خصال بیٹے سے نوازا۔حضرت خواجہ خان محمد تونسویؒ نے ''محمد حامد عزیز'' نام رکھا۔صاجزادہ محمد حامد عزیز حمیدی ہی آپؒ کے انتقال (1995ء) کے بعد مسندِ سجادگی پر متمکن ہوئے۔

کچھ عرصہ بعد آپؒ کی اہلیہ محترمہ بیماری کی وجہ سے معذور ہو گئیں۔لنگر کے انتظام وانصرام میں دِقت ہونے لگی۔چنانچہ آپؒ نے یکم اپریل 1984ء کوکھبکی کے اعوان قبیلہ میں ملک محمد فیروز خان کی صاجزادی سے عقدِ ثانی کرلیا۔جس سے آپ کے ایک بیٹے صاجزادہ محمد واجد عزیز اور ایک صاجزادی ہیں۔

جامعہ رضویہ سانگلہ ہل کے قیام کے دوران حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار احمدؒ کے اِیما پر پہلے جامع مسجد لوکوشیڈ اور پھر جامع مسجد مدنی، ہمن آباد فیصل آباد میں خطبہ جمعہ شروع کیا، جو آپ کے والدِ گرامی کے انتقال (1977ء) تک جاری رہا۔ہر جمعہ کی صبح سانگلہ ہل یا سیال شریف سے فیصل آباد آتے اور نمازِ جمعہ کے بعد واپس تشریف لے جاتے۔آپ کا اندازِ بیان بڑا سحر انگیز تھا۔مختلف طبقہ زندگی کے لوگ، جن میں پروفیسر، ڈاکٹر، وکیل، تاجر، صنعتکار، مزدور اور ان پڑھ سبھی آپ کا وعظ سننے دور دراز سے مدنی مسجد آتے اور بہت محظوظ ہوتے تھے۔

جامع مسجد مدنی میں آپ کا مشاہرہ ایک سو پچاس روپے ماہانہ تھا۔جو آپ کے ہفتہ وار سفرخرچ سے بھی کم تھا۔اکثر و بیشتر سرگودھا سے ٹیکسی پر آتے تھے۔ہر ہفتہ اتنا طویل سفر طے کر کے فیصل آباد آنے کا مقصد محض حصولِ زر نہیں تھا، بلکہ اس کے پیچھے ایک علمی وروحانی جذبہ موجزن تھا، جس کی طرف اشارہ آپ کے والدِ گرامی کے ایک ملفوظ سے ہوتا ہے۔

اس زمانے میں مذکورہ مسجد میں امامت کے فرائض محترم محمد سرور شاہ صاحب انجام دے رہے تھے، جو ایک صاحبِ ذوق شخصیت کے حامل تھے۔شاہ صاحب کو انتظامیہ

نے مسجد سے بلا وجہ فارغ کر دیا۔ صاحبزادہ صاحبؒ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ کو بہت دکھ ہوا۔ آپ نے انتظامیہ کو سمجھایا کہ وہ شاہ صاحب کو پریشان نہ کریں۔ جب بات نہ بنی تو آپ نے خطابت سے معذرت کر لی۔ تین ماہ تک اراکینِ کمیٹی نے آپ کا متبادل خطیب لانے کی سر توڑ کوشش کی لیکن لوگ آپ کے علاوہ کسی دوسرے خطیب سے مطمئن نہیں ہو رہے تھے۔ آخر طے ہوا کہ سرور شاہ صاحب کو انکے عہدے پر بحال کر دیا جائے اور ایک وفد آپ کے والدِ گرامی حضرت میاں عبدالحمیدؒ کی خدمت میں سفارش کیلئے بھیجا جائے۔ چنانچہ سردار محمد صاحب صدر انجمن، حاجی عبداللطیف صاحب اور حاجی محمد یعقوب صاحب کی سرکردگی میں کچھ لوگ حضرت میاں صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی گزارش پیش کی۔ حضرت میاں صاحبؒ نے فرمایا کہ ''آپ لوگ اتنا طویل سفر طے کر کے آئے ہیں۔ میں عزیز احمد صاحب سے کہہ دوں گا کہ وہ جمعہ کے لئے جایا کریں۔ بہرطور شاہ صاحب کے ساتھ آپ کا روّیہ نظرِ ثانی چاہتا ہے۔ میں نے انہیں اور عزیز احمد کو اکٹھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچہری میں حاضر دیکھا ہے۔ عزیز احمد کا فیصل آباد جمعہ پڑھانے کا مقصد کوئی معاوضہ و مشاہرہ حاصل کرنا نہیں، محض حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار احمدؒ کی زیارت و حاضری ہے، جن کے فیضِ نظر سے وہ اس مقام پر پہنچا ہے۔''

صاحبزادہ صاحبؒ خطبہ جمعہ سے پہلے باقاعدہ تیاری نہیں کرتے تھے۔ آپ کا مطالعہ و معلومات اتنی وسیع تھیں کہ کسی موضوع پر گھنٹوں اظہارِ خیال کر سکتے تھے۔ بعض اوقات ایک موضوع پر طویل عرصہ تک گفتگو فرماتے۔ پھر بھی وقت کی کمی کی شکایت رہتی۔ سرور شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ آیت کریمہ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ۝ کے موضوع پر متواتر دو سال تک ارشاد فرماتے رہے۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب تقریر سے پہلے نعت پڑھا کرتے تھے۔ وہ نعت کے لئے عموماً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلویؒ کا کلام انتخاب کرتے۔ آپ مسجد کے اندر داخل ہوتے تو وہ جو شعر پڑھ رہے ہوتے، وہی شعر اس دن کی تقریر کا موضوع بن جاتا۔ صاحبزادہ صاحبؒ اعلیٰ حضرت کے نعتیہ کلام کے ہمیشہ معترف رہے۔ فرماتے تھے کہ ان کا کلام گرمیٔ عشق سے لبریز ہوتا ہے۔ عموماً شاعروں کے

نعتیہ اشعار کا موضوع عظمت و مقامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہوتا، جبکہ اعلیٰ حضرت کی نعتوں میں مقامِ محبوبیت کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔

ایک روز صاحبزادہ صاحبؒ نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر سرور شاہ صاحب کے کمرے میں تشریف فرما تھے۔ مولوی غلام عباس صاحب نے عرض کیا کہ ''حاجیوں کے درمیان ہمیشہ یہ بحث رہی ہے کہ طواف کا ثواب زیادہ ہے یا عمرے کا۔ دونوں طرف آرا کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، کچھ بجھائی نہیں دیتا کہ حقیقت کیا ہے؟'' آپ نے فرمایا! مولانا: ''فرض کا ثواب زیادہ ہے یا نفل کا؟'' انہوں نے عرض کیا! ''فرض کا اجر زیادہ ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''عمرہ کا طواف فرض ہے اور دوسرا طواف نفل۔ فرض کی ادائیگی کا اجر اگر زیادہ ہے تو عمرہ کا ثواب یقیناً زیادہ ہوگا اور صرف طواف، جو نفلی عبادت ہے اس کا ثواب کم ہوگا۔''

حاجی مرزا عبداللطیف صاحب نے عرض کیا کہ ''ماہِ محرّم کی آمد ہے۔ آپ نے دس سالہ عرصہ خطابت میں شہادتِ حسینؓ کے موضوع پر کبھی گفتگو نہیں کی۔ اس دفعہ اس موضوع پر تقریر فرمائیں۔'' آپ نے جواب میں فرمایا کہ ''دو وجوہات ہیں جن کی بنیاد پر میں شہادت کے موضوع پر بات نہیں کرتا۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ بزرگانِ دین سے ہم نے ادب سیکھا ہے اور ادب کا تقاضا ہے کہ احترام اور قرینے سے بات کی جائے۔ پیشہ ور خطیب لوگوں کے جذبات ابھار کر سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے حقائق پر جھوٹ اور مبالغہ کی ملمع سازی کرتے ہیں۔ وہ جس انداز میں واقعاتِ کربلا بیان کرتے ہیں وہ سراسر ادب کے خلاف ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر مائی صاحبان کے نام لئے جاتے ہیں۔ جو کسی صورت بھی مناسب نہیں۔ یا مثلاً کہا جاتا ہے کہ جناب حسینؓ زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑے۔ میں ایسا اندازِ تکلم ادب کے خلاف سمجھتا ہوں۔

دوسری بات جو اس موضوع پر گفتگو سے مانع ہے، وہ یہ ہے کہ ظالم جب ظلم کرنے پہ آئے تو وہ اس میں کمی نہیں چھوڑتا۔ یزیدیوں نے میدانِ کربلا میں مستورات اور سیدنا امام زین العابدینؓ کے سوا کیا چھوڑا تھا: حضرت اِمام کی عمر تو اس وقت صرف بارہ برس

تھی ۔ یہ جو واقعاتِ کربلا کی جزئیات بیان کی جاتی ہیں، کہاں سے لی گئیں! ایک چشم دید گواہ تو کم عمر ہے اور دوسرا خود ظالم ۔ دکھ اور کرب کی اذیت ناک گھڑی، مزید حضرتِ امام کی کم سنی ! بھلا اتنی تفصیلات حافظہ میں کیسے محفوظ رہ گئی تھیں ۔ دوسری طرف ظلم کرنے والے ،کیا خود بتاتے پھریں گے کہ ہم نے کیا کیا گل کھلائے ۔ یہ سب بعد کی اختراع اور فرضی داستانیں ہیں، انہیں بیان نہیں کیا جا سکتا۔''

صاحبزادہ صاحب نے پھر فرمایا کہ'' اس جہانِ رنگ و بو میں ادب ہی تو کام کی چیز ہے ۔ عشق کے بغیر ادب کا سلیقہ نہیں آتا ۔ گویا عشق و ادب لازم ملزوم ہیں ۔ میر نے کہا تھا۔

دور بیٹھا غبار میرؔ اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

خلفائے راشدین کے فرقِ مراتب کے موضوع پر مقررین کو یہ کہتے سنا ہے کہ صحابہ میں سب سے بلند مرتبہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے ۔ ان سے کم مرتبہ حضرت فاروقِ اعظمؓ کا، ان سے کم مقام سیدنا عثمان غنیؓ کا اور ان سے کم مرتبہ رکھتے ہیں حضرت علی المرتضیٰؓ ۔ میرے خیال میں اس ترتیب سے ان حضرات کی فضیلت بیان کرنا خلافِ ادب ہے ۔ بلکہ اس طرح ذکر کر لیا جائے تو یہ عین ادب ہوگا کہ سب سے بلند مرتبہ سیدنا علی شیرِ خداؓ رکھتے ہیں ۔ آپ سے بلند مقام حضرت عثمان ذوالنورینؓ کا ہے ۔ ان سے بلند مرتبہ حضرت فاروقِ اعظمؓ کا اور ان سے بلند مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہے ۔ مرتبے کو بلندی سے پستی کی طرف لانا ادب کے خلاف ہے۔

ایک مرتبہ خطبہ جمعہ میں مولوی عبداللطیف صاحب نے سوال کیا کہ جسمانی قوت کے لحاظ سے حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ طاقتور تھے یا سیدنا علی شیرِ خداؓ ۔ آپ نے فرمایا'' یہ سوال کسی شیعہ نے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے کیا تھا ۔ آپ نے غزوۂ خیبر اور حضرتِ علیؓ کی طاقت و شجاعت کی دیگر مثالیں دے کر فرمایا، میرے خیال میں تو حضرت علیؓ زیادہ طاقتور ہیں ۔ لیکن تمہارے نزدیک حضرت ابوبکر صدیقؓ ، کیونکہ تمہارے عقیدے کے مطابق

انہوں نے حضرت علیؓ سے خلافت بزورِ بازو حاصل کی تھی۔''

صاحبزادہ صاحبؒ 1966 تک جامعہ نقشبندیہ رضویہ سانگلہ ہل میں انتظامی و تدریسی فرائض بطریقِ احسن انجام دیتے رہے۔ اس سال ماہِ ستمبر میں آستانہ عالیہ سیال شریف پر حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ کی سرپرستی میں دارالعلوم ضیا شمس الاسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا احیاء ہوا۔ مدرسہ کے لئے وسیع و عریض عمارت تعمیر کی گئی۔ درسِ نظامی اور کالج کی تعلیم کے لئے معقول مشاہرہ پر لائق اور محنتی اساتذہ مقرر کئے گئے۔ لیکن انتظامی معاملات کی دیکھ بھال کے لئے شیخ الجامعہ کی اسامی ابھی خالی تھی، جس کے لئے کسی ایسے منتظم کی ضرورت تھی جو بہ کمال فہم وفراست اور حکمت و دانائی، دارالعلوم کے نظم ونسق کو بحسن وخوبی چلا سکے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کی نگاہِ انتخاب صاحبزادہ صاحبؒ پر پڑی اور اس طرح آپ سے رابطے کا آغاز ہوا۔

صاحبزادہ صاحبؒ کے والد گرامی حضرت میاں عبدالحمیدؒ، آستانہ عالیہ سیال شریف سے بہت عقیدت اور نیاز مندی رکھتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کا اپنے پیر خانے کے بارے میں ہمیشہ یہ منفرد تصور رہا کہ وہاں صرف موقع بہ موقع حاضری دی جائے۔ زیادہ قیام کسی نہ کسی بے ادبی و گستاخی کا سبب بن سکتا ہے۔ لہٰذا ان کی حاضری کا انداز قابلِ رشک ہوتا تھا۔ سیال شریف کی حدود میں کسی سے اونچی آواز میں بات تک کے روادار نہیں تھے۔ بس حاضر ہوئے، ذوق وشوق کی دنیا میں چند گھڑیاں گزاریں اور پھر اجازت طلب کر لی۔

ادھر حضرت سیالویؒ نے میاں صاحبؒ کو حکم صادر فرمایا کہ عزیز احمد صاحب کو دارالعلوم کی خدمت کے لئے مامور کیا جائے۔ ان کے لئے اپنے شیخ کا یہ فرمان امتحان سے کم نہیں تھا۔ پریشان ہو گئے۔ ایک طرف یہ تصور کہ شیخ کے آستان پر رہنا بے ادبی کا باعث بن سکتا ہے اور دوسری طرف حکم عدولی کا ڈر، نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ ابھی اس ذہنی کشمکش میں تھے کہ حضرت شیخ الاسلامؒ نے صاحبزادہ محمد بشیر الدین صاحب معظمی کے ہاتھ ایک خط ارسال فرمایا جس کے مندرجات کچھ اس طرح تھے۔

''رہا یہ مسئلہ کہ آستان اقدس کے مدرسہ میں رہنے سے ادب باقی نہ رہنے کا

تخیل' تو ایک سخت بے اطمینانی اور تشویش کا ازالہ کر سکنے کے باوجود ازالہ نہ کرنا فی نفسہٖ کس قدر اذیت کا باعث ہے۔۔۔۔۔لہٰذا درخواست ہے کہ پہلی فرصت میں عزیز کو دارالعلوم تک پہنچا دیں ورنہ۔۔۔۔!''

صاحبزادہ بشیر الدین صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں حکم نامہ لے کر حضرت میاں صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پڑھتے ہی صاحبزادہ صاحبؒ کو حکم دیا کہ فوراً سیال شریف روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ شوال المکرم ۱۳۸۵ھ بمطابق 1966ء دارالعلوم میں صاحبزادہ صاحبؒ کا تقرر عمل میں آیا۔

حضرت میاں صاحبؒ فرماتے تھے کہ "عزیز احمد کے سیال شریف قیام سے جہاں مجھے بے ادبی و گستاخی کا ڈر رہتا ہے، وہاں اپنی بخشش و نجات کی ضمانت بھی اسی میں نظر آتی ہے۔''

صاحبزادہ صاحبؒ نے اپنے والد گرامی کے اس قدر حساس جذبہ عقیدت واحترام پر کبھی آنچ نہیں آنے دی اور ایک سعادت مند بیٹے اور نیازمند مرید کی طرح آستانِ شیخ کے ادب واحترام کے تقاضوں کو ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھا۔ عرس پاک یا دُکھ سُکھ کی کسی بھی تقریب میں آستان پاک پر صرف حاضری دیتے، قیام دارالعلوم پر ہی کیا کرتے تھے۔ کبھی آستانِ شریف کی حدود میں شب بسری نہیں کی کہ مبادا غیر شعوری طور پر ہی کوئی بے ادبی یا گستاخی سرزد ہو جائے۔

صاحبزادہ صاحبؒ ستمبر 1966ء سے مئی 1977ء تک دارالعلوم ضیا شمس الاسلام سیال شریف میں بحیثیت شیخ الجامعہ، بڑی تندہی اور جانفشانی سے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ دس سال پر محیط طویل عرصہ تک اس عہدہ پر متمکن رہنا، دودھاری تلوار پر چلنے کے مترادف تھا۔ ایک طرف اساتذہ وطلبہ کی نازک مزاجیوں کا سامنا اور دوسری طرف معمولی لغزش پر شیخِ مکرم کی ناراضگی کا خیال۔ بحمد اللہ عشق ومحبت، ادب ونیاز، تواضع وفروتنی، فہم وفراست، لیاقت و قابلیت اور حضور شیخ الاسلامؒ کی باطنی توجہ سے اس آزمائش میں سرخرو ہوئے۔

مکتوب شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ
بنام
حضرت میاں عبد الحمیدؒ

باسمہ سبحانہ، عم امتنانہ

از سیال شریف

۱۵ ماہِ شوال المکرّم ۱۳۸۵ھ

مخلصی و محترمی مولانا عبد الحمید صاحب سجادہ نشین کفری شریف سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون و دعوات باجابت مقرون ماھو المرام۔ دار العلوم ضیاءِ شمس الاسلام سیال شریف میں مدرس ہنوز حاصل نہیں ہو سکا، جو سخت بدنامی اور انتہا درجہ بے اطمینانی کا باعث ہے۔ عزیزم عزیز احمد جو ہر لحاظ سے موزوں اور ہر طرح مناسب ہیں، کیوں نہ پہلی فرصت میں یہ خدمت سرانجام دیں اور ہماری تشاویش کو رفع فرمائیں۔ رہا یہ مسئلہ کہ آستانہ اقدس کے مدرسہ میں رہنے سے ادب باقی نہ رہنے کا تخیل؟ تو ایک سخت بے اطمینانی اور تشویش کا ازالہ کر سکنے کے باوجود ازالہ نہ کرنا فی نفسہ کس قدر راذیت کا باعث ہے۔

دوسرے مدرسہ ایک الگ اور مستقل ادارہ ہے جس کے آمد و خرچ وغیرہ تمام امور آستانہ اقدس سے جدا اور الگ ہیں۔ صورۃً بھی اچھے خاصے فاصلے پر واقع ہے۔ وہاں کسی مدرس کے مشاہرہ یا رہائش کا انتظام آستانہ اقدس سے بالکل غیر متعلق ہے۔ سوءِ ادبی کا سوال ہی کیا ہو سکتا ہے؟

لہٰذا درخواست ہے کہ پہلی فرصت میں عزیز کو دار العلوم تک پہنچا دیں ورنہ۔۔۔!

فقیر محمد قمر الدین
سجادہ نشین سیال شریف

مکتوب شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ

بنام

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ

[illegible]

دارالعلوم ضیا شمس الاسلام سیال شریف کا ریکارڈ شاہد ہے کہ صاحبزادہ صاحبؒ نے اپنے انتظامی دور میں درس و تدریس، نظم ونسق اور حسنِ کارکردگی کا جو عملی نمونہ پیش کیا، بعد کے ادوار میں اس کا عشرِ عشیر دیکھنے میں نہیں آیا۔ یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم میں آپ کی گراں قدر خدمات کو آج بھی خراجِ تحسین پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدّین سیالویؒ نے متعدد بار مختلف مجالس میں صاحبزادہ صاحبؒ کی انتظامی وتدریسی صلاحیتوں کا اعتراف فرمایا ہے۔

جون 1977ء میں صاحبزادہ صاحبؒ کے والد گرامی کا انتقال ہوا تو حضرت شیخ الاسلامؒ نے آپ کو ان کا جانشین مقرر کرتے ہوئے مخلوقِ خدا کی دلجوئی وراہنمائی کیلئے مکان شریف پر قیام کی ہدایت فرمائی۔ اس طرح آپ کے درس و تدریس کا دوسرا دور اختتام پذیر ہوا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار احمدؒ، پُرخلوص مذہبی اور مسلکی خدمات کے تناظر میں صاحبزادہ صاحبؒ کے آئیڈیل تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ، عظمت و ناموسِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدّس وتحفظ کے حوالے سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلویؒ کے مشنری وارث تھے۔ اعلیٰ حضرتؒ کے زمانہ حیات میں ہندوستان میں نجدیّت کے حامل نظریات وعقائد زور شور سے پَر پُرزے نکال رہے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے علمِ غیب، اختیار، ندائے یا رسول اللہ، روحانی وجسمانی معراج، نورانیت و بشریّت، وسیلہ، مقامِ اولیاء اور دُعا بعد نمازِ جنازہ جیسے مسائل پر فکری ونظری اختلافات پیدا ہونے لگے تھے۔ نجدی عقائد کی ترویج واشاعت کا مرکز دارالعلوم دیوبند تھا۔ امام احمد رضا خان بریلویؒ نے بریلی مرکز سے اہلِ سنت و جماعت کے عقائد ونظریات بڑے موثر انداز میں پیش کئے۔ آپ کے تبلیغی خطبات ومطبوعات نے سوادِ اہلسنت میں ادراکِ حقائق کا شعور پیدا کیا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار احمدؒ نے فیصل آباد اور مضافاتی علاقے میں اعلیٰ حضرتؒ کے تبلیغی مشن کو آگے بڑھایا۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرارت آپ کے رگ وریشہ میں ابتدا ہی سے سرایت کئے ہوئے تھی، جو عقائدِ فاسدہ کے دفاعی عمل کے لئے مہمیز

ثابت ہوئی۔ آپ کی حیاتِ طیبہ کا ہر لمحہ، صبح سے رات اور رات سے صبحِ روشن کے جگمگانے تک، محبت واتباعِ رسول سے تاریک دلوں کو جگمگانے اور عظمت رسول کے تابناک سورج کو گہنانے والوں کی بیخ کنی کیلئے وقف تھا۔

صاحبزادہ صاحبؒ دوسال حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں حاضر رہے۔ جامعہ کے ماحول میں عموماً اور آپؒ کی مجلس میں خصوصاً عظمتِ رسول کا ذکر ہی موضوعِ سخن رہتا۔ آپؒ سے شب و روز کی قربت، مذکورہ موضوعات پر ہمہ وقتی گفتگو، آپؒ کے اسلوبِ نیاز وعشق اور مشنری جذبے کے اخلاص وصداقت سے صاحبزادہ صاحبؒ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انہوں نے حضرت شیخ الحدیثؒ کے خیالات ونظریات سے متاثر ہوکر اپنے آپ کو خدمتِ دین اور مسلکِ اہلِ سنت کے لئے وقف کرلیا اور دورۂ حدیث کی تکمیل 1956ء سے اپنے انتقال 1995ء تک مذہب و مسلکِ اہلسنت کی ترویج و اشاعت کے لئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ عشقِ رسول کا محرک جذبہ، ان خدمات کے مسلسل ارتقاء میں مُمد ومُعاون رہا۔

اپنے والدِ گرامی حضرت میاں عبدالحمیدؒ کے انتقال (1977ء) کے بعد آپ نے خانقاہِ مکان شریف کی سجادہ نشینی کا منصب سنبھالا تو آپ کو خانقاہ کی روحانی اقدار برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ دینی علوم کے فروغ اور مسلکِ اہلسنت کے تحفظ جیسے کثیرالجہتی امور سرانجام دینا پڑے۔

صاحبزادہ صاحبؒ کے دادا جی حضرت میاں عبدالعزیزؒ اور والد گرامی حضرت میاں عبدالحمیدؒ نے لوگوں کو سلسلہ بیعت میں لینے سے احتراز کیا تھا۔ صرف پانچ یا چھ خوش نصیب تھے جنہیں اس خانوادہ سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔ ان دوجلیل القدر ہستیوں کے پاس بیعت کے لئے جو شخص بھی آتا، اسے سیال شریف یا معظم آباد شریف حاضر ہونے کی تاکید فرماتے۔ لیکن صاحبزادہ صاحبؒ نے اپنے شیخ طریقت خواجہ محمد قمرالدین سیالویؒ کے حکم کی تعمیل میں، جو بھی بیعت کے لئے آیا، اُسے مایوس نہیں کیا۔ بحمدِ اللہ اب تک ہزاروں طالبانِ صادق آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوکر سلسلہ طریقت سے منسلک ہو چکے

نذر

بہ جناب شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ مولانا سردار احمد

نیرِ اوجِ کرامت باضیائے آمدہ
چون رضا سرداراحمد رہنمائے آمدہ

نائب خاصِ امامِ اعظمِ پاک از ریا
پایہ کامل شریعت با عصاے آمدہ

جذبہءِ تبلیغِ دینِ حق ودیعت شد وُرا
عالماں را اوستاد و پیشواے آمدہ

حسبِ سُنّت راس کرد آں کارِ ہر دنیا و دین
محفلِ احناف را آن مقتداے آمدہ

شاہبازِ اوجِ علم و شیرِ میدانِ عمل
ناظمِ علمِ شریعت دلرُباے آمدہ

مَردُمِ چشمِ طریقت ، نورِعینِ عارفان
مہرِ گردونِ طریقت چوں رضاے آمدہ

بود آن محبوبِ حق سرداراحمد نامدار
این چنین فرخندہ بختے کم بہ دنیا آمدہ

کار فرما گشت براحکامِ قُرآن و خبَرَ
در رہِ صدق و صفا آن مرد یکتا آمدہ

رحمتِ حق شاملِ حالَم بُد وھم دستگیر
حُرمتِ پیر سیالمؒ دلکشائے آمدہ

این چنین استادِ خوش در انتہایم شد نصیب
اوستادِ بامرادم خوش لقاے آمدہ

رحمتِ حق باد برخاکش ہمیشہ اے عزیزؔ
کم چنین مردے بزرگ و باخداے آمدہ

صاحبزادہ عزیز احمد چشتی۔ مدرسہ رضویہ نقشبندیہ سانگلہ ہل

ثابت ہوئی۔ آپ کی حیاتِ طیبہ کا ہر لمحہ، صبح سے رات اور رات سے صبحِ روشن کے جگمگانے تک، محبت واتباعِ رسول سے تاریک دلوں کو جگمگانے اور عظمت رسول کے تابناک سورج کو گہنانے والوں کی بیخ کنی کیلئے وقف تھا۔

صاحبزادہ صاحبؒ دو سال حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں حاضر رہے۔ جامعہ کے ماحول میں عموماً اور آپؒ کی مجلس میں خصوصاً عظمتِ رسول کا ذکر ہی موضوعِ سخن رہتا۔ آپؒ سے شب و روز کی قربت، مذکورہ موضوعات پر ہمہ وقتی گفتگو، آپؒ کے اسلوبِ نیاز و عشق اور مشنری جذبے کے اخلاص وصداقت سے صاحبزادہ صاحبؒ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انہوں نے حضرت شیخ الحدیثؒ کے خیالات ونظریات سے متاثر ہوکر اپنے آپ کو خدمتِ دین اور مسلکِ اہلِ سنت کے لئے وقف کرلیا اور دورۂ حدیث کی تکمیل 1956ء سے اپنے انتقال 1995ء تک مذہب و مسلکِ اہلسنت کی ترویج و اشاعت کے لئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ عشقِ رسول کا محرک جذبہ، ان خدمات کے مسلسل ارتقاء میں مُمد ومُعاون رہا۔

اپنے والدِ گرامی حضرت میاں عبدالحمیدؒ کے انتقال (1977ء) کے بعد آپ نے خانقاہِ مکان شریف کی سجادہ نشینی کا منصب سنبھالا تو آپ کو خانقاہ کی روحانی اقدار برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ دینی علوم کے فروغ اور مسلکِ اہلسنت کے تحفظ جیسے کثیر الجہتی امور سرانجام دینا پڑے۔

صاحبزادہ صاحبؒ کے داداجی حضرت میاں عبدالعزیزؒ اور والد گرامی حضرت میاں عبدالحمیدؒ نے لوگوں کو سلسلہ بیعت میں لینے سے احتراز کیا تھا۔ صرف پانچ یا چھ خوش نصیب تھے جنہیں اس خانوادہ سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔ ان دو جلیل القدر ہستیوں کے پاس بیعت کے لئے جو شخص بھی آتا، اسے سیال شریف یا معظم آباد شریف حاضر ہونے کی تاکید فرماتے۔ لیکن صاحبزادہ صاحبؒ نے اپنے شیخِ طریقت خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ کے حکم کی تعمیل میں، جو بھی بیعت کے لئے آیا، اُسے مایوس نہیں کیا۔ بحمدِ اللہ اب تک ہزاروں طالبانِ صادق آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوکر سلسلہ طریقت سے منسلک ہو چکے

نذر

بہ جناب شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ مولانا سردار احمد

نیرِ اوجِ کرامت باضیائے آمدہ
چون رضا سرداراحمد رہنمائے آمدہ

نائب خاصِ امامِ اعظمِ پاک از ریا
پایہ کامل شریعت با عصائے آمدہ

جذبہءِ تبلیغِ دینِ حق ودیعت شد وُرا
عالماں را اوستاد و پیشوائے آمدہ

حسبِ سُنّت راس کرد آں کارِ ہر دنیا و دین
محفلِ احناف را آن مقتدائے آمدہ

شاہبازِ اوجِ علم و شیرِ میدانِ عمل
ناظمِ علمِ شریعت دلرُبائے آمدہ

مَردُمِ چشمِ طریقت ، نورِعینِ عارفان
مہرِ گردونِ طریقت چوں رضائے آمدہ

بود آن محبوبِ حق سرداراحمد نامدار
این چنین فرخندہ بختے کم بہ دنیا آمدہ

کار فرما گشت براحکامِ قُرآن و خبرَ
در رہِ صدق و صفا آن مرد یکتا آمدہ

رحمتِ حق شاملِ حالَم بُد وھم دستگیر
حُرمتِ پیر سیالم" دلکشائے آمدہ

این چنین استادِ خوش در انتہایم شد نصیب
اوستادِ بامرادم خوش لقائے آمدہ

رحمتِ حق باد برخاکش ہمیشہ اے عزیزؔ
کم چنین مردے بزرگ و باخدائے آمدہ

صاحبزادہ عزیز احمد چشتی ۔ مدرسہ رضویہ نقشبندیہ سانگلہ ہل

ترجمہ

۱۔ وہ لُطف وکرم کی بلندی کا روشن ستارہ ہیں۔ سردار احمد بھی امام احمد رضا کی طرح راہنما ہیں۔

۲۔ وہ ریا سے پاک امام اعظم کے خاص نائب ہیں۔ وہ کامل شریعت کے منبر نشیں ہیں اور صاحبِ عصا بھی ہیں۔

۳۔ اُنہیں دینِ حق کی تبلیغ کا جذبہ عطا ہوا ہے۔ وہ عالموں کے استاد اور پیشوا ہیں۔

۴۔ اُنہوں نے دین ودنیا کا ہر کام سُنّت کے مطابق درست کیا۔ وہ حنفیوں کی محفل کے امام ہیں۔

۵۔ وہ علم کی بلندیوں کے شاہباز اور میدانِ عمل کے شیر ہیں۔ وہ علمِ شریعت کے دلربا منتظم ہیں۔

۶۔ وہ طریقت کی آنکھوں کی پُتلی اور عارفوں کی آنکھوں کا نور ہیں۔ وہ امام احمد رضا کی طرح آسمانِ طریقت کے سُورج ہیں۔

۷۔ وہ نامور سردار احمد اللہ کے محبوب تھے۔ ایسے خوش نصیب لوگ دُنیا میں کم ہی آتے ہیں۔

۸۔ وہ قُرآن وسُنّت کے احکام پر عمل پیرا رہے۔ وہ صدق وصفا میں بے مثال تھے۔

۹۔ اللہ کی رحمت میرے شاملِ حال تھی اور پیر سیالؒ کی برکت نے میری دستگیری کی۔

۱۰۔ کہ تعلیم کے آخری مرحلے میں مجھے ایسا اچھا استاد ملا جو بامراد اور خوش جمال ہے

۱۱۔ اے عزیز! اُن کے مزار پر ہمیشہ اللہ کی رحمت رہے۔ ایسے بزرگ اور باخدا لوگ کم ہی ہوتے ہیں۔

ہیں۔ بیعت کرتے وقت صاحبزادہ صاحبؒ اپنے مرشد کے معمول کے مطابق، مرید کو شریعت کی پابندی کی تلقین فرماتے تھے۔

وادیِ سُون کے علاقے میں خانقاہِ مکان شریف کو ہمیشہ سے علمی و روحانی مرکز کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ وادی کے لوگ مزاجاً مذہب پسند، شریف الطبع، وفا شعار اور پُر اعتماد ہیں۔ وہ دوسروں سے پیار کرتے ہیں۔ خاص طور پر مذہبی و روحانی شخصیات پر تو جان بھی وار دیتے ہیں اور ان کی ہر آواز پر لبیک کہتے ہیں۔ اس پس منظر میں مکان شریف کی علمی و روحانی شخصیات کو علاقے میں بڑی قدر و منزلت حاصل رہی۔ لوگوں کو مذہبی مسائل کی تشریحات درکار ہوتیں یا روحانی کیفیات میں رہنمائی کی ضرورت، ان کی نگاہیں صرف مکان شریف کی طرف ہی اٹھتیں۔

خانقاہِ مکان شریف کے دوسرے سجادہ نشین حضرت میاں عبدالحمیدؒ طبعاً عزلت پسند تھے۔ آپ نے زندگی کے ایام خاموشی اور خلوت میں بسر کئے۔ شب و روز کے تمام اوقات میں وردووظائف میں مشغول رہتے۔ زندگی کی ہماہمی اور ہیجانی کیفیات سے گریز پا رہے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کو، ان کی توقع سے بڑھ کر باطنی و روحانی نعمتیں عطا ہوتیں اور علم و آگہی کا شعور ملتا۔ لیکن اس دوران بعض مذہبی عناصر کی کاوشوں سے علاقے کے مسلکی افق پر عقائدِ فاسدہ کا جو ہنگامہ سر اٹھا رہا تھا اس کی بیخ کنی کے لئے کسی نعرۂ مستانہ کی ضرورت تھی۔ ساٹھ اور ستر کے عشرے میں نجدی عقائد بڑی سرعت سے پھیلنے لگے۔ صحابہ کرام، اولیاء اللہ اور اہلِ سنت کے نظریات و عقائد کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا گیا تھا۔ علمائے دیوبند قریہ قریہ جا کر ان عقائد کا پرچار کر رہے تھے۔ علاقے کے سادہ لوح لوگ لاشعوری طور پر نئے پیش کردہ نظریات کے ریلے میں بہے جا رہے تھے۔ وہ چند عقائد جن کی صدائے بازگشت پوری وادی میں گونج رہی تھی، کچھ اسطرح ہیں۔

- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو غیب کا علم نہیں۔
- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں۔
- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم ہماری طرح کے بشر ہیں۔

- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ ماننا شرک ہے۔
- یا رسول اللہ کہنا شرک ہے۔
- اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دینا شرک ہے۔

اہل دیو بند کے طوفانی مشن کے خلاف، علاقے میں سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت سے تعلق رکھنے والے باشعور لوگوں میں ایک ہیجان اور ردِ عمل پیدا ہوا۔ انہوں نے سوچا کہ ان نظریات و عقائد کا بروقت تدارک نہ کیا گیا تو پھر کبھی تلافی نہیں ہو سکے گی۔ اس دوران اندرونِ شہر کفُری کی ایک مسجد میں اہلِ دیو بند نے مولوی عبدالمجید ندیم کو ایک جلسہ میں خطاب کے لئے مدعو کیا۔ مولوی صاحب نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے وادیِ سُون والو! میں تو یہ سمجھا تھا کہ تم صرف خدائے واحد کو مانتے ہو، لیکن یہاں آ کر پتہ چلا کہ تم لوگ بابا ساوی بیری والا (شیخ شرف الدّین حضوریؒ۔ نوشہرہ) کو بھی خدا مانتے ہو۔ اگلے دن باغ شمس الدّین سبھرال میں مولانا کی تقریر تھی، وہاں بھی انہوں نے کچھ ایسی ہی بات کی۔

ردِ عمل کے طور پر سُنّی مسلک سے منسلک لوگوں نے آپس میں سَر جوڑے۔ باہمی مشاورت سے طے ہوا کہ علم و عرفان کے مرکز مکان شریف سے رابطہ کیا جائے۔ چند نفوس پر مشتمل ایک وفد صاحبزادہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ 1975ء کی بات ہے۔ اُن دنوں آپ دارالعلوم ضیا شمس الاسلام سیال شریف میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے۔ اراکینِ وفد نے علاقے میں رونما ہونے والے نئے حالات و واقعات، بڑی شرح و بسط سے بیان کئے اور مذہبی و مسلکی حوالے سے سرپرستی و راہنمائی کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا! ''گو مذہبی آواز اٹھانے سے علاقے میں اختلافات کا امکان ہے، لیکن حضرت باوا جی صاحب اگر اجازت دے دیں تو مسلکِ اہل سنت کے لئے میری جان بھی حاضر ہے۔''

وفد کے لوگ حضرت میاں صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تعاون کی درخواست کی۔ آپ نے صاحبزادہ صاحبؒ کو طلب کیا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے

فرمایا: ''میں چاہتا تھا کہ علاقے میں مذہبی اختلافات پیدا نہ ہوں، لیکن شائد علماءِ دیوبند نے یہ سمجھ لیا ہے کہ میدان خالی ہے۔ اس صورتِ حال میں مصلحت اندیشی، خیانت اور کم حوصلگی تصور ہو گی۔ لہٰذا آپ اپنے عقائد کی ترویج کی بھرپور کوشش کریں۔''

چنانچہ صاحبزادہ صاحبؒ نے پرزور انداز میں عقائدِ اہلِ سنت کی تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مختلف شہروں میں مذہبی جلسوں کا اہتمام کیا جاتا، جن میں علما لوگوں کو عقائدِ اہلِ سنت اور نجدی نظریات کا تقابلی جائزہ پیش کرتے۔ متنازعہ عقائد پر تفصیلی پمفلٹ چھپوا کر تقسیم کئے جاتے تھے۔ مذہبی خدمات کے حوالے سے آپ کی شبانہ روز کاوشیں دو مجسّم جہتیں اختیار کرتی نظر آتی ہیں۔

1۔ جامعہ قمر الاسلام کا قیام 2۔ تبلیغی دورے

صاحبزادہ صاحبؒ نے ستمبر 1977ء میں آستانہ عالیہ مکان شریف پر حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ کے نام سے منسوب دارالعلوم ''جامعہ قمر الاسلام'' کا سنگِ بنیاد رکھا۔ مکان شریف کے شمال میں تین کنال رقبہ خرید کر عالیشان عمارت تعمیر کی گئی۔ جامعہ میں قدیم وجدید مروّجہ علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ تعلیم و تعلّم کے ساتھ تعمیرِ شخصیت پر بھی خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ صاحبزادہ صاحبؒ، درس و تدریس اور انتظام و انصرام کا وسیع تجربہ رکھتے تھے، جس سے ادارے کو فائدہ پہنچا اور مثالی ڈسپلن دیکھنے میں آیا۔

اہلِ سنت و جماعت کے تعلیمی اداروں میں جامعہ قمر الاسلام کو امتیاز حاصل ہے کہ اس میں علومِ اسلامیہ کی نصابی تعلیم کے علاوہ طلبہ میں عقائد کے تقابلی تجزیہ کا ملکہ پیدا کیا جاتا ہے۔ یہاں تعلیم و تربیت حاصل کرنے والے طلبہ اس حقیقت سے روشناس ہوتے ہیں کہ مسلکِ اہلِ سنت ہی وہ مسلک ہے جو حقانیت و صداقت کا علمبردار ہے۔ اب تک جامعہ سے کئی طلبہ فارغ التحصیل ہو کر دور دراز کے علاقوں میں خدمتِ دین اور اصلاحِ احوال میں سرگرمِ عمل ہیں۔

صاحبزادہ صاحبؒ کی تبلیغی ذمہ داریاں سنبھالنے سے قبل وادی سُون میں ۱۲ ربیع الاوّل کو میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جشن منانے کا باقاعدہ اہتمام نہیں تھا۔ اس سلسلے میں چھوٹی

موئی کاوش ہوتی بھی تو بعض شر پسند شرک و بدعت کا ڈھنڈورا پیٹ کر ایسے کارِ خیر انجام دینے والوں کی حوصلہ شکنی کر دیتے تھے۔ صاحبزادہ صاحبؒ نے 1977ء میں ۱۲ ربیع الاوّل کو میلاد النّبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے موقع پر پہلا جلسہ منعقد کیا اور جلوس نکالا۔ آپ نے لوگوں کو باور کرایا کہ حضور کی ولادت کی خوشی منانا، بدعت و شرک نہیں، سنّتِ خداوندی ہے۔ آپ نے اپنے خطاب میں بطورِ خاص بخاری شریف، جلد دوم کتاب النّکاح کی حدیث کا حوالہ دیا کہ ابولہب نے سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت کی خوشخبری سنانے پر، اپنی لونڈی ثوبیہ کو آزاد کر دیا تھا۔ گھر والوں نے اس کے مرنے کے بعد خواب میں اُسے بُرے حال میں دیکھا تو پوچھا کیا گزری؟ ابولہب بولا! تم سے علیحدہ ہو کر مجھے کوئی خیر نصیب نہیں ہوئی، البتہ اس کلمے کی انگلی (انگشتِ شہادت) سے پانی ملتا ہے کیونکہ میں نے (اس سے اشارہ کر کے) ثوبیہ کو آزاد کیا تھا۔

یہ جلسہ و جلوس وادیٔ سُون کی مذہبی تاریخ میں انقلابی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ وادی جو اب تک صلوٰۃ و سلام کی پُر کیف صداؤں سے نا آشنا تھی، درودِ پاک کے دلنواز نغموں سے گونجنے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے مسجدوں میں ذکرِ مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محفلیں جمنے لگیں۔ ماہِ ربیع الاول میں قریہ بہ قریہ پُر جوش جلوس نکلنے لگے۔ لوگوں میں مذہبی بیداری کی لہر دوڑ گئی۔ اس ضمن میں قاری محمد امین صاحب سیالوی کی خدمات کا اعتراف ضروری ہے کہ قاری صاحب ہر سال نوشہرہ میں میلاد کے مرکزی جلسہ و جلوس کا اہتمام کرتے ہیں۔ شرکائے جلوس کا جوش و خروش، ذوق و شوق، عقیدت و محبت اور نظم و نسق دیکھ کر قاری صاحب کے لئے دل سے بے ساختہ دعا نکلتی ہے۔

راقم الحروف کو 1977ء میں جشن میلاد النّبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پہلے جلوس سے آپؒ کے انتقال (1995ء) تک، تقریباً ہر جلوس میں شرکت کی سعادت حاصل رہی ہے۔ 1995ء کے بعد مصروفیات آڑے آتی رہیں اور میں حاضر نہ ہو سکا۔ سات سال بعد مجھے اس مرتبہ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۴۲۴ھ بمطابق 15 مئی 2003 بروز جمعرات پھر جلوس میں شمولیت کا شرف حاصل ہوا۔ میں سوچ رہا تھا کہ علاقے میں اب صاحبزادہ صاحبؒ کے

روپ میں وہ مقناطیسی شخصیت موجود نہیں، جس کے جذبہ عشق نے لوگوں کے دلوں میں ایک حرارت پیدا کر دی تھی اور ایسے مواقع پر اظہارِ عقیدت و محبت کے لئے وہ دیوانہ وار، کشاں کشاں چلے آتے تھے، لہٰذا اب وہ انسانوں کا ہجوم ہو گا نہ وہ جذبہ و حرارت۔ لیکن یہ دیکھ کر مجھے بڑی خوشگوار حیرت ہوئی کہ سات سال گزرنے کے باوجود، اس شعلۂ عشق نے، جسے آپ نے ہوا دے کر ہزاروں سینوں میں بھڑکا دیا تھا، اب مزید ہزاروں دلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور زیادہ شدت اور زیادہ تڑپ کے ساتھ جذب و سوزِ دروں پیدا کر رہا ہے اور زبانوں سے اظہار پا رہا ہے۔

شرکائے جلوس، ذاتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے عشق و محبت اور نیاز و عقیدت کے والہانہ پن کا اظہار، جس وارفتگی بلکہ از خود رفتگی سے کر رہے تھے، اس سے مجھے یہ نظریہ باطل ہوتا محسوس ہو رہا تھا کہ عاشقانِ صادق موت آنے پر مَر جاتے ہیں۔ میرے شعور و وجدان کی آنکھ شرکاء کے عشق و محبت سے تمتماتے چہروں میں صاحبزادہ صاحبؒ کی اس وابستگی کی جھلک دیکھ رہی تھی، جس نے انہیں سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قربتوں سے آشنا کر دیا تھا۔ جذبہ عشق کی بے تابی اور تن من دھن، عزت و آبرو بلکہ دین و دنیا، سب کچھ سرکار کی ذات پر نچھاور کرنے کا جو ذوق قدرت نے آپ کی ذات میں ودیعت فرمایا تھا، وہ اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ ان غلامانِ مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جذبوں سے عیاں تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ حضرت عزیز احمد انتقال ظاہری کے باوجود، ابھی تک مَر نہیں سکے اور نہ وہ ابدالآباد تک مر سکیں گے، بلکہ اپنے تربیت یافتہ ان عاشقانِ مصطفےٰ کے جذبوں اور محبتوں کے روپ میں ہمیشہ زندہ و تابندہ رہیں گے، جن کی پیاسی روحوں کو وہ زندگی بھر عشقِ رسول کے آبِ حیات سے سیراب کرتے رہے۔ ایک مشعل سے اب ہزاروں مشعلیں روشن ہو گئیں اور یہ شمع در شمع جلنے کا سلسلہ روزِ قیامت تک چلتا رہے گا۔

صاحبزادہ صاحبؒ کے تبلیغی مشن میں **12** خطباتِ جمعہ کا بڑا موثر کردار رہا ہے۔ یہ خطبے آپ ماہِ ربیع الاوّل سے جمادی الاولیٰ تک وادیٔ سُون کے مختلف گاؤں اور قصبوں میں ہر جمعہ کو دیتے تھے۔ اِن خطبات کا موضوع عظمتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم ہوتا تھا۔ ان

نامہ منظوم

میں تیری بارگاہ میں اے شیخِ پاکباز
با صد ہزار عجز لکھوں نامہ نیاز

طالب ہوں عافیت کا جنابِ خدا سے مَیں
مشتاقِ دید بھی ہوں امیدِ لقا سے مَیں

مجبورِ شوق ہو کے مَیں کہتا ہوں پھر سلام
ہے دل کا تحفہ ، جان کا نذرانہ یہ سلام

بعد از سلام عرض ہے میری حضور سے
کرتا ہوں مَیں دعا یہی کیف و سرور سے

اللہ عُمرِ خضر عطا آپ کو کرے
علم و عمل میں اونچا خدا آپ کو کرے

علامہء زماں بنائے خدا تمہیں
اور عاشقِ رسول بنائے سدا تمہیں

دربار تیرا طورِ تجلّی بنا رہے
فیضانِ علم دیں کا اُجالا بنا رہے

حق تیرے نطق اور قلم سے بلند ہو
اللہ کی رضا ہو جو تجھ کو پسند ہو

میری بساط کیا ہے کہ میں مدّعا کہوں
میری مجال کیا ہے کہ مَیں ماجرا لکھوں

ہاں یہ ضرور ہے کہ مجھے ناز تجھ پہ ہے
میں ہوں نیاز مند مرا ناز تجھ پہ ہے

میں ذرّہ حقیر ہوں کیا التجا کروں
کس منہ سے دل کا بھید یہاں برملا کروں
جو ہم نشیں پُرانے تھے، احباب جو بھی تھے
ملنے کو روز و شب مجھے بے تاب جو بھی تھے
تقدیر نے اُن اپنوں کو بیگانہ کر دیا
اس غم نے مجھ فقیر کو دیوانہ کر دیا
ہے آرزو مری کہ مجھے تم نہ چھوڑنا
رکھ لینا میری لاج ، مرا دل نہ توڑنا
تجھ سے ہے التجا کہ تو اپنا کہے مجھے
پھر مجھ کو جو بھی دیکھے وہ تیرا کہے مجھے
دونوں جہاں میں اب مری پہچان تو بنے
جانِ عزیز اب مرا ایمان تو بنے

میاں رکن عالم......مکڑمہی
۲۸۔ستمبر۱۹۵۵ء/صفر۱۳۷۵ھ

مخصوص خطبات کے علاوہ مختلف مذہبی تہواروں پر بھی آپ کی تقاریر کا اہتمام کیا جاتا۔ آپ کے بیان میں تبحرِ علمی، عشقِ رسول کی چاشنی، فصاحت و بلاغت، اخلاص اور لہجے کی مٹھاس سامعین کو مسحور کر دیتی تھی۔

صاحبزادہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے اپنی زندگی ذکرِ مصطفیٰ ﷺ کے لئے وقف کر دی ہے۔ انتہائی نامساعد حالات میں بھی آپ مذہبی پروگراموں میں شرکت کرتے تھے۔ قاری محمد امین صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ انگہ میں میلاد النبی ﷺ کے جلسے کا اہتمام کیا گیا، جس میں صاحبزادہ صاحبؒ کا خطاب تھا۔ اشتہار چھپوا کر تقسیم کر دیئے گئے۔ اس دوران انگہ کے دیوبندی حضرات نے صاحبزادہ صاحبؒ کو پیغام بھیجا کہ آپ تقریر کے لئے انگہ آئیں تو اپنا کفن ہمراہ لائیں۔ آپ نے جواب میں انہیں لکھا کہ ''عزیز احمد کی جان تو ہے ہی نبی کریم ﷺ کے لئے۔ میں انشاء اللہ جلسہ میں ضرور آؤں گا، آپ اپنی تیاری رکھیں۔'' چنانچہ مقررہ وقت پر آپ وہاں پہنچے۔ لوگوں کا ایک جمِ غفیر موجود تھا۔ آپ انگہ کی جس گلی سے گزرتے، وہ جلوس کا منظر پیش کرتی۔ شہر کی فضا نعرہ ہائے تکبیرؒ و رسالت سے گونج اٹھی۔ آپ نے مسلسل تین گھنٹے عظمتِ رسالت کے موضوع پر تقریر کی۔ کسی کو سامنا کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آپ کی جرأت رندانہ کا یہ اثر ہوا کہ اس سے پہلے وہاں اہلِ سنت کے مسلک کی صرف ایک مسجد موجود تھی۔ اب تین مسجدیں تعمیر کر لی گئیں اور ہر سال جشنِ میلاد بڑی دھوم سے منایا جاتا ہے۔

اسی طرح موضع کھوڑہ کے بریلوی حضرات نے جلسہ میلاد النبی ﷺ کے لئے حضرت مولانا عطا محمد مرحوم (گنڈ والے) سے تقریر کا وقت لیا۔ موضع کے دیوبندیوں نے مولانا کو خط لکھا کہ اگر وہ یہاں تقریر کے لئے آئے تو جھگڑا ہو جائے گا۔ چنانچہ مولانا موصوف نے مصروفیت کا بہانہ کر کے معذرت کر لی۔ اہل دیہہ گھبرا کر صاحبزادہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں تسلی دی کہ سرکار کی ولادت کا جلسہ ضرور ہوگا۔ اس دوران مخالفین نے ضلعی انتظامیہ کو جلسہ رکوانے کے لئے درخواست دے دی۔ قاری محمد امین صاحب بیان کرتے ہیں کہ کھوڑہ سے محمد اقبال صاحب، ماسٹر غلام رسول صاحب، صوفی

گلزار صاحب اور میں ایس ایچ او نوشہرہ کے پاس گئے اور اپنا موقف بیان کیا۔ ابھی ہم تھانہ میں ہی تھے کہ صاحبزادہ صاحب " تشریف لائے اور ہمیں فرمایا کہ آپ بھی کھوڑہ چلیں۔ انتظامیہ اجازت دے یا نہ دے، جلسہ انشاء اللہ ضرور ہوگا۔

ہم کھوڑہ پہنچے تو اسسٹنٹ کمشنر خوشاب اور ایس ایچ او نوشہرہ بھی وہاں پہنچ گئے۔ اے سی نے آپ سے عرض کیا کہ '' یہ جلسہ آپ کروا رہے ہیں۔ یہاں اگر گڑ بڑ ہوگئی تو ذمہ دار کون ہوگا؟'' آپ نے فرمایا '' ہم تو صرف نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکرِ خیر اور حضور کی شان و عظمت بیان کرنا چاہتے ہیں، کون ایسا مسلمان ہوگا جو حضور کے ذکر سے نالاں ہو اور جھگڑا کرے گا۔ آپ ایک ذمہ دار افسر ہیں، آپ ہی بتائیں کہ نبی کریم ﷺ کا ذکر کرنا اور لوگوں کو دینی مسائل سے آگاہ کرنا اچھی بات ہے یا بُری؟ اگر یہ کارِ خیر ہے تو ہمیں اس سے کیوں روکا جارہا ہے! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہاں کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا۔'' اے سی صاحب آپ کی شخصیت اور گفتگو سے متاثر ہوئے۔ انتظامات و نگرانی کی ذمہ داری تھانیدار کو سونپی اور آپ سے دُعا کی درخواست کر کے واپس چلے گئے۔ آپ کی زیرِ صدارت مقرر وقت پر جلسہ ہوا اور بحمد اللہ پرسکون ماحول میں اختتام پذیر ہوا۔

میلاد شریف کے پروگرام میں آپ اپنی شرکت یقینی بناتے تھے۔ طبیعت کی ناسازی یا موسم کی سختی کبھی حارج نہیں ہوتی تھی۔ ایسے مواقع پر پیدل چل کر جانا پڑتا تو بھی ضرور جاتے۔ اس فرض شناسی اور جانفشانی کے پیچھے اصل محرّک وہ مشنری جذبہ تھا جو آپ کی فطرتِ ثانیہ بن چکا تھا۔

برادرِ عزیز محمد عثمان غنی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ موضع جاہلر کے ایک مضافاتی ڈیرہ پر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کا قیام اپنے ایک ارادتمند ملک عبدالحق صاحب کے ہاں تھا۔ ملک صاحب نے آپ سے عرض کئے بغیر یہ اعلان کروادیا کہ عشا کی نماز کے بعد آپ کا خطاب ہوگا۔ کم آباد اور مضافاتی علاقہ ہونے کی وجہ سے بمشکل چند افراد مسجد میں جمع ہوسکے۔ حالات دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ آپ تقریر نہیں کریں گے۔ ایک تو سامعین نہ ہونے کے برابر تھے۔ دوسرا گفری سے جاہلر تک چھ کلومیٹر کا سفر پیدل طے

کرنے کی وجہ سے تھکاوٹ بھی محسوس کر رہے تھے۔ لیکن آپ نے اعلان کے مطابق خطاب کیا اور فرمایا کہ ''عظمتِ رسالت کے بیان کا اعلان کر دیا جائے اور بیان نہ ہو، اس سے بڑی محرومی اور کیا ہو گی۔ میرے سامنے اب تو جاہلر کے چند آدمی بیٹھے ہیں، اگر ایسا وقت آ جائے کہ حضور کی تعریف سننے والا کوئی نہ ہو تو میں حضور کا ذکر پتھروں کو بھی سناؤں گا۔''

آپ کے مشنری جذبے کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے، جسے قاری محمد امین صاحب نے بیان کیا کہ سالانہ خطباتِ جمعہ کے سلسلہ میں موضع مکڑمہی میں آپ کے خطبہ جمعہ کا پروگرام طے تھا۔ سخت سردی پڑ رہی تھی اور کئی دن سے مسلسل بارش ہو رہی تھی۔ کوئی چھت ایسی نہیں تھی جو ٹپک نہ رہی ہو۔ قاری صاحب نے عرض کیا کہ ایسی صورت میں اہلِ مکڑمہی جمعہ کا اہتمام نہیں کر سکیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ ''بے شک بارشیں ہو رہی ہے۔ مکڑمہی والے ہم، تم سب روٹی تو کھا رہے ہیں، اللہ کی عبادت اور ذکرِ رسول کے لئے اکٹھے ہونے کا اہتمام نہیں کر سکیں گے افسوس صد افسوس۔ جس نبی کے صدقے ایمان ملا، اس کا ذکر سنیں، نہ سنائیں، یہ ممکن نہیں۔ میں صبح انشاء اللہ ضرور جاؤں گا، مسجد میں اگر کوئی اور نہ ہوا تو مولانا عبدالرحیم اور قاضی فتح محمد تو ضرور ہونگے۔''

چنانچہ اگلے روز برستی بارش میں آپ مکڑمہی پہنچے۔ بارش کی وجہ سے حضرت سخی محمد خوشحالؒ کے دربار سے آگے گاڑی کا رستہ نہیں تھا۔ ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ آپ نے جوتے اتار دیئے اور ننگے پاؤں پانی سے گزر کر مسجد تک پہنچے۔ آپ کی آمد کا سن کر لوگ جوق در جوق مسجد میں آنے لگے۔ مسجد کی ساری چھت ٹپک رہی تھی۔ صرف محراب والی جگہ محفوظ تھی۔ مولانا عبدالرحیم صاحب نے مائیک اٹھا کر محراب میں رکھ دیا کہ آپ وہاں کھڑے ہو کر تقریر کر سکیں۔ آپ نے مائیک دوبارہ محراب سے باہر رکھتے ہوئے فرمایا کہ ''غلامانِ مصطفٰے ﷺ اگر ٹپکتی چھت کے نیچے بیٹھ کر ذکرِ مصطفٰے ﷺ سن سکتے ہیں تو عزیز احمد بارش میں کھڑے ہو کر ذکرِ محبوب سنائے گا۔'' لہٰذا اسی صورتِ حال میں ڈیڑھ گھنٹہ خطاب فرمایا اور نمازِ جمعہ ادا کی۔

انجمن طلبا اسلام کے جوانوں، جن کا ماٹو اور نصب العین ''غلامیٔ رسول میں موت

بھی قبول ہے اور ''جو ہو نہ عشقِ مصطفیٰ تو زندگی فضول ہے۔'' سے بہت پیار کرتے تھے۔ وہ جب سیرۃ النبی کے حوالہ سے کسی تقریب کا انعقاد کرتے تو آپ ضرور شرکت کرتے تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر انہوں نے عرض کیا کہ مقام تقریب تک گاڑی کا رستہ نہیں، ایک کلومیٹر آپ کو پیدل چلنا پڑے گا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ''تمہارے دلوں میں غلامیٔ رسول کا جذبہ دیکھ کر جی چاہتا ہے، پاؤں سے نہیں، آنکھوں کے بل چل کر جاؤں، میں ضرور آؤں گا۔''

انجمن کے پاس فنڈز کی ہمیشہ کمی رہی۔ آپ موقع بہ موقع ان سے مالی تعاون فرماتے تھے۔ قاری محمد امین صاحب بیان کرتے ہیں کہ ملک آفتاب احمد نے، جو وادی سُون میں انجمن کے آرگنائزر ہیں، یکم اکتوبر 1995ء کو شانِ رسالت کے موضوع پر ایک جلسہ کرایا، جس پر اخراجات زیادہ اٹھے، جبکہ فنڈز کم تھے۔ انجمن بارہ سو روپے کی مقروض ہو گئی۔ آفتاب صاحب نے اگلے روز، آپ کی خدمت میں یہ بتائے بغیر کہ بارہ سو کا قرض ہے، مجملاً کچھ امداد کے لئے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: کہ ''جو کچھ پاس تھا، کل ایک محتاج بیوہ کو دے دیا ہے۔ اللہ کریم انتظام فرما دیں گے۔ تین دن بعد لے جانا۔'' دوسرے دن 3 اکتوبر کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ ابھی تجہیز و تکفین ہو رہی تھی کہ ایک شخص نے آفتاب صاحب کو ایک لفافہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ لفافہ صاحبزادہ صاحبؒ نے کل مجھے دیا تھا کہ آپ تک پہنچا دوں۔ انہوں نے کھولا تو اس میں بارہ سو روپے دیکھ کر وہ حیران رہ گئے کہ میں نے صرف امداد کے لئے گزارش کی تھی، قرض کی پوری رقم کا تو ذکر تک نہیں ہوا تھا۔

صاحبزادہ صاحبؒ کے مشنری جذبے اور تبلیغی کاوشوں نے مذہبِ اہلِ سنت کے سادہ لوح ماننے والوں کو، اپنے مسلکی عقائد و نظریات کا شعور عطا کیا۔ یہ آپ ہی کی تعلیمات کا نتیجہ ہے کہ وادی کے گاؤں گاؤں، قریہ قریہ میں یا رسول اللہ کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ بوڑھے، بچے اور جوان عظمتِ مصطفیٰ کے گیت گا رہے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اختیار اور علم غیب کے اثبات میں دلائل دیئے جا رہے ہیں۔ لوگ بارگاہِ ربّ العزت میں نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر حاجتیں مانگ رہے ہیں۔ خانقاہوں

میں اولیاء اللہ کے اعراس کی محفلیں منعقد کی جارہی ہیں اور نمازِ جنازہ کے بعد دعاؤں کے لئے ہاتھ اٹھائے جارہے ہیں۔

صاحبزادہ صاحبؒ نے مذکورہ موضوعات پر چند کتابیں بھی تحریر کیں۔

- سخن ہائے گفتنی
- دعا بعد نمازِ جنازہ
- ندائے یارسول اللہ
- نسیم نبوت
- وسیلہ
- حُسنِ سلوک

اپنی تحریر میں آپ نے مافی الضمیر مدلّل انداز میں پیش کیا ہے۔ جا بجا قرآن وحدیث کے حوالہ جات اس بات کی دلیل ہیں کہ مصنّف کو ان علوم پر دسترس حاصل ہے۔ بھاری بھرکم عربی عبارات کے باوجود اسلوبِ نگارش عام فہم، موثر اور دلپذیر ہے۔

صاحبزادہ صاحبؒ کے عشقِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلّم، مشنری جذبے اور مذہبی ومسلکی خدمات کو بارگاہِ نبوت میں پذیرائی حاصل تھی۔ ''ہوالحمید'' کے صفحہ 158 پر حضرت میاں عبدالحمیدؒ کا ایک ملفوظ درج ہے،

''میں نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ مکان شریف کے بڑے کمرے میں تشریف فرما ہیں۔ لمبی داڑھیوں والے لوگ، ندامت سے سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ حضور ان سے ناراضگی کا اظہار فرمارہے ہیں۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: ''جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، میں جانتا ہوں۔''

میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوا۔ حضور کے پاؤں مبارک ریشم کی طرح نرم وگداز تھے۔ میں پاؤں دبانے لگا۔ کافی دیر تک حضور نے خدمت کا موقع بخشا۔ آخر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عزیز احمد صاحب کے بارے میں چند دعائیہ جملے فرمائے اور میری آنکھ کھل گئی۔''

حضرت میاں صاحبؒ نے خواب کی تعبیر بھی خود ہی بیان فرمائی کہ ان دنوں عزیز احمد صاحب نے وادیٔ سُون میں نجدی فرقہ کے خلاف تبلیغی سلسلہ زور شور سے شروع کر رکھا تھا، جسے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا۔ وہ لوگ جو حضور کی خدمت میں بیٹھے تھے نجدی معلوم ہوتے تھے۔

خانقاہِ مکان شریف میں نئی تعمیرات، صاحبزادہ صاحبؒ کے ذوقِ تعمیر کی عکاس ہیں۔ آپ نے والدِ گرامی کے انتقال کے فوراً بعد ان کے مزار پر روضہ کی تعمیر کا کام شروع کر دیا۔ روضہ کے ہال کا طول 30 فٹ، عرض 25 فٹ، اور اونچائی 15 فٹ ہے۔ ہال کی چھت پر ایک خوبصورت گنبد بنا ہوا ہے، جس میں چاروں طرف ہوادان رکھے گئے ہیں۔ روضہ اقدس کی تعمیر کا کام ربیع الاوّل ۱۳۹۸ھ کو شروع ہوا اور تکمیل ۱۳۹۹ھ میں ہوئی۔ حضرت خواجہ غلام فخر الدّین سیالویؒ نے تاریخِ آغاز و تکمیلِ روضہ کہی۔

دلکشیء روضہء میاں صاحب ‌ ‌ ‌ بہرِ صاحبدلاں چو مقناطیس
خوش نما قبہ بعالی مقام (۱۳۹۸ھ) ‌ ‌ ‌ باتو گویم زمانہء تاسیس
برکتِ گنبدِ مکان شریف (۱۳۹۹ھ) ‌ ‌ ‌ سالِ تکمیل گفتہ ام چہ نفیس
رونقِ خانقاہ اَفزوں باد ‌ ‌ ‌ ذکر و تذکیر و لنگر و تدریس
واجب آمد شعائر اللہ را ‌ ‌ ‌ فخرؔ! تعظیم و عزت و تقدیس

روضہ کا گنبد طرزِ تعمیر کا شاہکار ہے۔ ہال کے اندر چھ مزارات ہیں۔ وسط میں حضرت میاں عبدالعزیزؒ، دائیں حضرت میاں عبدالحمیدؒ اور بائیں حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ کے مزارات ہیں، جن کے سرہانے دیدہ زیب کتبے نصب ہیں۔ ان پر قرآنی آیات، صاحبِ مزار کا نام، تاریخِ وصال اور عربی عبارات کندہ ہیں۔ ہال کے جنوب مغربی کونے میں صاحبزادہ غلام معین الدّین معظمی (راقم کا بھائی)، جنوب مشرقی کونے میں حاجی غلام قمر الدّین سبھر الولی اور شمال مشرقی کونے میں حضرت منشی عبدالحقؒ کا مزار ہے۔ روضہ اقدس سے باہر مغرب کی طرف مستورات کے مزارات کا احاطہ ہے۔ ان میں ایک مزار راقم کے بڑے بھائی صاحبزادہ نجم الدّین معظمی کا ہے۔

صاحبزادہ صاحب کے عہدِ سجادگی میں بنگلہ شریف کے تمام کمروں کی دیواروں اور چھتوں پر از سرِ نو کام ہوا۔ مسجد کی عمارت میں توسیع ہوئی۔ مسجد کے جنوب میں مہمانوں اور درویشوں کے لئے نئے کمرے اور ایک لائبریری تعمیر کی گئی، جس میں بے شمار نادر و نایاب کتابیں بڑے سلیقے سے شیلفوں میں رکھی گئیں۔

جولائی 1991ء میں صاحبزادہ صاحبؒ کو ذیابیطس کا عارضہ لاحق ہوا۔ جس سے دماغ کا کچھ حصہ مفلوج ہو گیا۔ زبان بھی متاثر ہوئی، بولنے میں دقت محسوس کرتے تھے۔ دو سال ڈاکٹر افتخار احمد راجہ، ماہرِ دماغی امراض نشتر ہسپتال ملتان کے زیرِ علاج رہے۔ اب کافی حد تک بیماری کے اثرات رفع ہو چکے تھے۔ نمازِ عصر کے بعد سیر کا معمول شروع کر دیا تھا۔ تقاریر کا سلسلہ جو بیماری کی وجہ سے منقطع تھا، بحال ہو گیا۔ لیکن ۷ جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ بمطابق 3 اکتوبر 1995ء بروز منگل مغرب کی نماز کے بعد اچانک دل کا دورہ پڑا، جو جان لیوا ثابت ہوا۔ اسطرح سات بجکر پینتیس منٹ پر ایک سچا عاشقِ رسول، روشن ضمیر پیر، باصفا مرید، باعمل عالم، شعلہ بیان خطیب، منجھا ہوا انشاء پرداز، سراپا خلوص و مروّت، انسان دوست، درویش زادہ اور ایک بااصول سجادہ نشین ''عزیز احمد''، حیاتِ مستعار کے 58 سال، 7 ماہ 11 دن اور 18 سال 3 ماہ 5 دن کا تابناک عہدِ سجادگی گزار کر دارِ فانی سے عالمِ بقا کو سدھارا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن O

صاحبزادہ فیض الامین صاحب فاروقی نے قطعہ تاریخِ وصال لکھا۔

صاحبزادہ صاحبؒ کے ناگہانی انتقال کی خبر سن کر آپ سے تعلق رکھنے والا ہر شخص گویا سکتے میں آ گیا اور اسے یوں لگا جیسے کائنات کو حرکت میں لانے والا گراں پیکر پہیہ یکلخت رک گیا اور اس کی اپنی ہستی بھی بے معنی ہو کر رہ گئی۔

مر جاتا ہوں جب یہ سوچتا ہوں
میں ترے بغیر جی رہا ہوں

آپ کے خدّام بتاتے ہیں کہ وصال سے لگ بھگ ایک مہینہ پہلے کئی بار آپ کو احمد ندیم قاسمی کا یہ شعر زیرِ لب گنگناتے سنا گیا۔

باسمہ تعالیٰ

قطعہ تاریخ وصال

"اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ"

۱۴۱۶ھ

"آفتاب روشن مولانا عزیز احمدؒ صاحب"

۱۴۱۶ھ

امامِ زماں فخرِ اسلامیاں رفت — دریغا عزیز احمدؒ خوش بیاں رفت
دِلش روشن از جلوهٔ معرفت بود — فدائے جمالِ شہِ مُرسلاںؐ رفت
رئیسِ دبستانِ ماثور و منصوص — بعلم و عمل ابحرِ بے کراں رفت
مُعلّم مفکّر محقق مُدّبر — محدّث مُفسّر فصیح اللّساں رفت
مشرف بُد از نسبتِ شیخ الاسلامؒ — کہ سیرش ورائے زمان ومکاں رفت
بداں ہشتم از ماہِ اولیٰ جمادی — یکا یک رُخ تافتہ زیں جہاں رفت
نہ تنہا منم سوگوار و حزیں — اسیرِ غمِ او زمین و زماں رفت
خُدا برمزارش کند ابرِ رحمت — بہر روزوشب تا جہاں را نشاں رفت
نیابت سپردہ بحامد عزیز — زِ دُنیائے دوں چوں بخلدِ جناں رفت

پئے سالِ ترحیل فیض الامیں گفت
"عزیز گرامی قدر از جہاں رفت"

۱۴۱۶ھ

پیش کردہ
صاحبزادہ فیض الامیں فاروقی

باسمہ تعالیٰ

قطعہ تاریخ وصال

''شیخ الحدیث مولانا عزیز احمد صاحب محبوب زماں'' ۱۹۹۵ء

وا دریغا ایک مردِ با خدا رخصت ہوا　　صاحب سرمایہ فہم و ذکا رخصت ہوا

مستِ جامِ الفتِ شاہِ ہُدیٰؐ رخصت ہوا　　آہ عزیز احمدؒ عزیزِ اتقیاء رخصت ہوا

دہر میں تھا عظمتِ اسلاف کا وہ پاسباں　　اہلِ سنت کا امام و مقتدا رخصت ہوا

علم کے گلزار میں دورِ خزاں کا ہے گزر　　نکتہ داں دیدہ ور عقدہ کشا رخصت ہوا

مسئلہ مُشکل سے مُشکل پل میں کرتا تھا جو حل　　فاضلِ دیں وہ فقیہہِ خوش نوا رخصت ہوا

نام سے اس کے تھے لرزاں رافضی و خارجی　　بے مثال اِک نابغہ اسلام کا رخصت ہوا

طالبانِ علم و دانش کیوں نہ ہوں نوحہ سرا　　راہنمائے جادۂ صدق و صفا رخصت ہوا

اس کی مرقد یاالٰہی نور سے معمور ہو　　عارفِ حق نیک دل شیریں لقا رخصت ہوا

ہے نشاں قائم جہاں میں صورتِ حامد عزیز　　چھوڑ کر اک جانشینِ خوش ادا رخصت ہوا

یوں کہا فیض الامیں نے مصرعِ سالِ وصال

''ماہتاب و قدوۂ اہلِ وفا رخصت ہوا''

۱۹۹۵ء

صاحبزادہ فیض الامین فاروقی

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا
میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا

نمازِ جنازہ بروز بدھ 11 بجے دوپہر، امیرِ شریعت نائبِ شیخ الاسلام خواجہ محمد حمید الدّین سیالوی مدظلہم العالی، زیبِ سجادہ آستان ذیشان سیال شریف کی اقتدا میں ادا کی گئی۔

انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر، صاحبزادہ صاحبؒ کو الوداعی سلام کہنے، صف در صف حاضر تھا۔ ہر آنکھ پُرنم اور ہر دل مرحوم کے جذبہ عشقِ رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مرعوب تھا۔

اک ترے حُسن سے نسبت کے طفیل
لوگ تکتے رہے چہرہ میرا

آپ کو خانقاہِ مکان شریف پر والدِ گرامی کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ اگلے روز سہ پہر 3 بجے رسم قل ادا کی گئی۔ حضرت خواجہ سیالوی مدظلہم نے صاحبزادہ محمد حامد عزیز صاحب کی دستار بندی کرائی اور یوں انہیں خانقاہِ مکان شریف کا چوتھا سجادہ نشین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اس موقع پر حضور نائبِ شیخ الاسلام مدظلہم نے حضرت خواجہ غلام حمید الدّین صاحب معظمی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ صاحبزادہ حامد عزیز صاحب حضور پیر سیال کے خلیفہ مجاز ہیں۔ مکان شریف کے تمام وابستگان کیلئے ان کی تکریم و تعظیم اسی طرح لازم ہے جس طرح حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ کی تھی۔ ان کے حکم کو آستانہ عالیہ سیال شریف کا حکم سمجھا جائے۔

اللہ کریم آستان مقدس نشان مکان شریف کو ابدالآباد تک قائم رکھے۔ یہ سرچشمہ خیر و برکت اور یُمن و سعادت، تشنگانِ حکمت و معرفت کو یونہی سیراب کرتا رہے۔ آمین

اسلامی تعلیمات میں شرفِ انسانی کے حوالے سے جس وصف کو ناگزیر گردانا گیا ہے، وہ خلوص و مروّت ہے، جس کے بغیر کوئی معاشرہ صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی معاشرہ نہیں بن سکتا۔ حقوق العباد کی کماحقہٗ ادائیگی بھی اخلاصِ نیت کے بغیر ممکن نہیں۔ انسانیت کا

برموقع وصال حضرت صاحبزادہ عزیز احمد رحمتہ اللہ علیہ
مکان شریف گُفری

چاہک واری پھیرا پاویں ہا — اوہو مٹھڑے بول الاویں ہا
ساڈے دل دی مُونجھ ونجاویں ہا — میں تتڑی تے ترس کماویں ہا

ساڈی رونق ترے دم نال ہئی — ہُن دُکھاں درداں تے غم نال ہئی
کم اکھیاں دا نم نم نال ہئی — ساڈے گھر دربار چالاویں ہا

چپ سادھ کے سجناں ٹُر گیا ایں — ساڈے دُکھڑے لے کر مُڑ پیا ایں
سانوں روگ اولڑے لا گیا ایں — کُجھ کسے نوں چا دساویں ہا

تساں واہ واہ طور نبھا چھوڑے — دل غیراں دے بدلا چھوڑے
لکھاں لکھاں دے درد ونجا چھوڑے — چا ساڈے تے کرم کماویں ہا

جیہڑا مقصد لے کر آندا سی — کدی باجھ مراد نہ جاندا سی
پیا دم دم ایہو الاندا سی — چا اوہو فیض وساویں ہا

لجپالاں دا ایہہ دوارا جی — ہر کہیں دی سمجھ دا یارا جی
اپنے آپ کو جاندا سب تو پیارا جی — نہ روگ انوکھے لاویں ہا

تیرے نال مکرم تے مسعود آندے — ایہہ شاہد تے مشہود آندے
اتے فخر دے خوشنود آندے — چاہک واری واگ ولاویں ہا

جدوں جھنڈا رسالت دا چایا ای   سب لوکاں نوں کھول سنایا ای
تینوں آپنیاں ایہہ فرمایا ای   ساڈے اُتھے سلام پہنچاویں ہا

ساڈا پیر قمرؔ فرماندا اے   جیہڑا پیر دے درتوں رہندا اے
اوہ کیوں غمناک ہوہندا اے   ایہو شان ''مکان'' دی چاہویں ہا

حامدؔ ، واجدؔ بہوں دِلگیر ہوئے   جیہڑے اک دوجے دے وِیر ہوئے
اوہ شاکر ربِ قدیر ہوئے   روندیاں راندیاں نوں گل لاویں ہا

عزیزہ دا روگ ونجاویں ہا   چاماندی نوں گل لاویں ہا
دُکھاں درداں دے ونڈ پاویں ہا   تاں ہی لجپال سداویں ہا

سانوں حقؔ صاحب نے لٹیا اے   تساں بھائیا کہہ کے سُٹیا اے
خون غلام دا نہ خدمت تو مٹھیا اے   ساڈی خاک نوں چارنگ لاویں ہا

ہفت جمادی الاوّل وصال ہو یا   چودہ سو تے سولھواں سال ہو یا
ناجی سب دا پیر سیال ہو یا   ساڈی اُونہہ دائیں واگ ولاویں ہا

اوہو مٹھڑے بول سنا ویں ہا
چا دِل دی مُونجھ ونجاویں ہا

نیازمند
ماسٹر غلام رسُول کھبکی

احترام، ایثار وقربانی، عاجزی وانکساری اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دینا وہ زرّیں اصول ہیں جو روحِ انسانی کی بالیدگی اور پاکیزگی کے لئے اشد ضروری ہیں۔ یہ خصائلِ حمیدہ تب تک شخصیت کا حصہ نہیں بن سکتے جب تک اخلاص فطرتِ انسانی کا جزوِ اعظم نہ ہو۔

اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ دینِ اسلام کی ترویج واشاعت میں اسی خلوص ومحبت نے معجزاتی نتائج دکھائے ہیں۔ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے حضرت خواجہ معین الدّین چشتی رحمتہ اللہ علیہ تک اور دیگر تمام بزرگانِ دین نے محض محبت ومروّت سے دلوں کو مسخر کیا اور ہٹ دھرم اور شر پسند انسان کو سراپا خیر بنا دیا۔ مذکورہ حضرات نے اسی خلوص ومحبت کے بل بوتے پر انسانی قلوب پر راج کیا۔ اُن کے دل مخلوقِ خدا کے دکھ اور کرب میں برابر جلتے تھے۔ بس انسان کی عظمت دوسروں کے دکھ اور درد کو اپنے اوپر وارد کر لینے میں ہے۔

قدرت نے صاحبزادہ صاحبؒ کو خلوص وہمدردی اور ایثار کے اوصاف وافر عطا فرمائے تھے۔ آپ کو مخلوقِ خدا سے اُنس تھا۔ وادیٔ سُون کے لوگ آپ کو اپنا سچا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھتے تھے۔ لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہوتے اور لوگ بے تکلف اپنے مسائل اور تکالیف آپ کے سامنے بیان کرتے اور پذیرائی پاتے تھے۔ آپ دورخی کے قائل نہیں تھے۔ اسی وصف کی بدولت آپ کے ہاں قول وفعل کا تضاد بالکل نظر نہیں آتا۔ گفتگو اور برتاؤ میں یکسانیت تھی۔ اسی وجہ سے ملنے والے آپ پر بھرپور اعتماد کرتے اور اپنے ان خانگی معاملات میں بھی مشورہ لیتے، جن کا دوسروں کے سامنے اظہار انہیں بہرصورت ناپسند ہوتا۔

وادیٔ سُون کا ایک خاص تہذیبی ومعاشرتی پسِ منظر ہے۔ وہاں کے لوگ فطرتاً بے لوث، بے تکلف، خیر خواہ، سراپا محبت ومروّت اور ایثار وقربانی کا جذبہ رکھنے والے ہیں۔ شائد اس کی ایک وجہ عسرت وتنگدستی بھی ہے۔ معاش کی فراوانی انسانی اخلاق پر عموماً بگاڑ کے اثرات مرتّب کرتی ہے اور غربت وافلاس سے احساسِ شکست اجاگر ہوتا ہے۔ یہ احساس انسانی روح کی بالیدگی اور پاکیزگی کا سبب بنتا ہے۔ وادی کے لوگ محبت کرتے اور محبت چاہتے ہیں۔ وہ بے تکلف مزاج ہیں اور معاشرتی اونچ نیچ کے قائل نہیں ہیں۔ یہی

وجہ ہے کہ صاحبزادہ صاحبؒ سے ان کے روابط ''پیری مریدی'' کے ساتھ ساتھ دوستانہ بھی رہے۔ لوگ آپ سے حضرت صاحب یا پیر صاحب کے بجائے ''لالہ جی'' کے نام سے مخاطب ہوتے تھے اور اسی نام سے یاد کرتے تھے۔ وادی میں لالہ کا لفظ بڑے بھائی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس اندازِ تخاطب میں ادب واحترام، محبت ومروّت اور یگانگت کا احساس جھلکتا ہے۔ صاحبزادہ صاحبؒ لوگوں سے روابط میں منصبِ سجادگی کے آداب و تقدس کے ساتھ ''لالہ جی'' کے منصب کو بھی پیشِ نظر رکھتے تھے۔ اس بنا پر لوگوں کو آپ سے ملتے وقت کوئی حجاب محسوس نہیں ہوتا تھا۔

صاحبزادہ صاحبؒ کا رہنا سہنا، اٹھنا بیٹھنا، وضع قطع اور اندازِ تکلم ویسے ہی بہت سادہ تھا، ساتھ لالہ جی کی اپنائیت اور بے تکلفی سے دوری کے تمام فاصلے قربتوں میں سمٹ جاتے۔ دو تین کھری چارپائیاں ملاقاتیوں اور خود لالہ جی کے لئے بچھی ہوتیں۔ تکیہ لگائے کبھی نیم دراز، کبھی چہار زانو بیٹھتے۔ سرہانے ایک چھوٹا میز رکھا ہوتا۔ اس پر مطالعہ کے لئے چند کتابیں موجود ہوتیں۔ جب کوئی شخص ملنے آتا تو چہرے پر مسکراہٹ کی شیرینی بکھر جاتی اور پھر بہت جلد، آنے والے سے بھی پہلے، یہ مٹھاس ''السلام علیکم'' کی باوقار آواز میں گھلتی محسوس ہوتی اور فضا میں بکھر کر اس کے دل میں گھر کر لیتی۔ پھر پیر صاحب، حضرت صاحب، علامۃ العصر اور خانقاہی رعب ودبدبہ اور خوف وحجاب سب اس ایک جملے سے کافور ہو جاتا ''آئے او لالہ۔'' آنے والا دکھوں، غموں اور کلفتوں کی بھاری گٹھڑی اٹھائے، ایڑیاں رگڑ کر یہاں پہنچتا تھا مگر اپنائیت اور اخلاص کا ابتدائی مختصر سا اظہار اس کے تمام بوجھ اتار دیتا اور وہ گویا ریگستان کی جھلسا دینے والی گرمی میں گھنے پیڑ کی ٹھنڈی چھاؤں میں راحت وسکون اور چین واطمینان محسوس کرتا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ محبت واعتماد کے اس رشتہ میں دوست اور دشمن میں بالکل امتیاز نہیں ہوتا تھا۔

دشمن بھی جو چاہے تو میری چھاؤں میں بیٹھے
میں اک گھنا پیڑ سرِ راہ گزر ہوں

برادرِ عزیز محمد عثمان غنی روایت کرتے ہیں کہ ایک دن صبح آپ اوراد و وظائف

سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے۔ کچھ لوگ حاضرِ خدمت تھے۔ انگہ کا ایک پندرہ سولہ سال کا نوجوان، جو حلیے سے گڈریا لگتا تھا، سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور سامنے آ کر ہاتھ جوڑ کر رُندھی ہوئی آواز میں کہنے لگا، ''میرا والد بیمار ہے۔ جنرل ہسپتال لاہور میں داخل ہے۔ آج اس کا اپریشن ہے۔ ڈاکٹروں نے مایوس کر رکھا ہے۔ سب گھر والے پریشان ہیں دُعا کے لئے حاضر ہوا ہوں۔''

اس کی پریشانی اور بے کسی دیکھ کر آپ نے حاضرین سے دُعا کیلئے کہا اور خود بھی ہاتھ اٹھائے۔ اس دوران آپ پر رقت طاری ہوگئی اور آنکھوں سے آنسو گر کر گریبان تر کرنے لگے۔ دیر تک اسی کیفیت میں دُعا کرتے رہے۔ پھر نوجوان کو تسلی دی اور فرمایا! انشاء اللہ تمہارا باپ خیریت وصحت کے ساتھ لاہور سے واپس آئے گا، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تشفی کے کلمات کہتے ہوئے آپ کے چہرے پر اخلاص و ہمدردی اور بے چینی کے آثار نمایاں تھے۔ نوجوان تو صرف دعا کی توقع لے کر آیا تھا لیکن اِدھر جب یہ رافت و رحمت دیکھی تو رنج اور کرب اس کے انگ انگ سے نچڑ گیا اور وہ ہنستا مسکراتا گھر واپس لوٹ گیا۔

1980ء کے اَواخر میں کُفری میں دو متحارب گروپوں میں لڑائی کے دوران پانچ افراد قتل ہو گئے۔ پورا گاؤں ماتم کدہ بن گیا۔ خوف و ہراس اور غم والم کی ملی جلی کیفیت ماحول پر مسلط تھی۔ ادھر صاحبزادہ صاحبؒ کی کیفیت دیدنی تھی۔ دو دن شدید بے چینی میں گزرے۔ کھانا پینا مفقود ہو گیا۔ کئی مرتبہ تاسف کا اظہار فرمایا۔ کربناک موت کے احساس نے آپ کے باطن میں ایک طوفان برپا کر رکھا تھا۔ بے ساختگی سے بار بار فرماتے! ''میرے ہوتے ہوئے کتنا ظلم ہوا ہے۔ روزِ حساب اللہ ربّ العزت کی بارگاہ میں کیا جواب دوں گا؟'' کرب کی اس کیفیت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جواب دہی کے احساس نے آپ کو انسان دوستی کے کس قدر بلند منصب پر فائز کر رکھا تھا۔

کُفری سے تعلق رکھنے والے آپ کے ایک ارادتمند اکثر عشاء کی نماز مکان شریف کی مسجد میں ادا کرتے تھے۔ نماز کے بعد آپ کی آرام گاہ میں حاضر ہوتے اور علاقے میں ہونے والے روزمرّہ کے واقعات گوش گزار کرتے۔ ایک روز انہوں نے بتایا

کہ ایک لاوارث، نیم پاگل نوجوان لڑکی دوروز سے گاؤں میں گھوم پھر رہی ہے۔ وہ بول نہیں سکتی۔ قریب سے گزرنے والوں کو بس ٹکر ٹکر دیکھتی رہتی ہے۔ گزشتہ رات چند اوباش لڑکوں نے بہلا پھسلا کر اس کی آبروریزی کر ڈالی۔ اب بے چاری کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ یہ سننا تھا کہ آپ کی آنکھیں مینہ کی طرح برسنے لگیں، جو تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ بے چینی کی اس کیفیت میں فرمایا! ''لوگوں کی غیرت وایمان کو کیا ہو گیا ہے۔ انہوں نے وہ حدیث نہیں سنی، جس میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو کسی کی عصمت دری کرے گا، اللہ کی قسم وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ اپنے آنگن میں وہی کچھ ہوتا نہ دیکھ لے۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں انسانی شرف کا ذکر کرتے ہوئے اسے حسین ترین مخلوق کا خطاب دیا ہے اور عیب جوئی، غیبت، بدخوئی اور بدگمانی کو اس کے لئے ناپسندیدہ عادت قرار دیا ہے، کیونکہ یہ کسی صورت بھی اس کے شایانِ شان نہیں۔ صاحبزادہ صاحبؒ کو ان صفاتِ رزیلہ سے سخت نفرت تھی۔ آپ کے سامنے اگر کسی شخص کا اس طرح ذکر کیا جاتا کہ اس کی کسی کمزوری کو اجاگر کرنا مقصود ہوتا، تو طبیعت انتہائی مکدر ہو جاتی۔ ایک دفعہ آپ کی محفل میں کسی شخص کا ذکر اسطرح کیا گیا کہ وہ کمال کا آدمی ہے۔ صاحبِ تصنیف ہے۔ اس کا اندازِ گفتگو بہت اچھا ہے۔ شعلہ بیان مقرر بھی ہے لیکن نماز میں سستی کرتا ہے۔ اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھتا ہے۔ اہلِ خانہ کے ساتھ اس کا سلوک اچھا نہیں۔ آپ خاموشی سے یہ باتیں سنتے رہے، البتہ چہرے پر ناگواری کے اثرات نظر آرہے تھے۔ آخر بات کاٹ کر فرمانے لگے، ''کاش سلسلہ گفتگو وہیں ختم ہو جاتا جہاں تک اس کے محاسن کا ذکر تھا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہونا چاہیے اور ہمیشہ خیر کا پہلو ہی مدنظر رکھنا چاہیے۔''

جب کوئی شخص اس طرح کی شکایت لے کر آتا کہ میرے بیٹے کو سمجھائیں، وہ وہاں شادی کرنا چاہتا ہے، جہاں میں نہیں چاہتا یا جس کاروبار کے لئے میں اسے کہتا ہوں وہ اس کی جگہ دوسرا کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ آپ معذرت کرتے ہوئے فرماتے

دیکھیں، میرے ہاتھ ہمیشہ شفقت کے لئے اٹھے ہیں، کسی کی جائز خواہشات کا گلا دبانے کے لئے نہیں۔

صاحبزادہ صاحبؒ میں رحم دلی اور مخلوقِ خدا سے پیار کا جذبہ صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں تھا۔ حیوان اور پرندے بھی اس سے مستفیض ہوتے تھے۔ میرے برادرِ بزرگ صاحبزادہ محمد مکرم الدّین صاحب کو چکور، تیتر اور اس قسم کے دیگر خوبصورت پرندے پنجروں میں بند رکھنے کا بہت شوق تھا۔ صاحبزادہ صاحبؒ اکثر سمجھانے بجھانے کی کوشش کرتے کہ قدرت نے انہیں کھلی آزاد فضا میں اڑنے چگنے کا اِذن دے رکھا ہے اور آپ نے ان کی وسیع کائنات کو چھ انچ کے قید خانہ میں سمیٹ دیا ہے، جو غیر فطری عمل ہے۔ پنجرے میں بند رہ کر یہ کیا سوچتے ہونگے ؟ کیا ان کا دل نہیں ٹوٹتا ہوگا! لیکن بھائی صاحب کا شوق ان پرندوں کی فطری آزادی پر غالب رہتا اور وہ بے چارے بدستور پابند سلاسل رہتے۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ صاحبزادہ صاحبؒ نے خادم سے کہہ کر ان کی عدم موجودگی میں پرندوں کو اڑا دیا۔ فرماتے پرندوں کو پنجروں میں بند دیکھ کر جی گھبراتا ہے۔

پنجاب کے دیہات میں جہالت کی فراوانی ہے۔ کم تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کے پاس وقت کا صحیح مصرف نہیں۔ ایسے مشاغل اختیار کئے جاتے ہیں جو اخلاقی اور شرعی لحاظ سے ناپسندیدہ ہوں۔ مرغوں اور کتوں کو لڑانا دیہاتی لوگوں کا محبوب مشغلہ ہے۔ صاحبزادہ صاحبؒ اپنے خطبات میں ان بیہودہ مشاغل کے اخلاقی و معاشرتی مضرّات پر سیر حاصل گفتگو فرماتے تھے۔ آپ کے نقطہ نظر میں جانوروں کو لڑانے میں دو طرح کی قباحتیں ہیں۔ لڑائی بذاتِ خود نفرت کا اظہار ہے۔ انسانوں کے درمیان جب نفرت ناپسندیدہ اور مکروہ خصلت قرار دی گئی ہے تو حیوانوں پر اسے کیونکر مسلط کیا جا سکتا ہے۔ وہ بے زبان ہیں۔ انہیں آپس میں لڑانا ظلم ہے۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ پھر اس طرح کی تقاریب تضیعِ اوقات کا باعث بنتی ہیں۔ وقت قدرت کا بہت بڑا انعام ہے، اسے اسطرح کے لغو مشاغل کی نذر نہیں کرنا چاہیے۔

صاحبزادہ صاحبؒ انسانوں کی آپس میں نفرت، لڑائی جھگڑے اور کج معاملگی

کوسخت ناپسند کرتے تھے۔ ممکن حد تک کوشش کرتے کہ بدمزگی کی صورت میں جلد از جلد حالات ومعاملات معمول پرآ جائیں۔ ''الصلح خیر'' کے حکمِ خداوندی کے تحت لڑنے والے اور ایک دوسرے سے بیزار لوگوں کے مناقشات دور کرانے اور محبت وپیار کی فضا پیدا کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔

سانگلہ ہل اور سیال شریف کے دورانِ قیام میں دارالعلوم میں طلبا آپس میں لڑ پڑتے تو پریشان ہو جاتے اور جب تک معاملات سلجھ نہ جاتے بے چین رہتے تھے۔ اسی طرح اساتذہ کے درمیان ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی تو فریقین سے خود رابطہ کرتے، پیار سے سمجھاتے اور حکمت ودانائی سے معاملہ رفع دفع کرادیتے تھے۔ سیال شریف تو آپ ان معاملات میں سخت امتحان میں رہے۔ ایسی انسانی کمزوریوں کو طبعاً ناپسند کرنے کے ساتھ ساتھ اس لئے بھی فکرمند رہتے کہ لڑائی جھگڑے کی یہ معمولی باتیں کہیں حضرت شیخ الاسلامؒ تک پہنچیں اور آپ کی طبعِ نازک پر گراں گزریں۔

وادیٔ سون کے لوگ لڑنے جھگڑنے کے بعد مکان شریف کو جائے پناہ جان کر آپ سے ہی رابطہ کرتے تھے۔ فریقین کو آپ پر مکمل اعتماد ہوتا تھا۔ آپ ان کی بے مقصد اور فضول باتیں گھنٹوں سنتے رہتے۔ ان کے جذبات ٹھنڈے کرنے کے لئے نفسیاتی حربے اختیار کرتے ان کے دلوں میں موجود اپنی قدر ومنزلت اور احترامِ شخصیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سمجھا بجھا کر انہیں آمادۂ صلح کر لیتے۔ اس طرح ظالم سزا سے بچ جاتا اور مظلوم کی بھی دادرسی ہو جاتی۔ چھوٹی موٹی لڑائیوں کی صلح تو اکثر وبیشتر ہوتی رہتی تھی، آپ نے قتل کے کئی مقدموں کی صلح بھی کروائی۔ ان میں ایک مشہور کیس اعوان ایکسپریس اور سپر اعوان بس سروس کے مالکوں کا تھا۔ ملک گل زمان جو سپر اعوان بس کا مالک تھا، قتل کر دیا گیا۔ علاقے میں حالات بہت کشیدہ ہو گئے، جس سے مزید قتل وغارت کا امکان پیدا ہو گیا۔ آپ نے حضرت خواجہ غلام فخر الدین سیالویؒ کے ایما وتعاون سے نومبر 1987ء میں فریقین کے درمیان صلح کرادی۔ اسطرح ناخوشگوار حالات کے بادل چھٹ گئے اور اب وہ لوگ آپس میں شیر وشکر ہیں۔

صلح نامہ

جناب میاں صفدر جان صاحب

تسلیمات ۔ برادرم ملک شیر بہادر صاحب قسیمہ [illegible] صاحب دام مجدہم
کے حکم کے مطابق مصالحت پر آمادہ ہیں ۔ لیکن چند
چیزیں ایسی ہیں کہ جن پر اتفاق کرنا ضروری ہے
(۱) فریقین کے خاندان پر کسی کی طرف سے حملہ ہو ۔ یا کسی ایک فریق
کے خاندان پر میاں اور اپنے حملہ آئے تو باہم تعاون ضروری ہے
(۲) مصالحت کے بعد الیکشن تک تنہا ۔ ہیں دونوں فریق
اپنی اپنی جگہ پر بیرونی آزاد ہوں گے ۔ اتفاق
سے الیکشن میں حصہ لیں تو ان کی مرضی ۔ یا الگ علیحدہ
میں جدا جدا راستہ لیں تو ان کی مرضی ۔
(۳) خدا نہ کرے اگر کوئی ناگہانی حادثہ پیش آئے
تو بعد تحقیق ایک دوسرے پر بدگمانی نہ کریں ۔
(۴) سابقہ دور میں مقدموں میں دونوں فریقین سے
تعاون کرنے والے جتنے افراد ہیں کوئی فریق بھی
انتقامی کارروائی کا نشانہ نہیں بنائے گا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قبلہ

حضور خواجہ غلام فخرالدین صاحب سیالوی

کے فرمان کے احترام کے لیے میں۔ اور

میاں اور برادر گل زمان شہید مرحوم کی والدہ صاحبہ

گیا سلطان وغیرہ ہم کو قتل میں ملوث

ہونے کے جرم کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اور

ان کا آستانہ اقدس سیال شریف حاضری دیکر

قبلہ خواجہ غلام فخرالدین صاحب مدظلہم

کے سامنے صفائی کو قبول کرتے ہیں

Sher Shah Chishti

شیر شاہ چشتی

19.11.87

صاحبزادہ صاحبؒ کی تعلیمات میں عبادات کے حوالے سے نماز کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔تحریر وتقریر ہو یا نجی گفتگو، نماز کا ذکر ضرور کرتے تھے۔خود بھی نماز کی پابندی فرماتے تھے۔سفر ہو یا حضر بروقت نماز ادا کرتے۔فرض نماز کے علاوہ نوافل بھی باقاعدگی سے پڑھتے تھے۔صلوٰۃ التسبیح اور صلوٰۃ الصلوٰۃ روزانہ کا معمول تھا۔یہ نمازیں باجماعت بھی ادا فرماتے۔ایک شخص نے نفل نماز کے باجماعت ادا کرنے کے جواز کے بارے میں استفسار کیا تو فرمایا!''باجماعت نفل ادا کرنے کے جواز پر علمائے امت تو کیا تمام انبیاء کرام بھی متفق ہیں۔معراج کی رات بیت المقدس میں تمام انبیاء نے حضور نبی اکرم ﷺ کی اقتدا میں نفل ادا کیئے۔اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے''!

ایک دفعہ ارشاد فرمایا!''نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نوافل میں نمازِ تہجد اور نمازِ تسبیح کے بارے میں بہت تاکید فرمائی ہے۔حدیثِ مبارک ہے کہ نمازِ تسبیح اگر روزانہ نہ پڑھی جا سکتی ہو تو ہفتہ میں ایک مرتبہ، مہینہ میں ایک دفعہ یا سال میں ایک مرتبہ، یا کم از کم زندگی میں ایک بار ہی پڑھ لی جائے۔''صاحبزادہ صاحبؒ اس نماز کے بعد کسی دنیاوی غرض کے لئے دُعا کو ناپسند کرتے تھے۔فرماتے!''چونکہ یہ نماز خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ادا کی جاتی ہے اس لئے اس کی دُعا میں صرف اس کی خوشنودی اور رضا ہی طلب کرنی چاہیے۔''

خطبات کے اختتامی کلمات میں خصوصاً نماز کا ذکر ضرور فرماتے اور سامعین سے وعدہ لیتے کہ وہ نماز کی پابندی کریں گے۔ایک مرتبہ موضع سرہال میں جمعہ کے خطبہ کے دوران لوگوں سے پابندیٔ نماز کا عہد لیا۔سب حاضرین نے ہاتھ کھڑے کر کے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ نماز کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کریں گے۔اگلے سال مذکورہ مسجد میں ماہ ربیع الاوّل کے ایک خطبہ جمعہ میں لوگوں سے کہا کہ سالِ گزشتہ نماز کے بارے میں کیا گیا وعدہ جن لوگوں نے پورا کیا ہے، ہاتھ کھڑے کریں۔چند بزرگوں کے کانپتے ہاتھوں کے سوا کوئی ہاتھ نہ اٹھا۔یہ دیکھ کر آپ کو بہت رنج ہوا۔حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا!''آپ سب اعوان ہیں اور اعوانوں کے نزدیک مردانگی کا مفہوم کچھ اسطرح ہے کہ چہرے پر لمبی مونچھیں

ہوں اور سر پر بڑی بڑی پگڑیاں۔ جان لیجئے یہ ہرگز مردانگی نہیں۔ مردانگی یہ ہے کہ ایفائے عہد کیا جائے اور نماز کی پابندی کی جائے۔ جو انسان اپنے خالق سے عہد نہیں نبھا سکتا، مخلوق اس سے کیا توقع رکھ سکتی ہے۔''

ایک دفعہ آپ جہلم کے مضافاتی قصبہ موہڑہ کریم بخش میں اپنے ایک پیر بھائی چوہدری عبدالمالک صاحب کے پاس تشریف لے گئے۔ واپسی پر اہل دیہہ کا ایک جمِ غفیر الوداع کہنے کو جمع تھا۔ جب آپ گاڑی میں بیٹھ گئے تو لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا! ''کیا آپ سب میری عزت افزائی کے لئے جمع ہوئے ہیں۔'' انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا! ''میری عزت اور خوشی اس بات میں ہے کہ آپ باقاعدگی کے ساتھ نماز ادا کریں اور آنکھوں میں شرم و حیا پیدا کریں۔''

ملک محمد اقبال نسال بھرالوی پاک بحریہ میں ملازم تھے۔ ایک مرتبہ ملازمت کے سلسلے میں بنگال گئے۔ وہ وہاں سے ناریل اور دیگر قیمتی تحائف لے کر آئے اور آپ کی خدمت میں نذر کئے۔ آپ نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پوچھا ''کیا یہ سب چیزیں آپ مجھے خوش کرنے کے لئے لائے ہیں۔'' انہوں نے عرض کیا، ''جی حضور''۔ آپ نے ارشاد فرمایا! ''مجھے اللہ کریم کے اسما حسنیٰ کی قسم اگر آپ نماز کی پابندی کریں گے تو میں اس سے کہیں زیادہ خوش ہونگا۔''

اقبال صاحب کہتے ہیں، آپ کے اس حکیمانہ ارشاد کی تاثیر ہے کہ اس کے بعد میری نماز کبھی قضا نہیں ہوئی۔

جب کوئی شخص آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوتا تو اُسے نماز کی پابندی، نظر کی پاکیزگی اور لقمہ حرام سے بچنے کی تلقین فرماتے تھے۔ حاجتمند اور سائل حاضر ہو کر عرض کرتے کہ مجھے فلاں پریشانی درپیش ہے۔ کاروبار میں نقصان ہو رہا ہے۔ گھر میں بیماری ہے۔ سکون نہیں ہے۔ دُعا فرما دیجئے۔ دُعا کے بعد نماز کے بارے میں استفسار کرتے۔ اگر کوئی شخص یہ کہہ دیتا کہ نماز میں غفلت ہو جاتی ہے تو سرزنش کرتے اور فرماتے، یہ نقصان، بے سکونی اور محرومیاں نماز ادا نہ کرنے کا نتیجہ ہیں۔

خطبہ جمعہ میں آپ کو لوگوں سے یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ مجھے مولائے کریم نے کسی کا محتاج نہیں کیا اور نہ ہی کبھی کسی کی منت سماجت کی ہے۔ لیکن میں نماز کے معاملہ میں آپ لوگوں کی منت کرتا ہوں۔

خدام سے فرماتے، مہمان خانے میں کوئی ایسا مہمان نہ ٹھہرے جو تارکِ نماز ہو۔ کیونکہ جو مجھ سے ملنے آئے اور نماز ادا نہ کرے، اس سے میرا کیا تعلق ہو سکتا ہے اور وہ کن معنوں میں میرا مہمان ہے۔

صاحبزادہ صاحبؒ والدین کے ادب و احترام اور حقوق کی پاسداری کی پرزور تاکید فرماتے تھے اور اس کی تائید میں قرآنی آیات، احادیث اور بزرگانِ دین کے اقوال حوالہ کے طور پر پیش کرتے۔ کئی بار آپ کو یہ کہتے سنا گیا کہ بارگاہِ ربّ العزّت سے مجھے جو عزت و مرتبہ عطا ہوا، یہ محض اپنے والد گرامی کی خدمت و ادب کی جزا ہے۔

آپؒ کو اپنے والد گرامی سے عشق کی حد تک اُنس تھا۔ اس اُنس نے ادب کے تمام سلیقے سکھا دیئے تھے۔ کبھی آنکھ اٹھا کر اُن سے مخاطب نہیں ہوئے۔ ان کی خدمت میں ہمیشہ دوزانو بیٹھتے۔ جملہ ضروریات کا خیال رکھتے۔ ہمہ وقت ان کی رضامندی کے خواہاں رہتے اور کوئی بات ایسی نہ کہتے جو ان کی حساس طبیعت پر ناگوار گزرتی۔ ان کے دوستوں اور چاہنے والوں کا احترام کرتے۔ اس ظاہری ادب و نیاز سے بڑھ کر جو چیز قابلِ ستائش ہے وہ یہ ہے کہ والدِ گرامی کے لئے ان کے سینے میں ایک ایسی کشش تھی جو انہیں ہمہ وقت اداس و بے قرار رکھتی اور جسے وہ اپنے لئے توشہ آخرت سمجھتے تھے۔ اس کشش کو تابندہ تر رکھنے میں آپ کے والدِ گرامی کی ہمہ جہت، پرکشش شخصیت کا عمل دخل بھی ہے، جس کا اعتراف صاحبزادہ صاحبؒ نے ایک موقع پر یہ کہہ کر کیا کہ اپنے شیخِ طریقت خواجہ محمد قمرالدین سیالویؒ اور استادِ مکرم شیخ الحدیث مولانا سردار احمدؒ کے علاوہ مجھے اپنے والدِ گرامی کی شخصیت نے بہت متاثر کیا۔

آستانہ عالیہ سیال شریف کے دس سالہ قیام کے دوران والدِ گرامی کا یہ فرمان راہنما اصول کے طور پر مدِ نظر رہا کہ ''بیٹا! احتیاط ملحوظ رکھنا، کہیں تمہاری معمولی لغزش اور

کوتاہی، میری عمر بھر کی نسبت غلامی برباد نہ کر دے۔"

آپ کے والد گرامی انتقال سے پندرہ بیس دن قبل شدید بیمار پڑ گئے۔ بندہ کو ان ایام میں ہمہ وقت خدمت کی سعادت حاصل رہی۔ صاحبزادہ صاحبؒ کی کیفیت ان دنوں دیدنی تھی۔ بے قراری، بے خوابی اور احساسِ کرب سے بالکل نڈھال ہو گئے تھے۔ شدتِ تکلیف کے دوران والدِ گرامی کو دیکھنے نہ آئے کہ دیکھا جا نہیں سکتا تھا۔ ان کی حیاتِ مستعار کی آخری شب 2 بجے حاضر ہوئے۔ چشمِ عالم نے ایک بے مثل عالم، فاضل، محقق و مصنف، مقرر اور شیخ طریقت کے منظورِ نظر، فرزند کی، جہانِ رنگ و بو کو الوداع کہنے والے عظیم المرتبت باپ کی خدمت میں ایسی حاضری شاذ ہی دیکھی ہوگی۔ گلے میں کپڑا ڈالے، رقت اور بے خودی کی کیفیت میں، کہنیوں اور گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے اُن کی چارپائی تک آئے۔ پائے مبارک کو بوسہ دیا اور چند ثانیے رک کر ان کی خدمت میں خوشنودی و رضا مندی کی التجا کرتے ہوئے اسی عجز و نیاز کے ساتھ واپس چلے گئے۔

صاحبزادہ صاحبؒ کو اپنے مرشد شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ سے کمال درجہ کی عقیدت و محبت تھی، یہ نعمت انہیں اپنے اجداد سے ورثہ میں ملی تھی۔ اُن کے دادا حضرت میاں عبدالعزیزؒ کفری سے سیال شریف تک 150 کلومیٹر کا سفر بڑے اشتیاق اور وارفتگی سے برہنہ پا طے کرتے تھے۔ ادب و نیاز کا یہ عالم تھا کہ سیال شریف سے روانگی کے وقت اس اہتمام سے چلتے کہ پشت سیال شریف کی طرف نہ ہوتی۔ آپ کے والد گرامی حضرت میاں عبدالحمیدؒ تو اتباع و عشقِ شیخ کا کامل مظہر تھے۔ آپ نے مذہب، معاشرت، سیاست، خانگی معاملات غرض زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے مرشد کے احکام کو خضرِ راہ جانا اور ان کے بتائے ہوئے اصولوں پر ہمیشہ کار بند رہے۔

حضرت میاں صاحبؒ نے صاحبزادہ صاحبؒ کی تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ مختلف مواقع پر انہیں آستانہ عالیہ سیال شریف سے اپنی قلبی وابستگی سے اس انداز میں آگاہ کرتے رہے کہ انہیں دینی و دنیاوی معاملات میں اس مرکزِ ہدایت سے کبھی مفر نہ ہو اور ان کی عقیدت و نیاز کا رخ ہمیشہ اسی مرکزِ تجلیات کی سمت رہے۔ ۲ رجب المرجب

۱۳۹۲ھ کو صاحبزادہ صاحبؒ ایک ماہ کی رخصت گزار کر سیال شریف روانہ ہوئے تو اپنی تنہائی اور بیماری کے تصور سے حضرت میاں صاحبؒ کی آنکھیں بھر آئیں۔ مگر اگلے ہی لمحے کمال ضبط سے فرمایا!

''یہ تو ایک عزیز احمد ہے، ہزار عزیز احمد ہوں تو بھی پیر سیال کے قدموں پر قربان کر دوں۔''

ایک دوسرے موقع پر صاحبزادہ صاحبؒ کی پیشانی کا بوسہ لیتے ہوئے فرمایا!

''تمہاری پیشانی تمہاری محبت کی وجہ سے نہیں، اس لئے چوم رہا ہوں کہ حضور شیخ الاسلامؒ کو یہاں بوسہ لیتے دیکھا ہے۔''

۷ رجب المرجب ۱۳۹۷ھ کو اپنے وصال سے دو روز قبل آپؒ کا ہاتھ تھام کر فرمایا!

''بیٹا سیال شریف کا راستہ کبھی نہ چھوڑنا۔''

اپنے مرشد کریم کے عشق و محبت کا جو درس عمر بھر حضرت میاں صاحبؒ کے وردِ زبان رہا، جاتے جاتے اسے صاحبزادہ صاحبؒ کی روح میں بھی اتار گئے۔

صاحبزادہ صاحبؒ نے دس سال تک دارالعلوم ضیاءِ شمس الاسلام سیال شریف میں بحیثیت شیخ الجامعہ خدمات سرانجام دیں۔ حضرت میاں صاحبؒ کی تربیت کا ہی فیض تھا کہ شیخ طریقت کے آستان پر طویل عرصہ تک انتظامی عہدہ پر فائز رہتے ہوئے ادارہ کے معاملات بطریقِ احسن سرانجام دیئے اور عقیدت و احترام کے تمام تقاضے بھی پورے کئے۔ جبکہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ خانقاہی ماحول میں ایک کامیاب منتظم ایک اچھا ارادتمند ثابت نہیں ہوسکتا۔

حضور شیخ الاسلامؒ کا ذکر کرتے ہوئے صاحبزادہ صاحبؒ اکثر آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا!'' حضور شیخ الاسلامؒ کی ذاتِ والاصفات میں روحانیت اور انسانیت تمام تر ارفع و اعلیٰ معیار کے ساتھ مجتمع ہیں۔''

ایک دوسرے موقع پر ایک سوال کے جواب میں فرمایا!'' مرید کے لئے اس کا

پیر ہی غوث اعظم ہوتا ہے اور میرے غوث اعظم حضرت خواجہ محمد قمر الدین رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔''

مذہب ہو یا سیاست، صاحبزادہ صاحبؒ اپنے مرشدِ کریم کے احکام کی تعمیل فرضِ عین سمجھتے تھے اور بقولِ خواجہ شیرازؒ ''بہ مے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید'' کے عقیدہ کے قائل تھے۔

ایک دفعہ ذوالحجہ کے مہینہ میں رویتِ ہلال میٹی، جو ابھی نومولود تھی، کے اعلان کو صحیح نہ سمجھتے ہوئے آستانہ عالیہ سیال شریف سے یہ اعلان کیا گیا کہ شہادتوں کے مطابق چاند ایک دن تاخیر سے ہوا ہے لہٰذا نماز عید الاضحیٰ کمیٹی کے اعلان کردہ 10 ذوالحجہ سے ایک دن تاخیر سے ادا کی جائے گی۔ صاحبزادہ صاحبؒ نے سیال شریف کے فیصلے کے مطابق نماز عید کا اعلان کر دیا۔ لوگوں نے حکومتِ وقت کے فیصلے کے حق میں دلائل دیئے اور آپ کو قائل کرنے کی کوشش کی لیکن آپ اپنے فیصلے پر مصر رہے اور فرمایا! ''سیال شریف سے اٹھنے والی آواز میرے لئے فاران کی چوٹی سے بلند ہونے والی آواز کے مترادف ہے، وہاں سے ہمیشہ کلمہ حق ہی بلند ہوا ہے لہٰذا یہاں عید اس اعلان کے مطابق ہوگی جو سیال شریف میں ہوا ہے۔''

ایک مرتبہ وزارتِ مذہبی امور پاکستان نے حج کے لئے درخواستیں طلب کیں۔ آپ کے ایک ارادتمند نے عرض کیا، اگر آپ اجازت دیں تو آپ کی درخواست بھی دے دی جائے۔ آپ نے فرمایا! ''حضرت پیر سیال کے آستان کی حاضری میرے لئے حج سے کم نہیں ہے۔ جس کا پیر کامل ہو اُسے حج کی حاجت کم ہی رہ جاتی ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہی نے ایک دفعہ حج کا ارادہ کیا اور پہلے پاکپتن شریف حاضری دی تو فرمایا! حج کا مقصد تو یہیں حاصل ہو گیا ہے۔ کچھ عرصہ بعد دوبارہ ارادہ کیا تو بھی اسی طرح ہوا۔''

مارچ 1983ء میں آپ کی ہمشیرہ صاحبہ شدید بیمار ہوگئیں۔ دس بارہ دن پی۔ اے۔ ایف ہسپتال سرگودھا میں زیرِ علاج رہیں۔ افاقہ نہ ہوا تو ڈاکٹر نے مریض جنرل

ہسپتال لاہور لے جانے کو کہا۔ اہلِ خانہ مریض کو لے کر لاہور روانہ ہونے لگے تو آپ سے ہمراہ چلنے کو کہا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ ''شفا من جانب اللہ ہے۔ میں کسی ہسپتال میں نہیں جاؤں گا، اپنے شیخ کے آستاں پر حاضر ہو کر ان کے توسط سے بارگاہ ربّ العزّت میں شفا کی درخواست کروں گا۔''

صاحبزادہ صاحبؒ نے سیال شریف کے دوران قیام میں اپنے مرشد کے تمام افرادِ خاندان سے عقیدت و احترام کے مضبوط روابط استوار رکھے۔ صاحبزادگان میں سے کسی ایک نے بھی آپ کے بارے میں کبھی شکایت نہیں کی بلکہ ہمیشہ اچھے الفاظ میں یاد کیا۔ روزانہ نمازِ عصر کے بعد دربار شریف پر حاضر ہوتے تو تمام صاحبزادگان کے ڈیروں پر بھی جاتے۔ فرماتے تھے یہ سب گلشنِ سیال کے پھول ہیں۔ ان میں امتیاز و تفریق، حضرت پیر سیال کی غیرت کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے۔

خانوادۂ پیر سیال کے بعض افراد نے آپ سے باقاعدہ تلمذ حاصل کیا۔ ان کی وجہ سے باقی حضرات بھی آپ سے استاد صاحب کہہ کر مخاطب ہوتے تھے۔ یہ علم دوست خاندان اپنے اساتذہ کا بہت احترام کرتا ہے۔ اس وجہ سے صاحبزادہ صاحبؒ کو صاحبزادگان کے ساتھ ساتھ دیگر ساکنانِ سیال شریف میں بھی عزت و احترام کا مقام حاصل رہا۔

صاحبزادہ صاحبؒ ہمیشہ حضور پیر سیال کی خوشنودی و رضا مندی کے طلبگار رہے۔ بارگاہِ ربّ العزّت سے اپنے ہر عملِ خیر کی جزا صرف اور صرف رضائے شیخ کی صورت میں لینے کے ملتمس رہتے تھے۔ ایسے افعال و اعمال کے متلاشی رہتے، جن کے سرانجام دینے سے اپنے شیخ کی باطنی و روحانی توجہ کے مستحق ٹھہریں۔ جہاں انہیں خانوادۂ پیر سیال کے تمام حضرات سے بلا امتیاز نیاز حاصل تھے۔ وہاں اپنے شیخ کی سنت کے مطابق بڑے احترام و ادب کے ساتھ ان کے دروازوں پر بھی حاضر ہوتے کہ کوئی حیلہ ایسا رہ نہ جائے جس سے شیخ کی خوشنودی و رضا حاصل ہو سکتی ہو۔ اعراس کے مواقع پر میں نے یہ منظر دیکھا کہ برہنہ پا، سر جھکائے، ادب و احترام سے گلی کی ایک طرف چلتے ہوئے

صاحبزادگان میں سے کسی ایک کے دروازے پر پہنچے، خادمہ کے ذریعے اندر نذر بھجوائی اور دُعا کی درخواست کی۔ دعا بھی وہی، مرشدِ کریم کی خوشنودی ورضا کی طلب۔ اس طرح تمام دروازوں پر التجائیں کرتے واپس دار العلوم پہنچتے۔

صاحبزادہ صاحب نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا! ''مجھے اپنی کسی بات پر فخر نہیں سوائے حضور پیر سیال کی نسبتِ غلامی کے۔ یہ نسبت میرے لئے باعثِ افتخار ہے اور سرمایہ آخرت بھی۔''

حضور شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ نے اپنے شیخ حضرت شاہ محمد سلیمان تونسویؒ، آستانہ عالیہ تونسہ شریف اور ساکنانِ تونسہ شریف سے اظہارِ نیاز کا جو معیار قائم کیا ہے، اس کی مثال دنیائے عقیدت میں نہیں ملتی۔ وقت کے شیخ الاسلام اپنے مرشد کے گلی کوچوں میں کبھی تو جھاڑو دے رہے ہیں اور کبھی کاسہ اٹھا کر خانوادۂ پیر پٹھان کے دروازوں پر بھیک مانگنے جا رہے ہیں۔ اس عقیدت و نیاز کے اظہار میں انہیں منصبِ شیخ الاسلام اور سجادہ نشینی کا قطعاً خیال نہیں رہتا تھا۔ عشق و محبت اور روحانیت کی دنیا میں اس کسرِ نفسی اور فروتنی نے حضور شیخ الاسلامؒ کو ایسا منفرد مقام عطا کیا ہے جو عرصہ دراز تک شائد ہی کسی کے نصیب میں ہو۔ صاحبزادہ صاحبؒ حضور شیخ الاسلامؒ کے اسلوبِ نیاز سے بہت متاثر تھے۔ جہاں انہوں نے حضورؒ کی حیات طیبہ کے دیگر راہنما اصولوں کو اپنی حیات و شخصیت کا حصہ بنانے کی پیہم کوشش رکھی، وہاں اس اندازِ نیاز کو اپنانے کی بھی مقدور بھر سعی کی جو شیخ الاسلامؒ کی شخصیت کا طرہ امتیاز تھا۔

اپنے شیخ کی خدمت میں اس انداز سے حاضر ہوتے گویا تن بدن میں جان نہیں۔ خاموشی کے ساتھ دو زانو بیٹھتے۔ حضورؒ کوئی سوال فرماتے تو دھیمے لہجے میں مختصر جواب دیتے، اپنے طور پر گفتگو نہیں کرتے تھے۔ فرماتے تھے، شیخ اور استاد کی خدمت میں خاموش اور خالی الذہن ہو کر بیٹھنے سے ہی اکتسابِ فیض کیا جا سکتا ہے۔

آستانہ عالیہ سیال شریف کے خدّام کا از حد احترام کرتے تھے۔ انہیں کبھی نقدی اور کبھی پارچہ جات کی صورت میں نذر پیش کرتے۔ ان میں سے کوئی خادم جب مکان

شریف پر جاتا تو پورا پروٹوکول دیتے۔ اٹھ کر استقبال کرتے، اپنے ساتھ بٹھاتے اور کھانا کھلاتے۔ ان سے اس دعا کے لئے ملتمس ہوتے کہ میرے شیخ کا آستان و خاندان ابدالآباد تک آباد رہے اور مجھے حضور پیر سیال کی رضا حاصل ہو۔ ایک مرتبہ حضور شیخ الاسلامؒ کا حجام بابا نظام الدّین آپ سے ملنے مکان شریف گیا۔ لاہور کے چند مہمان آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ نے اٹھ کر اپنے معزز مہمان کا استقبال کیا، اس کے ہاتھ چومے اور اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا۔ حاضرین آپ کے اس عمل سے حیران ہوئے۔ انہیں حیرت زدہ دیکھ کر آپ نے فرمایا! ''بابا نظام الدین بڑا خوش نصیب ہے کہ ہر ہفتہ دورانِ حجامت اس کے ہاتھ کبھی تو حضورؒ کا چہرہ چھو لیتے ہیں اور کبھی آپ کی زلفوں سے مس کرتے ہیں۔ اس سعادت و بلند بختی پر انہیں بھلا کیوں نہ چوما جائے۔''

صاحبزادہ صاحبؒ کے مرشد حضرت خواجہ محمد قمر الدّین سیالویؒ آپ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ اس شفقت و کرم کا اندازہ تو کتاب کے باب ''کچھ یادیں۔۔۔کچھ ملاقاتیں'' سے ہوگا۔ البتہ ایک دو واقعات یہاں عرض کئے دیتا ہوں۔ ساون کا مہینہ، برسات کا موسم، رِم جھِم لگی ہوئی تھی۔ صاحبزادہ صاحبؒ دارالعلوم میں تدریسِ اسباق سے فارغ ہو کر ابھی بیٹھے ہی تھے کہ حضور شیخ الاسلامؒ کا ڈرائیور چچا غلام حیدر مرحوم اندر آیا اور کہا! ''حضور یاد فرمارہے ہیں، میں آپ کو لینے آیا ہوں۔'' صاحبزادہ صاحبؒ آستان پاک پر پہنچے تو حضورؒ برآمدہ میں چہل قدمی کررہے تھے۔ آپ کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا۔

اے ابرِ کرم ذرا تھم کے برس، اتنا نہ برس کہ وہ آ نہ سکیں
آ جائیں اگر، ذرا جم کے برس اتنا تو برس کہ وہ جا نہ سکیں

پھر ارشاد فرمایا کہ ''اس سہانے موسم میں جی اداس ہوا، چاہا کہ آپ کو بلواؤں اور باتیں کروں، اس لئے آپ کو زحمت دی۔''

دارالعلوم ضیا شمس الاسلام کی انتظامی کمیٹی کی میٹنگ میں اساتذہ کی تنخواہ میں اضافہ کے ایجنڈے پر بات ہو رہی تھی۔ حضور شیخ الاسلامؒ بحیثیت سرپرست اور ڈاکٹر تسخیر احمد مرحوم بطور ناظم میٹنگ میں شریک تھے۔ باقی اساتذہ کی تنخواہ میں اضافے کا تعین

کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے صدر مدرس (صاحبزادہ صاحبؒ) کا نام کمیٹی کے سامنے رکھا اور کہا کہ ان کی پہلے تنخواہ اتنی ہے، اب کتنا اضافہ کر دیا جائے۔ حضور شیخ الاسلامؒ نے فرمایا! ''صاحبزادہ عزیز احمد صاحب کی تنخواہ کی فکر نہ کریں۔ وہ تنخواہ کے لئے نہیں، میرے لئے کام کر رہے ہیں۔ ان کی خدمت کا معاوضہ میں خود ہوں۔''

محترم محمد عزیز سیالوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت اعلیٰ غریب نواز سیالویؒ کے عرس کے موقع پر صاحبزادہ صاحبؒ کے والد گرامی حضرت میاں عبدالحمیدؒ، حضرت شیخ الاسلامؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حاضرین میں ملک فتح محمد ٹوانہ مرحوم بھی موجود تھے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے انہیں، حضرت میاں صاحب کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ ''یہ صاحبزادہ عزیز احمد صاحب کے والد صاحب ہیں۔ عام طور پر اولاد کی پہچان باپ کے نام سے ہوتی ہے، لیکن بعض اوقات باپ کا تعارف بیٹے کے نام سے ہوتا ہے۔'' پھر حضرت میاں صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ''باپ بھی بڑا عظیم ہے، لیکن بیٹے میں بھی کوئی کمی نہیں۔'' پھر اپنے موقف کی تائید میں فرمایا کہ حضرت خواجہ محمد موسن تونسویؒ دہلی کے کسی مدرسہ میں زیرِ تعلیم تھے۔ آپ کے والد گرامی حضرت خواجہ کریم شاہ اللہ بخش تونسویؒ وہاں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے سنا کہ حضرت خواجہ محمد موسنؒ کے والد گرامی دہلی آ رہے ہیں، تو بے شمار لوگ استقبال کے لئے جمع ہو گئے، وہ ایک دوسرے کو خواجہ کریم غریب نوازؒ کا تعارف اِن لفظوں میں کراتے تھے، ''یہ ہیں خواجہ موسن کے والد۔''

حضرت شیخ الاسلامؒ کا معمول تھا کہ بدھ کو گھر سے سفر پر روانہ نہیں ہوتے تھے۔ اگر سفر ناگزیر ہوتا تو منگل کو غروبِ آفتاب سے پہلے آستان پاک کی حدود سے باہر واقع دارالعلوم میں تشریف لاتے اور اگلے دن وہاں سے روانہ ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی بسا اوقات دارالعلوم میں رات کو قیام فرماتے۔ نماز فجر کے فوراً بعد آپ کو چائے پینا بہت مرغوب تھا۔ ایک دفعہ خوش طبعی میں فرمایا کہ بڑا لطف ہو جب نمازی نماز فجر کے آخری قعدہ میں سلام پھیرتے ہوئے السلام علیکم و رحمتہ اللہ کہے تو چائے، وعلیکم السلام و رحمتہ اللہ کہہ کر سلام کا جواب دے۔

دارالعلوم میں حضور کا قیام اکثر ڈاکٹر تسخیر احمد مرحوم ناظم اعلیٰ کے دفتر میں ہوتا تھا۔ صاحبزادہ صاحبؒ اپنے کوارٹر سے چائے بنواتے، خود ٹرے اٹھاتے اور جونہی حضور نماز سے فارغ ہوتے، چائے پیش کرتے تھے۔ حضور اُن کی اس ادائے خدمت سے خوش ہوکر دُعا سے نوازتے۔

صاحبزادہ صاحبؒ اپنے والدِ گرامی کے انتقال (1977ء) کے بعد مکان شریف پر قیام پذیر ہوئے تو آپ کے شاگردِ رشید جناب محمد عزیز سیالوی نے اس معمول کو جاری رکھا۔ جون 1981ء میں، وصال سے دو ماہ قبل، حضرت شیخ الاسلامؒ ایک رات دارالعلوم میں قیام فرما تھے۔ اگلی صبح آپ کو تونسہ شریف روانہ ہونا تھا۔ عزیز صاحب نے حسبِ معمول چائے پیش کی تو آپ نے صاحبزادہ صاحبؒ کو یاد کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ان کی چائے تو آتی ہے، خود نہیں آتے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ کبھی خود بھی آجاتے۔'' ساتھ ہی چچا غلام حیدر مرحوم (ڈرائیور) سے فرمایا کہ ''تونسہ شریف سے واپسی پر گھر نہیں آنا، صاحبزادہ صاحب سے ملنے گفری جانا ہے'' چنانچہ آپ مکان شریف تشریف لے گئے اور صاحبزادہ صاحبؒ سے چائے کا ذکر بھی فرمایا جو اس ملاقاتِ کرم کا بہانہ بنی۔

محترم سرور شاہ صاحب (فیصل آباد) روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ شوکت صاحب، اظہر صاحب اور میں حضرت میاں عبدالحمیدؒ کی بیمار پرسی کے لئے چک 74 حاضر ہوئے۔ ہماری موجودگی میں حضور شیخ الاسلامؒ حضرت میاں صاحبؒ کی مزاج پرسی کے لئے تشریف لائے۔ صاحبزادہ صاحبؒ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ دورانِ گفتگو حضورؒ نے میاں صاحبؒ سے مخاطب ہوکر فرمایا! ''میاں صاحب! آپ میرے والد صاحب (حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالویؒ) کی نشانی ہیں۔ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ اپنی صحت کا خیال رکھیں۔'' پھر آپ نے فرمایا! ''عزیز احمد صاحب کے لئے میرے پاس حضور پیر سیال غریب نوازؒ کی جو باطنی نعمت امانتاً موجود تھی، میں نے انہیں دے دی ہے، آپ کے پاس بھی جو کچھ ہے، انہیں عطا کر دیں۔''

صاحبزادہ صاحبؒ پر حضور شیخ الاسلامؒ کی عنایات کا ایک روح پرور منظر اس وقت

دیکھنے میں آیا جب حضورؒ کے وصال کے بعد آپ کا وصیت نامہ (اردو) منظرِ عام پر آیا،
جس میں آپ نے اپنے صاحبزادگان کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

''مولوی عزیز احمد صاحب کو اپنے ہر مشورہ میں شامل رکھیں''

بیکھا بانہہ اصیل کی بھولے سے چھو جائے

آپ نبھائے عمر بھر بیٹوں سے کہہ جائے

مشورے میں شامل رکھنے کا حکم صرف اسی کے بارے میں دیا جا سکتا ہے جو صائب الرائے ہو، جس کی وفا شعاری، فہم وفراست اور بصیرت و دانائی پر کامل اعتماد ہو۔ حضور شیخ الاسلامؒ نے صاحبزادہ صاحبؒ کے بارے میں مذکورہ جملہ لکھ کر گویا ان کی ارادت وعقیدت اور خلوص ووفا پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔

صاحبزادہ صاحبؒ روزمرّہ کے معمولات کی پابندی فرماتے تھے۔ مشائخ کے تلقین کردہ وظائف، دلائل الخیرات، مجموعہ وظائفِ چشت اور قرآن کریم کی تلاوت روزانہ کا معمول تھا۔ سفر ہو یا حضر اس میں کبھی ناغہ نہیں ہوا۔ نمازِ فجر کے بعد والدِ گرامی کے مزار پر فاتحہ کے لئے جاتے۔ سون کے علاقہ میں کئی غیر معروف صوفیا کے مزارات ہیں۔ وہاں بھی اکثر حاضری کا معمول رہا۔ یہ مزارات دور دراز جنگلوں میں یا پہاڑ کی چوٹیوں پر واقع ہوتے۔ گھنٹوں کا سفر پا پیادہ طے کر کے وہاں پہنچتے۔ کچھ شیرینی وغیرہ ساتھ لے جاتے اور ایصالِ ثواب کر کے ہمراہ جانے والوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اس وقت خوشگوار حیرت ہوتی، جب کسی صاحبِ مزار کے بارے میں فرماتے کہ یہ بزرگ تابعین میں سے ہیں اور فلاں علاقے سے ہجرت کر کے یہاں آئے ہیں۔ یہ درویش فلاں صدی میں ہوئے ہیں اور انہیں فلاں فلاں صوفیا کی صحبت حاصل رہی ہے۔ کبھی اشارتاً ان کے روحانی مقامات کا ذکر بھی فرما دیتے۔ حالانکہ کتب تاریخ اور تذکروں میں ان صوفیا کا ذکر نہیں ملتا۔

جنگل و وادی میں بکھرے ہوئے اِن مزارات کو عرفِ عام میں ''ماڑی'' کہا جاتا ہے۔ صاحبزادہ صاحبؒ نے علاقے میں ایسے کئی مزارات پختہ کرائے اور چاردیواریاں بنوائیں۔ پہاڑوں کی چوٹی پر جہاں بار برداری سوائے اونٹوں اور خچروں کے ناممکن تھی،

وہاں بھی تعمیراتی سامان پہنچایا اور اسطرح اپنے ذوق کو تسکین بہم پہنچائی۔ حضرت سید میاں امام الدین کشمیری، جو حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی کے خلیفہ ومرید تھے، کا مزار معظم آباد شریف (سرگودھا) میں واقع ہے۔ ان کا مزار پختہ کرنے اور چار دیواری بنانے کے لئے راقم کو ایک خط لکھا اور تاکید کی کہ جتنا جلد ممکن ہو تعمیر مکمل کی جائے۔

حضور پیر سیال غریب نوازؒ کے ایک دوسرے مرید وخلیفہ حضرت خواجہ محمد امین نکو چی کا مزار سیال شریف کے قبرستان دادا باغ میں واقع ہے۔ صاحبزادہ صاحبؒ نے جناب محمد عزیز سیالوی سے کہہ کر ان کا مزار بھی پختہ کروایا۔

صاحبزادہ صاحبؒ سال میں ایک مرتبہ بعض معروف بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضر ہوتے اور یہ سفر عموماً موسمِ سرما میں ہوتا تھا۔ حضرت شاہ محمد سلیمان تونسویؒ (تونسہ شریف)، حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ (چشتیاں شریف)، حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ (پاکپتن شریف)، حضرت حافظ محمد جمال اللہؒ، حضرت شاہ رکن عالمؒ اور حضرت بہاء الدین زکریاؒ (ملتان) اور دیگر کئی صوفیا کے مزارات پر بلا امتیاز سلسلہ حاضر ہوتے تھے۔ خود سلسلہ چشت سے فیض یافتہ تھے لیکن دیگر سلسلوں کو بھی احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ فرماتے تھے، یہ سب راستے ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ تک پہنچنے کے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بعض کٹھن اور طویل ہیں اور دوسرے آسان اور مختصر۔ سب کے رنگ جدا ہیں مگر خوشبو ایک ہے۔

بزرگانِ دین کے ہم نام لوگوں کو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اپنے شیخ طریقت اور والدِ گرامی کے ہم ناموں کا نام لے کر ذکر نہیں کرتے تھے بلکہ یوں کہتے کہ فلاں شخص جو حضور پیر سیال کا ہم نام ہے یا اس شخص کو میرا اسلام کہیے جو میرے باواجی صاحب کا ہم نام ہے۔ نومولود بچوں کے نام بزرگانِ دین کے نام پر رکھتے۔ چند پسندیدہ نام یہ ہیں۔

محمد عبدالرحمٰن، محمد عبداللہ، محمد قمرالدین، عبدالعزیز، عبدالحمید، احمد رضا، حسن رضا، حامد رضا، محمد طاہر، محمد سعید، محمد زاہد، محمد نعمان اور محمد آصف۔

دورانِ سفر قبرستان کے قریب سے گزرتے تو فاتحہ ضرور پڑھتے اور ساتھیوں سے

مخاطب ہو کر فرماتے کَمَا تَدِینُ تُدَانُ ٥ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ یعنی آج ان مرحومین کے لئے فاتحہ پڑھو گے تو کل تم پر بھی پڑھا جائے گا۔

ورزش اور پیدل چلنے کا معمول آخر دن تک رہا۔ سردی، گرمی، بہار، خزاں ہر موسم میں تمام مصروفیات ترک کر کے نماز عصر سے مغرب تک تقریباً چار کلومیٹر پیدل چلتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ دسمبر کے مہینہ میں برف پڑ رہی تھی۔ وادی کی زمین برف کی سفید چادر سے ڈھک چکی تھی۔ یخ بستہ ہوائیں سینے سے پار ہو رہی تھیں۔ حد نظر تک ایک آدھ پہاڑی جوان ہی کسی شدید ضرورت کے تحت آتا جاتا نظر آ رہا تھا۔ اس کے باوجود صاحبزادہ صاحب معمول کے مطابق گھر سے چل پڑے اور معینہ منزل بھرال موڑ تک پہنچ گئے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ حیاتِ مستعار کے آخری دن بھی یہ معمول برقرار رہا۔ سیر کر کے مکان شریف واپس پہنچے تو ایک گھنٹہ بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ سانگلہ ہل اور سیال شریف کے دورانِ قیام میں نمازِ عصر کے بعد ورزش کے لئے والی بال کھیلتے یا ڈنٹر پیلتے اور مگدر ہلاتے لیکن عہدِ سجادگی میں پیدل چلنے کا معمول اپنا لیا تھا۔

لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہونا فرض عین سمجھتے تھے۔ پیدل چلنے کا شوق اس شرکت کو اکثر یقینی بنا دیتا تھا۔ فرماتے، اگر کوئی شخص کسی کی خوشی میں شرکت نہ کر سکے تو وہ قابل معافی ہے لیکن دکھ درد میں شریک نہ ہونا ظلم ہے، جس کی تلافی ممکن نہیں۔ مرگ پر تعزیت کے لئے ضرور تشریف لے جاتے۔ مرحوم کے لئے ایصالِ ثواب کرتے اور پسماندگان کو صبر کی تلقین فرماتے۔ اسی طرح بیماروں کی مزاج پرسی کے لئے بھی جاتے تھے۔ مریض کی چارپائی پر بیٹھ کر اس کی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھتے اور کبھی سینے پر۔ تسلی و تشفی کی گفتگو کرتے۔ اُسے حوصلہ دیتے، دُعا دیتے اور اس سے دعا لیتے تھے۔ قرب و جوار کے دیہات میں اگر تعزیت یا مزاج پرسی کے لئے جانا ہوتا تو پیدل سفر کرتے۔ اس طرح سیر کا معمول پورا ہو جاتا اور کارِ خیر بھی سرانجام پاتا۔ پیدل چلتے ہوئے ہاتھ میں تسبیح رکھتے، جس پر ورد کرتے جاتے۔ اکثر فاصلے کا تعین ذکر الٰہی سے کرتے تھے۔

رات دیر سے سونے کی عادت تھی۔ نماز عشاء کے بعد خواص کی محفل میں تصوف

کے دقیق مسائل اور بزرگانِ دین کے ملفوظات بیان فرماتے ۔ نقطہ نظر کے اخلاص اور لہجے کی حلاوت سے گفتگو اس قدر موثر ہو جاتی کہ سامعین پر رقت طاری ہو جاتی اور ہر شخص کو اپنے جذبات واحساسات اور عمل و رویہ میں واضح تبدیلی کروٹ لیتی محسوس ہوتی تھی ۔ نجی مجالس میں تصوّف کے علاوہ عظمتِ رسول ﷺ آپ کا مرغوب موضوع تھا۔ قرآن وحدیث اور صوفیا کے اقوال کے ساتھ مذکورہ موضوع پر وجدانی انداز میں گفتگو فرماتے ۔ شاید اسی وجدانی کیفیت کے اثرات تھے کہ مکان شریف کی رات بڑی پُر کیف ہوتی تھی ۔

صاحبزادہ صاحبؒ کی ایک پسندیدہ عادت یہ تھی کہ خطوں کا جواب ضرور دیتے تھے ۔ اور ہر جواب اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے ۔ وادی میں جب تک ٹیلی فون کی تنصیب نہ ہوئی تھی، احوال سے آگاہی کا واحد ذریعہ مراسلت ہی تھی ۔ روزانہ کی ڈاک میں پندرہ سے بیس کے قریب خط موصول ہوتے ۔ نمازِ ظہر کے بعد ماسٹر گلزار صاحب قلم، لیٹر پیڈ اور تمام خط کھول کر میز پر رکھ دیتے اور آپ ہر خط کا جواب لکھتے جاتے ۔ آپ کی تحریر مختصر مگر جامع ہوتی ۔ ایک ایک لفظ سے اپنائیت اور اخلاص ومروّت کا چشمہ پھوٹتا اور مکتوب الیہ کی پیاسی روح کو سیراب کر دیتا۔ آپ کے خطوط میں یہ حقیقت عیاں نظر آتی ہے کہ

از دل خیزد بر دل ریزد

(خطوط کا تفصیلی جائزہ کتاب کے باب ''حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ اپنے خطوط کے آئینہ میں'' ملاحظہ کیا جا سکتا ہے ۔)

صاحبزادہ صاحبؒ تلاش رزق کے لئے کسی اجنبی دیس میں ڈیرا ڈالنے کو پسند نہیں کرتے تھے ۔ اس ضمن میں فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی روح کا رزق مقدر کر دیا ہے کم یا زیادہ، یہ اُسی کے علم وقدرت میں ہے ۔ انسان جہاں بھی ہو، اسکا مقسوم اسے ملتا ہے ۔ وطنِ عزیز میں روزی کمانے کے بے شمار وسائل موجود ہیں ۔ انہیں چھوڑ کر باہر جانا، ہوسِ زر کی وجہ سے ہے، جو اخلاقی اقدار کے منافی ہے ۔

اکثر باہر جانے والوں کے والدین اور بچے لاوارثوں کی زندگی گزارتے ہیں ۔ حدیث پاک میں ہے کہ باپ کے چہرے پر محبت بھری ایک نظر، حج کا ثواب رکھتی ہے ۔

آن بان، روپیہ پیسہ اور سہولیاتِ زندگی کے حصول کی خاطر اتنی بڑی نعمت سے محرومی، حرماں نصیبی ہے۔ حرص و ہوس کی وجہ سے انسان ماں کی خدمت سے، جس کا وجود سراپا رحمت و رافت ہے، محروم رہ جاتا ہے۔ باپ کی عدم موجودگی، بچوں کی اچھی تعلیم و تربیت پر اثر انداز ہوتی ہے اور سیرت و کردار کے لحاظ سے وہ اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

غیر ملک میں رہ کر ملازمت یا کاروبار کرنے کا فائدہ صرف ایک ہے کہ ''ہاتھ کی میل'' جمع ہوگئی اور نقصان ڈھیر سارے ہیں کہ اخلاقیات کا جنازہ نکل گیا۔ ذی شعور اور ہوش مند آدمی خود فیصلہ کرلے کہ یہ منافع کا سودا ہے یا گھاٹے کا۔ اپنے ایک مخلص اور نیاز مند جناب منظور احمد قمر، مینجر یو۔ بی۔ ایل کو، جو تلاشِ رزق کے لئے باہر جانا چاہتے تھے، ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

برادرِ مکرّم منظور احمد صاحب

تسلیمات و تکریمات: خیریت و عافیت

وَلَا تُلقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ

یا وہ جگہ بتا جہاں پر خدا نہ ہو

اپنے وطن کی صبح اور اپنے وطن کی شام، بچوں کے منظر سے دوری، احباب و اقرباء سے الگ بہت دور، سوائے حسرت و اُداسی کے اور کیا میسر۔ اس سلسلہ میں اگر مجھ کو جان سکیں تو پریشان نہ کریں۔ دوبئی، ابوظہبی، سعودیہ کہیں بھی آپ کا جانا سوائے المیہ کے اور کچھ نہیں۔

والسلام

وہی نادان

عزیز احمد

صاحبزادہ صاحبؒ دنیا و دنیاداری سے ہمیشہ بیزار رہے۔ مال و دولتِ دنیا کی محبت کبھی آپ کے مزاج میں پذیرائی نہ پاسکی۔ روپیہ پیسہ سے نفرت آپ کے ہاں اس حد تک اظہار پاتی کہ کرنسی کے نوٹ کو کبھی نوٹ نہیں کہا ''کاغذ'' کہتے تھے۔ اہلِ ثروت سے

رغبت بالکل نہیں تھی۔کوئی ایسا شخص خانقاہ میں حاضر ہوتا تو طبیعت منغض ہو جاتی۔اُسے بالکل اہمیت نہیں دیتے تھے۔واجبی سی گفتگو کرتے۔آنے کا مقصد پوچھتے اور دُعا کے ساتھ رخصت کر دیتے تھے۔ایسے لوگوں سے نذرانہ قبول نہیں کرتے تھے۔ایک مرتبہ حلقہ کے ممبر قومی اسمبلی نے بیس ہزار روپے بطور نذر پیش کئے۔فرمایا!''اسے اٹھالو، پھر کبھی ایسی جسارت نہ کرنا، تم میرے ضمیر کا سودا کرنا چاہتے ہو۔اگر آسمان کے تارے لاکر میرے آگے رکھ دو گے تو بھی مجھے خرید نہیں سکتے۔حضرت پیر سیال کے کرم نے دنیاداروں سے بے نیاز کر دیا ہے۔''

آپ کے والدِ گرامی حضرت میاں عبدالحمیدؒ کے مزار پر گنبد تعمیر ہو رہا تھا۔برادری کے ایک صاحبِ حیثیت شخص نے عرض کیا،''روضہ شریف کی تعمیر کے جملہ اخراجات ادا کرنا چاہتا ہوں، براہِ کرم مجھے موقع دیجئے۔''فرمایا!''میں ایک پھوٹی کوڑی بھی تم سے نہیں لوں گا۔دنیادار کے ہاتھ کی میل سے باپ دادا کے مزار کا گنبد بنوا کر روزِ محشر ان کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتا۔''

لیکن دوسری طرف غریبوں، بے کسوں، محتاجوں اور سادہ لوح لوگوں سے طبعی اُنس تھا۔آپ کی خانقاہ میں ایسے لوگوں کی عزت افزائی ہوتی تھی۔کوئی غریب آدمی کسی ضرورت کا اظہار کرتا تو چپکے سے اس کی ضرورت پوری کر دی جاتی۔کوئی قرض لینے آتا تو اُسے خالی ہاتھ واپس نہ لوٹایا جاتا۔قرض دے کر بھول جاتے کہ واپسی کا وعدہ کب کا ہے اور ہے بھی سہی یا نہیں۔کئی بیواؤں اور یتیموں کے وظیفے مقرر تھے جو ہر مہینے آپ کے خادم چپکے سے ان کے گھر پہنچا دیتے۔راستہ چلتے ہوئے کوئی معذور، مفلس یا فقیر دکھائی دیتا تو خاموشی سے جیب میں جو کچھ ہوتا، نکال کر اُس کے ہاتھ میں تھما دیتے۔آپ کی خانقاہ میں مجذوب اور نیم پاگل لوگوں کا جمگھٹا رہتا تھا۔ان لوگوں کی وضع قطع اور چہرے بُشرے سے گھن آتی تھی لیکن آپ انہیں چارپائی پر اپنے ساتھ بٹھائے رکھتے۔کھانے اور چائے سے ان کی تواضع کرتے اور ساتھ کچھ نہ کچھ نقدی بھی عطا کرتے۔یہ دیکھ کر حاضرین ان پر روپوں کی بارش برسا دیتے۔اس طرح ان کے وارے نیارے ہو جاتے تھے۔

حرم سرا کے اندر بھی کچھ اس طرح کا منظر دیکھنے میں آتا تھا۔ آپ کی ہمشیرہ صاحبہ خدا ترس اور غریب پرور خاتون تھیں۔ انہیں بھی اپنے محترم بھائی کی طرح بے کس اور بے سہارا خواتین کا بہت خیال رہتا تھا۔ گھر کے اندر کئی ایسی عمر رسیدہ، بیمار اور بے سہارا عورتیں متمکن رہتیں جن کی جسمانی حرکت تقریباً مفقود ہوتی۔ ان کے لباس، خورد و نوش اور دیگر ضروریات کا خیال رکھا جاتا۔ ان میں سے کئی ایک خواتین نے یہیں وفات پائی تو ان کی آخری رسوم، اسی طرح ادا کی گئیں جس طرح کسی قریبی عزیز کی وفات پر کی جاتی ہیں۔

استغنا، خودداری اور بے نیازی کی اس جبلّت نے صاحبزادہ صاحب کو مریدوں اور دوسرے لوگوں سے بے نیاز کر رکھا تھا۔ وہ اپنے کسی مرید کے ہاں شاذ ہی جاتے تھے۔ متعلقین میں سے کوئی اگر مذہبی جلسے کا اہتمام کرتا تو اس کی دعوت پر ضرور شرکت کرتے وگرنہ ہر دوسرے چوتھے روز مریدوں کے دروازے پر دستک دینا سخت ناپسند کرتے اور اسے شانِ فقر و درویشی کے خلاف سمجھتے تھے۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا! ''حضرت خواجہ معین الدّین اجمیریؒ سے حضور پیر سیال تک تمام اولیائے متقدمین کے فقر و استغنا کی روشن مثالیں ہمارے سامنے ہیں، جن کی نظریں مخلوق پر نہیں صرف اور صرف اپنے خالق پر رہتیں۔ انہوں نے خداوند کریم کی عبادت و رضا کے لئے مصلّے قابو میں رکھے۔ اللہ رب العزّت نے اپنے بندوں کے دل اُن کے قابو میں کر دیئے۔''

آپؒ مذہبی جلسوں میں شرکت کے لئے جاتے تو منتظم گاڑی کے پٹرول کے بہانے نقدی کی صورت میں کچھ نذر کرنے کی کوشش کرتے، جسے قبول کرنے سے معذرت کر لیتے۔ فرماتے تھے، میں عظمتِ رسول ﷺ بیان کرنے آیا ہوں جس کا معاوضہ کوئی نہیں دے سکتا۔ ایک مرتبہ انجمن طلبا اسلام کے نوجوانوں نے جوہر آباد میں آپ کی صدارت میں میلاد النبی ﷺ کی تقریب منعقد کی۔ الوداع کہتے وقت انہوں نے کچھ رقم سفر خرچ کے طور پر پیش کرنا چاہی، آپ نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا! ''آپ سو کلومیٹر سفر کے پٹرول کا خرچ دے رہے ہیں، اللہ رب العزّت نے حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طفیل اتنا دے رکھا ہے کہ جوہر آباد کی تمام گاڑیوں کے پٹرول کا خرچ ادا کر سکتا ہوں۔''

کسی زیرِ تعمیر مسجد میں جلسہ ہوتا یا انجمن طلبا اسلام کا کوئی فنکشن، تو آپ اپنی گرہ سے کچھ نہ کچھ ضرور دیتے تھے۔ حامد محمود جانباز روایت کرتے ہیں کہ 1991ء میں جب آپ کو دماغی فالج کی تکلیف ہوئی تو علاج کے لئے نشتر ہسپتال ملتان تشریف لے جاتے۔ فیصل آباد کے ایک پیر بھائی نے عرض کیا کہ اگر آپ فیصل آباد کے راستے ملتان چلے جایا کریں تو وہاں آپ کے چاہنے والے آپ کی زیارت سے دل کی پیاس بجھالیں گے۔ جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ ''اگر میں نے ملتان جاتے یا آتے ہوئے فیصل آباد جانا شروع کر دیا تو لوگ کہیں گے کہ شائد نذرانے بٹورنے فیصل آباد آتے ہیں اور مجھے اس تصور سے بھی گھن آتی ہے۔'' چنانچہ آپ نے ایسے سفر سے معذرت کر لی۔

صاحبزادہ صاحبؒ ایک فعال اور مربوط خانقاہی نظام کی ضرورت پر زور دیتے تھے۔ صوفیائے عظام، انبیائے کرام کے جانشین اور مشنری وارث ہیں۔ عرفان و وجدان اور علم و حکمت کی ترویج انبیاء کے فرائض میں شامل رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیائے کرام نے انسانی معاشرہ کی اصلاح کے لئے حکمت و دانائی کے باطنی شعور کے ساتھ ساتھ علم ظاہر حاصل کرنے کی بہت تاکید کی ہے کیونکہ علم کے بغیر روحانی کمالات کا حصول ممکن نہیں۔ چنانچہ خانقاہوں میں جہاں صوفیا کی نگاہِ کیمیا اثر اور فیضانِ صحبت نے انسانی طباع پر گراں قدر اثرات مرتب کئے ہیں وہاں قال اللہ و قال الرّسول کے علم و شعور نے نوعِ انساں کو آگہی کے اعلیٰ وارفع مقامات سے متعارف کرایا ہے۔

صاحبزادہ صاحبؒ ان خانقاہوں کو ''مردہ خانقاہیں'' تصور کرتے، جہاں درس و تدریس کا اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ ایسی خانقاہوں کے متولیوں کو اقبالؔ کے ''کرگس'' کہتے اور کہتے، یہ لوگ دینِ اسلام کی خدمت کر رہے ہیں نہ اولیاء اللہ کے حقیقی وارث کہلانے کے حقدار ہیں۔ یہ تو دکاندار ہیں جو تصوّف و روحانیت کا ڈھونگ رچا کر پیٹ کا دھندا چلا رہے ہیں۔

ایک مرتبہ راولپنڈی جاتے ہوئے آپؒ کا فتح جنگ سے گزر ہوا۔ وہاں حضرت پیر سیال کے خلیفہ حضرت سید احمد شاہؒ کا مزار ہے۔ آپ نے فرمایا شاہ صاحب کے مزار پر

فاتحہ پڑھ لی جائے۔ ایک راہگیر سے راستہ پوچھا تو اس نے ایک دوسرے شاہ صاحب کے دربار کی طرف رہنمائی کر دی۔ وہاں پہنچے تو سجادہ نشین صاحب تشریف فرما تھے۔ اُن سے صاحبِ مزار کا تعارف پوچھا۔ کہنے لگے شاہ صاحب کا تعلق موتیوں والی سرکار سے ہے۔ اور بڑے پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ یہ انکشاف کرتے ہوئے وہ مسلسل حقے کے کش پہ کش لگاتے رہے۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو صاحبزادہ صاحبؒ نے سجادہ نشین صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا! خدا اِن جاہل اور نااہل پیروں کو ہدایت دے جنھوں نے دین متین کے روشن و تابناک چہرے کو دھندلا دیا ہے۔ جو خود علم و حکمت کے شعور سے ناآشنا رہ گئے۔ وہ طالبانِ عشق و معرفت کے دلوں کو نورِ عرفان سے کیسے جگمگائیں گے۔

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں

اُسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی

انتہائی سادگی کے باوجود آپؒ کی شخصیت میں ایک عجیب کشش تھی۔ شائد یہ محبت و روحانیت کی مہک تھی، جس سے لوگوں کے دل و دماغ معطر ہو جاتے اور وہ آپؒ کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ آپؒ جہاں بھی تشریف لے جاتے لوگوں کا ایک حلقہ آپؒ کے گرد جمع ہو جاتا۔ کسی اجنبی جگہ جاتے تو آپ کو دیکھ کر لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے، لگتا ہے کوئی برگزیدہ ہستی ہیں، کہاں سے تشریف لائے ہیں؟

علم و فضل اور وقار و تمکنت کی جھلک آپ کے چہرے سے نمایاں نظر آتی تھی۔ انہی خصائص کا اعجاز تھا کہ آپ کے مخاطب کو بات کرتے ہوئے عقل کے ناخن لینا پڑتے تھے۔ آپ کی خدمت میں پہنچ کر بڑی قد آور اور توانا مذہبی، سیاسی، ادبی اور انتظامی شخصیات کی قادرالکلامی 'جناب' اور 'جی حضور' تک سمٹ آتی اور ان کی حیثیت محض سامعین کی رہ جاتی تھی۔ کئی مذہبی اور لٹریری سکالرز نے متعدد مرتبہ آپ کے اس کمال کا اعتراف کیا ہے۔

ایک مرتبہ سیال شریف سے روانہ ہو کر حضرت حافظ جمال اللہؒ کے مزار پر حاضری کے لئے ملتان جا رہے تھے۔ ملتان کے قریب ایک اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس

اپنے چند ماتحتوں کے ہمراہ گاڑیوں کی چیکنگ کر رہا تھا۔ ایک اہلکار نے آپؒ کی گاڑی روکی۔ اتفاق سے مذکورہ پولیس افسر خود آگے آیا جب گاڑی کے قریب پہنچا تو آپ نے شیشہ اتارتے ہوئے فرمایا ''جی'' یعنی بتایئے کیا حکم ہے۔ بڑے مضبوط جسم کا لمبی لمبی مونچھوں والا افسر بس ایک 'جی' سے مبہوت ہر کر رہ گیا اور کھسیانا ہو کر کہنے لگا ''جناب آپ کو غلطی سے روکا گیا ہے۔ دراصل یہ اہلکار کچھ خیراتی ٹکٹ بیچ رہے ہیں۔ محسوس نہ فرمایئے گا، میں معذرت خواہ ہوں''۔ آپ نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا! ''نہیں نہیں مجھے بھی خیرات میں حصہ ڈالنا ہے، آپ نے ٹھیک روکا ہے۔''

خانقاہ میں صبح طلوعِ آفتاب سے رات گئے تک حاجت مندوں اور سائلوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ کوئی خانگی مسائل عرض کر کے ان کے حل کا خواہشمند ہوتا تو کوئی شرعی مسئلہ پر فتوی لینا چاہتا۔ بعض لوگ علمی مسائل پر آپؒ سے رہنمائی لینے آتے تو بعض باطنی و روحانی مراحل طے کرنے کے آرزومند ہوتے۔ دُعا و تعویذ تو لوگوں کا ہمہ وقتی مطالبہ ہوتا ہی تھا مذہبی و تدریسی مشاغل اِن پر مستزاد تھے۔ اتنی ڈھیر ساری مصروفیات کے باوجود اورادووظائف کی پابندی اور مطالعہ کتب ایسے معمولات تھے جن کے لئے وقت ضرور نکالتے تھے۔

دوپہر کے کھانے اور رات سونے سے قبل مطالعہ کی عادت تھی۔ چارپائی کے ساتھ ایک میز پر چند کتابیں ہمہ وقت موجود رہتیں۔ جن کتابوں کا مطالعہ روزانہ کا معمول تھا، ان میں مرقاۃ، اشعۃ اللمعات، اخبار الاخیار، مدارج النبوت، کشف المحجوب، فوائد الفواد اور مراۃ العاشقین قابلِ ذکر ہیں۔ دورانِ مطالعہ اہم نکات پر حواشی تحریر کرتے تھے۔ اخبار کا مطالعہ بھی شوق سے کرتے اور ملکی و بین الاقوامی حالات پر سیر حاصل گفتگو فرماتے تھے۔ اخبارات میں ''نوائے وقت'' زیادہ پسند تھا۔ اس کی خبریں قابلِ اعتماد اور اداریہ غیر جانبدارانہ پالیسی کا حامل گردانتے تھے۔

حضرت صاحبزادہ محمد حامد عزیز حمیدی مدظلہٗ

حضرت صاحبزادہ محمد حامد عزیز حمیدی، خانقاہ مکان شریف کے سجادہ نشین ہیں۔ آپ کی ولادت جون 1970ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم حضرت منشی عبدالحق ؒ سے حاصل کی۔ تختی کی مشق بھی انہوں نے ہی کرائی۔ درسی کتب مولانا شرف الدین صاحب، مولانا محمد دین صاحب اور استاد محمد عزیز صاحب سیالوی سے پڑھیں۔ حدیث پاک کی تعلیم اپنے والد گرامی حضرت صاحبزادہ عزیز احمد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ اس دوران میں خانقاہی امور کی انجام دہی میں حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کی معاونت بھی کرتے رہے۔ امیرِ شریعت خواجہ محمد حمید الدین سیالوی مدظلہم العالی نے ۱۶ رجب ۱۴۰۶ھ کو حضرت میاں عبدالحمیدؒ کے سالانہ عرس کے موقع پر آپ کی دستار بندی کرائی اور اوراد و وظائف کی اجازت بخشی۔ 5 اکتوبر 1995ء کو حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کے انتقال کے بعد آپ کو خانقاہِ مکان شریف کا چوتھا جانشین بننے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت صاحبزادہ صاحب نہ صرف اس عظیم خانقاہ کی اعلیٰ روایات کی پاسداری کر رہے ہیں بلکہ اپنی شبانہ روز مساعی سے انہیں روز افزوں ترقی سے ہم کنار کر رہے ہیں۔ آپ اپنے عظیم باپؒ کے مقدس مشن ''تحفظ ناموسِ رسالت اور فروغِ عشقِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم'' کو مسلسل آگے بڑھا رہے ہیں۔ ماہِ نور ربیع الاوّل میں علاقہ بھر میں نمازِ جمعہ کے اجتماعات سے خطاب اور بارہ ربیع الاوّل کو عید میلاد النبی ﷺ کا عظیم الشان جلوس، اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ جامعہ قمر الاسلام، جو حضرت صاحبزادہ عزیز احمد رحمتہ اللہ علیہ کی قائم کردہ علمی یادگار ہے، کی ترقی کے لئے دن رات کوشاں ہیں۔ شعبہ حفظ اور شعبہ درس نظامی میں قابل اور محنتی اساتذہ کا انتخاب، طلبہ کی تعلیم اور ان کے قیام و طعام کا معقول بندوبست، آپ کی انتظامی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

دن بھر خانقاہِ عالیہ پر زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔ آپ ان کی دلجوئی میں کوئی کسر اٹھا

نہیں رکھتے ۔زائرین کے آرام وآسائش اور لنگر کے عمدہ انتظام کے لئے آپ بڑے فکرمند رہتے ہیں اور خدّامِ دربار کو بطورخاص اس کے لئے ہدایات فرماتے رہتے ہیں ۔

اگرچہ نوعمری میں آپ کے کندھوں پر اس عظیم خانقاہ کی ذمہ داریوں کا بوجھ آن پڑا ہے، مگر آپ خواجگانِ چشت اہل بہشت کی توجہ کی بدولت نہایت ہمت واستقلال سے ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہورہے ہیں ۔ انشاء اللہ خانقاہ کی رونقیں قیامت تک اسی طرح برقرار رہیں گی ۔

خورشیدِ عشق کانجا یک بار جلوہ گر شد
تا روزِ حشر آں جا تاثیرِ شب نباشد

عقائدِ اہلسنت اور اصلاحِ امت کا لائحہ عمل

از افادات

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ

ترتیب: پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف سیالوی

تعارف مسلکِ اہلسنّت: وہ مذہب مہذب جو قرآن و سنت کی تعلیمات کا صحیح مصداق ہے، اہل سنت و جماعت ہی کا طریقہ ہے۔ان کے عقائد سچے ہیں۔محبت رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ایمان کی اساس سمجھتے ہیں۔ضروریاتِ دین مثلاً توحیدِ باری تعالیٰ، انبیاء پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، یومِ آخرت پر ایمان، کتابوں (الہامی) پر ایمان سب کو تسلیم کرتے ہوئے وہ حیاتِ برزخی کے قائل ہیں۔ جماعتِ صحابہ اور اہلِ بیت رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ عقیدت ومحبت رکھتے ہیں۔حضرات اولیاء کرام اور صوفیاء سے ارادت رکھتے ہیں۔انہیں کا رستہ مُنعَمُ عَلَیھِمُ کا رستہ ہے۔یہی صراطِ مستقیم ہے۔ہم ہر روز ہر نماز کی ہر رکعت میں اپنے رب کے حضور دعا کرتے ہیں:(**اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم**)

ترجمہ: اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ پر چلا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔

وہ لوگ جن پر اللہ نے انعام فرمایا اور جن کے راستے پر چلنے کی دعا ہمیں ہر نماز میں تعلیم فرمائی گئی۔ان لوگوں کے چار طبقے ہیں۔قرآن مجید میں ہے۔(**اولئک الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین و حسن اولئک رفیقاً**)

ترجمہ: وہ لوگ جن پر اللہ نے انعام کیا انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین میں سے ہیں اور خوب ہے ان کی رفاقت۔

قرآن مجید میں ''صراطِ مستقیم'، ۳۴بار ''الصراط السوی'' ''صراط العزیز'' اور ''صراطُ الحمید'' ایک ایک بار استعمال ہوا۔

صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ صراطِ مستقیم کیا ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک سیدھا خط کھینچا اور اس کے دائیں بائیں دوسرے خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ سیدھا خط صراطِ مستقیم ہے۔مزید وضاحت فرمائی کہ یہ راستہ وہ ہے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ یہی وہ راستہ ہے جو صالحین، اولیاء اللہ اور علماء حق نے اختیار کیا۔مومنوں کے اس راستہ

سے بھٹکنے والا کبھی ہدایت نہیں پا سکتا۔قرآن کا ارشاد ہے:

(ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبیّن له الهدی و یتّبع غیر سبیلِ المومنین نولّه ما تولیّ و نصله جهنّم وساء ت مصیراً)

یعنی جو رسول کا مخالف ہوا بعد اس کے کہ ہدایت اس کے لئے واضح ہوگئی اور وہ ایمان والوں کے راستے کے خلاف کسی اور راستہ پر چل پڑا۔تو وہ جدھر پھرے گا ہم ادھر اس کو پھیر دیں گے اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور جہنم بُرا ٹھکانہ ہے۔

نجات وکامیابی کا واحد راستہ اطاعتِ رسول اور اتفاقِ ملّی ہے۔رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اِتبعُو السَّوَادَ الْاَعْظَم . ترجمہ: سوادِ اعظم (بڑی جماعت) کی پیروی کرو۔

ملاعلی القاری اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

یُعَبَّرُ بِہٖ عَنِ الْجَمَاعَۃِ الکَثِیرۃ وَالْمُرَادُمَا عَلَیہِ اَکْثَرُ الْمُسْلِمِیْن.

یعنی سوادِ اعظم سے بڑی جماعت مراد لی جاتی ہے اور سوادِ اعظم کے اتباع کا مقصد اس رائے کا عملی طور پر احترام کرنا ہے جس پر عامۃ المسلمین متحد ہوں۔

سوادِ اعظم وہی لوگ ہیں جو حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو با اختیار ماننے والے ہیں۔نورِ نبوت کی قوت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حالاتِ کائنات سے باخبر تسلیم کرنے والے ہیں۔صبح وشام الصلوٰۃ والسلام علیکِ یا رسول اللہ کا ورد کرنے والے ہیں۔مقبولانِ رب العزت کو حصولِ مقاصد کے لئے وسیلہ بنا کر دعا کرنے والے ہیں۔بختِ خفتہ کو بیدار کرنے اور انوارِ رحمت سے اپنے آپ کو منور کرنے کے لئے اللہ والوں کے آستانوں پر حاضری دینے والے ہیں۔

اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پیش گوئی فرمائی کہ میری امت کے بہتر فرقے ہونگے۔صرف ایک گروہ ناجی یعنی نجات پانے والا ہے اور یہ لوگ وہ ہیں جو سنتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اختیار کرتے ہیں اور جماعتِ صحابہ سے راہنمائی لیتے ہیں۔لہٰذا ضروری ہے کہ اسی جماعت سے اپنا ناطہ جوڑا جائے۔اس جماعت کی پہچان حاصل کی

جائے ان لوگوں سے دور رہیں جو اس راہ سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان خدا رسیدہ ہستیوں سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ یہ ایمان کے چور اور ڈاکو ہیں ان سے بچنا بہت ضروری ہے۔

بنیادی ارکانِ دین: اللہ پر ایمان، اس کے فرشتوں پر ایمان، اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتابوں پر ایمان، اللہ کے فرستادہ رسولوں پر ایمان، آخرت پر ایمان، خیر وشر ہر دو کے اللہ کی طرف سے ہونے پر ایمان، تقدیر پر ایمان اور یہ کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے یہ ضروریاتِ دین ہیں۔

ارکانِ اسلام: یہ پانچ ہیں۔۱۔ گواہی دینا کہ اللہ بزرگ و برتر ایک ہے۔ وہی معبودِ برحق ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول اور اس کے برگزیدہ بندے ہیں۔۲۔ نماز قائم کرنا ۳۔ زکوٰۃ دینا۔۴۔ رمضان کے روزے رکھنا۔۵۔ حج کرنا اگر اس کی استطاعت ہو۔

عقیدہ توحید: دینِ اسلام کی بنیاد ہے۔ اللہ واحد ہے، قدیم ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اس کی وحدانیت کے دلائل کائنات کے صفحہ پر بکھرے پڑے ہیں۔ یہ گردشِ لیل ونہار، چاند، سورج اور ستارے، ہواؤں کا چلنا اور بادلوں کا تیرنا، بارش کا برسنا اور مردہ زمین کا زندہ ہو جانا، سب اسکی وحدانیت پر دلیل ہیں۔ کائنات میں مکمل نظم وضبط بتاتا ہے کہ اللہ جل مجدہٗ اس کائنات کا مدبّر ہے۔ کسی عربی شاعر نے خوب کہا۔

وَ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ آیۃ'' تَدُلُّ عَلیٰ اَنَّہٗ وَاحِد''

ترجمہ:۔ ہر چیز میں اسکی نشانی موجود ہے جو اس حقیقت پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ذات واحد ہے۔

ادنیٰ سی عقل رکھنے والا انسان جب کائنات اور خود اپنے اندر غور وفکر کرتا ہے تو وہ اللہ کی وحدانیت کا قائل ہو جاتا ہے۔

عقیدہ نبوت ورسالت: اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ایک خاص گروہ کو نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کیا تا کہ وہ اللہ کے احکام اس کے بندوں تک پہنچانے کا ذریعہ

اور واسطہ بنیں ۔ اس سلسلۂ ہدایت کی آخری کڑی آقائے نامدار تاجدارِ مدینہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ ان کی عظمت شان پر قرآن مجید کی آیات گواہ ہیں ۔ اور اس امر کی تصریح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین ہیں ۔ اگرچہ بعض لوگوں نے ''خاتم النبین'' کے مفہوم میں خیانت اور بددیانتی سے کام لیا اور کذاب مدعیٔ نبوت مرزا قادیانی کو دعویٔ نبوت کرنے کا موقع مل گیا۔

لیکن سلف صالحین اور اہلِ سنت کا عقیدہ یہی ہے کہ حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔

میلاد کیوں منایا جاتا ہے؟: اہلِ سنت کے ہاں صدیوں سے یہ روایت جاری ہے کہ ربیع الاوّل میں حضور سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت پر اظہار تشکر اور خوشی کیلئے محافل کا انعقاد کرتے ہیں اور یہ کیوں نہ ہو جب کہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کریم کی سب سے بڑی نعمت ہیں ۔ یہ دن یقیناً مومنین کے لئے روزِ عید ہے۔

ماہتابِ رسالت کے طلوع سے پہلے پوری دنیا کی حالت اتنی ناگفتہ بہ تھی کہ نہ کسی کے پاس دین تھا، نہ اخلاق ، نہ روحانی طاقت ، پتھر کے بتوں کی پوجا ہوتی تھی ۔ حتیٰ کہ بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت موجود تھے ۔ شراب نوشی اور جواء بازی کثرت سے رائج تھی ۔ ماں بہن کی عزت کوئی معنی نہیں رکھتی تھی ۔ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دینا معیوب نہ سمجھا جاتا تھا۔

یہودیت ،عیسائیت اور بت پرستی کا رواج تھا ۔ یہود عزیر علیہ السلام کو خدا مانتے اور عیسائی ایک خدا کے بجائے تین خدا تسلیم کرتے تھے ۔ آتش پرست قوم، ماں اور بہن کے ساتھ حیا سوز کردار ادا کرنے میں ذرا بھر نہ شرماتی تھی ۔ دنیا کی پوری فضا پر ظلم وتشدد، فتنہ و فساد اور جبر واستبداد کا گھپ اندھیرا چھا چکا تھا۔ دیانت ومتانت، خدا ترسی وعبادت دور دور تک تلاش کے باوجود نظر نہیں آتی تھی ۔

رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی تشریف آوری: رسول محترم نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم

خدا کے سب سے زیادہ ثنا خوان بن کر ''احمد'' کہلائے اور خدا کے سب سے زیادہ ممدوح ہو کر دنیا میں ''محمد'' کا نام لے کر آئے۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے کفر و شرک کی بنیادیں ہل کر رہ گئیں۔ میکدے اُجڑ گئے۔ بتکدے عبادت گاہ بن گئے۔ ظلم و جبر کے بادل چھٹ گئے۔ خفتہ بخت جاگ اٹھے۔ مردہ دلوں کو نئی زندگی ملی۔ ارض و سماء پر نیا نکھار آیا۔ عالمِ ہست و بود بہارِ قدس سے دوبارہ مانوس ہوا۔ ضمیرِ ہستی نے اپنا مرجع پالیا۔ زمین کی وسعتوں اور فضا کی بلندیوں میں لا الہ الا اللہ کا نغمۂ جانفزا بلند ہوا اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو جادۂ حق مل گیا۔

عشقِ رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم اور آدابِ نبوی: بارگاہِ رسالتمآب ﷺ کے آداب کو بڑی تفصیل کے ساتھ سورۃ الحجرات میں اللہ رب العزت نے بیان فرمایا۔ یہ اس لئے بھی کہ بارگاہِ نبوی میں حاضری ایک نازک مرحلہ ہے۔ آداب کی پاسداری شرطِ اولین ہے۔ کیونکہ جب عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اصل ایمان ٹھہرا تو ضروری ہے کہ آداب کو پیش نظر رکھا جائے ورنہ اس بارگاہ میں ادنیٰ سی بے ادبی بھی اعمالِ صالحہ اور ایمان کے خرمن کو راکھ بنا دیتی ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نماز، روزہ، حج اور زکوۃ فرائض ہیں۔ ان کا انکار کفرِ صریح ہے اور ان سے پہلو تہی کرنا خدا کی رحمتوں سے محرومی کا سبب ہے۔ لیکن یقین کر لیں کہ کوئی بھی خدا کی عبادت سود مند نہیں ہو سکتی جب تک کہ دل عشقِ مصطفیٰ سے سرشار نہ ہو۔

ذکرِ خدا جو ان سے جدا چاہو منکرو
واللہ ذکرِ حق نہیں کنجی سقر ہے

خطبہ ہو یا تشہد اذان ہو یا کلمہ، اس میں اللہ کے نام کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ہونے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اہلِ دل پر یہ بات واضح ہو جائے کہ بارگاہِ کبریا تک رسائی صرف پارسائی کی مرہونِ منت نہیں بلکہ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی دُھائی بھی ضروری ہے۔

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

حدیث پاک " اَلا لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا مَحبۃَ لہٗ "یعنی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبت کے بغیر ایمان کا وجود ہی نہیں، اسی بات کی غماز ہے۔ وہ ذاتِ گرامی کہ جس کی پناہ میں ایمان کی سلامتی ہے، اس کے بغیر ایمان دار بننا کیوں کر ممکن ہوسکتا ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

اُمّت میں سب سے پہلا اعتقادی فتنہ: یہ دور جس سے ہم گزر رہے ہیں، نہایت ابتلاء کا دور ہے ایک طرف عقائدِ صحیحہ میں فساد گھس آیا ہے تو دوسری طرف اعمال میں بگاڑ پیدا ہوگیا ہے۔ نمازیں چھوٹ گئیں، روزے ترک ہوگئے اور عبد و معبود کے حقوق ذہنوں سے محو ہورہے ہیں۔ باپ بیٹے سے نالاں اور بیٹا باپ سے گریزاں ہے۔ نہ خوفِ خدا ہے اور نہ شرمِ پیغمبر۔ اسلامی شعائر اور مذہب کی پاکیزہ روایات لٹتی جارہی ہیں۔ رسولِ محترم سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ آخر زمانے میں فتنے ہوں گے، فساد ہوگا، علم و عمل اُٹھ جائے گا، جہالت آئے گی، جھوٹ کا دور دورہ ہوگا، نہ بڑوں کا احترام رہے گا اور نہ چھوٹوں پر رحم و پیار۔

اس سارے فساد کی اصل اعتقادی فساد ہے اور اعتقادی فساد کی اصل بارگاہِ رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بے ادبی ہے۔ اس کے سبب ایمان جڑ سے اکھڑ جاتا ہے اور اعمالِ حسنہ سارے اکارت جاتے ہیں۔ اس فتنہ کی ابتداء خوارج سے ہوئی۔ بارگاہِ رسول ﷺ میں بے ادبی اور گستاخی اور محبوبِ کبریا پر اعتراض کی بدترین روایت ذوالخویصرہ تمیمی سے ہوئی ہے۔ بخاری اور مسلم میں ہے کہ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم مالِ غنیمت تقسیم فرمارہے تھے۔ نئے مسلمان ہونے والوں کو تالیفِ قلب کے طور پر مالِ غنیمت میں سے زیادہ مال دیا تو یہ شخص معترض ہوا اور کہنے لگا " اِعْدِلْ یَا مُحَمَّدُ اے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم عدل کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیرے لئے خرابی ہو، اگر میں عدل نہ کرونگا تو کون عدل کرے

گا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اجازت چاہی کہ اس کی گردن مار ڈالوں۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اسے چھوڑ دو،اس کے اور بھی ہمراہی ہیں۔ ایک روایت میں ہے فرمایا کہ اس کی نسل سے ایسی قوم ہوگی کہ تم ان کی نمازوں کے سامنے اپنی نمازوں کو اور ان کے روزوں کے سامنے اپنے روزوں کو حقیر سمجھو گے۔وہ قرآن پڑھیں گے لیکن ان کے گلوں سے نہ اتر سکے گا وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے۔

دیگر احادیث میں ان کی شکل وصورت،طور طریقے اور بظاہر دین کی پابندی کے مظاہر بیان ہوئے۔لیکن ان کے ایمان کی حالت یہ ہے کہ ان کے دل حُبِ رسول سے خالی ہیں۔اتنے انتہا پسند اور پر تشدّد ہیں کہ صحابہ کرام تک کی تکفیر سے گریز نہیں کرتے۔اس بد بخت گروہ کا سلسلہ فتنہ نجدیّت سے جا ملتا ہے۔آقائے مدنی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس فتنہ سے بھی خبردار کیا۔بخاری شریف میں ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نجد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔**هُنَاکَ الزَّ لاَزِلُ و اَلْفِتَنُ وَ فِيُهاَ يَطْلَعُ قَرُنُ الشَّيطَانِ**'' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔محمد بن عبدالوہاب اس خارجی تحریک کا نمائندہ تھا۔اس نے مسلمانوں کو کافر ومشرک کہہ کر مباح الدّم قرار دیا اور بارگاہِ رسالت میں بے ادبی کا مرتکب ہوا۔علامہ شامی حنفی اور دیگر سلف صالحین نے اسے باغی اور خارجی قرار دیا۔

برصغیر میں اعتقادی فتنہ: یہ بات تو سبھی جانتے ہیں کہ برصغیر میں اسلام کا پودا صوفیاء کرام کا مرہونِ منت ہے۔انہوں نے اپنی کوششوں اور اعلیٰ اسلامی کردار سے اس پودے کو سینچا اور پروان چڑھایا۔لیکن صد افسوس کہ بالخصوص برطانوی استعمار نے علماء کی صفوں میں فکری انتشار کو جنم دیا۔تحریص اور لالچ سے بعض علماء کو اپنے دام میں پھانس لیا۔اسلامی عقائد کے مضبوط قلعوں میں نقب لگائی۔مسلمہ عقائد میں شکوک وشبہات پیدا کیے گئے۔حتیٰ کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں عیب جوئی،شعائرِ اسلام کی اہانت،اکابرینِ امت کے حق میں دشنام طرازی اور توہین آمیز تحریریں آنے لگیں۔عام مسلمان ان فتنوں میں بُری طرح گھر گئے۔بلکہ ان نام نہاد علماء نے صفاتِ باری تعالیٰ اور ذاتِ باری تعالیٰ کے

بارے میں بھی اپنے باطل خیالات کے پرچار سے گریز نہ کیا۔ یہاں تک کہا گیا کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قدرت رکھتا ہے۔

اگر یہ بات مان لی جائے تو آپ خود اندازہ لگائیں کہ جنت دوزخ کی کیا حیثیت رہے گی، جزاوسزا کا تصور کیونکر باقی رہے گا اور اعمال صالحہ کیلئے اب محرّک کیا ہو سکتا ہے؟

برصغیر میں اہل سنت کے خلاف عقائد: نجدیّت اور خارجیّت سے متاثر ہو کر اور سامراجی سازشوں کا حصہ بن کر تنقیصِ شانِ رسالت کا سلسلہ شروع ہوا تو اس پر علماء حق نے بھر پور گرفت کی اور ایسی عبارتوں سے رجوع کرنے اور کتابوں سے انہیں حذف کرنے کو کہا۔ لیکن وہ بضدر ہے اور اب تک یہ قابلِ اعتراض عبارتیں ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔

کبھی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے علم پر معترض ہوتے ہیں اور کہتے ہیں۔

''الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلافِ نصوصِ قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاسِ فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو ایمان کا کون سا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت کی کون سی نصِ قطعی ہے، جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرنا ہے''۔

اندازہ لگائیں ملک الموت اور شیطان کے علم کو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے علم سے زیادہ ثابت کرنے کی کتنی بڑی جسارت ہے۔ مزید اسی کتاب میں لکھا ہے۔

''اعلیٰ علیّین میں روح مبارک علیہ السّلام کا تشریف رکھنا اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت کے برابر بھی ہے، چہ جائیکہ زیادہ۔''

مسلک حق یہ ہے کہ قرآن و احادیث کی متعدد نصوص سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام کائنات کے علوم بخشے۔ کسی مخلوق کے تقابل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کو کم کہنا، آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں

گستاخی اور بے ادبی کے مترادف ہے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے علمِ غیب کی نفی پر ایسی گستاخانہ عبارتیں ہیں کہ اَلامان والحفیظ۔اس گروہ کا ایک سرکردہ عالم لکھتا ہے۔

''پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پرعلمِ غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہوتو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب ۔ اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے ایسا علمِ غیب تو زید وعمر و وبکر بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبھائم کے لئے بھی حاصل ہے''

غور کیجئے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے علمِ غیب کو زید وعمر، بچوں، پاگلوں بلکہ تمام حیوانوں اور جانوروں کے ساتھ تشبیہ دینا بے ادبی نہیں تو اور کیا ہے؟ بعض عبارات تو ایسی ہیں کہ نعوذ باللہ ان کے سننے کی ہمت نہیں ہوتی ۔کتنا بھیانک عقیدہ ہے کہ نماز میں حضور کا خیال کرنا گدھے اور بیل کے خیال کرنے سے بدتر ہے۔اصل عبارت یوں ہے۔

''از وسوسہ زنا خیالِ مجامعتِ زوجہِ خود بہتر است وصرف ہمت بسوئے شیخ و امثالِ آن از معظمین گو جناب رسالتمآب باشند بچندیں مرتبہ از استغراق در صورت گاؤ وخر خود است''

ہم اہلِ سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ نماز میں حضور رسول پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صورتِ کریمہ کو دل میں حاضر کرنا تکمیلِ نماز کے لئے ضروری ہے، کیونکہ نماز کی قبولیت کیلئے یہ سب سے بڑا ذریعہ ہے ۔ان نام نہاد علماء کی فتنہ پرور تحریروں کی فہرست خاصی طویل ہے۔یہاں صرف اشارہ کرنا مقصود ہے تاکہ ایسے بدعقیدہ لوگوں سے اجتناب کیا جائے۔

اچھی طرح جان لو ہمارا نبی زندہ ہے۔وہ اپنے رب کے دیئے گئے اختیارات سے مختارِ کل ہے۔حیاتِ برزخ یعنی قبر کی زندگی برحق ہے۔مردے اپنی قبروں میں سنتے ہیں ۔ایصال ثواب کرنا شریعت کے مطابق ہے۔اہلِ دیوبند تو ہر اچھے کام پر بدعت اور شرک کے فتوے لگانے اور مسلمانوں کو کافر ومشرک بنانے میں مصروف ہیں۔

اہلِ سنت کے عقائد اور تعامل کے خلاف کئی مسئلوں میں انہوں نے عوام کو

بہکانے کی کوششیں کیں اور کر رہے ہیں۔ لہٰذا عوام اہلِ سنت کو بیدار اور آگاہ رکھنے کے لئے ہم ان میں سے چند مسائل کا ذرا تفصیلی ذکر کرتے ہیں۔

ندائے یارسول اللہ کا جواز: اعتقادی فتنوں میں سے ہے کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھنے والوں کو مشرک گردانا جاتا ہے۔ کیونکہ درود وسلام کے ان صیغوں کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاضر و ناظر ماننا پڑتا ہے اور بقول ان کے، یہ صفات باری تعالیٰ کی ہیں اور اسی کے ساتھ خاص ہیں۔

یہ ان لوگوں کی طرف سے مغالطہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شاہد بنا کر بھیجا۔ شاہد، اگر شہود سے ماخوذ ہو تو شاہد کے معنی ہیں پاس موجود اور اگر شاہد، مشاہدہ سے ہو تو شاہد کے معنی دیکھنے والا کے ہیں۔ بہر حال دونوں معنوں سے قرب ثابت ہے۔

ابن قیم جو ابنِ تیمیہ کے شاگردوں میں سے ہے، اپنی تصنیف جلاء الافہام میں ایک حدیث نقل کرتا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: لَیسَ مِنْ عَبْدٍ یُصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا بَلَغنِیْ صَوْتُہٗ حَیْثُ کَانَ ٥

ترجمہ: جو بھی آدمی مجھ پر درود پڑھے تو پڑھنے والے کی آواز میں خود سنتا ہوں۔

قرآن پاک میں **یا ایھا المزمل ، یایھا المدثر ، یا ایھا النبیّ** کے کلمات کے معنی ومفہوم وہی ہیں جو اہلِ سنت ''یارسول اللہ'' کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ علامہ شامی اپنے فتاویٰ میں وضاحت کرتے ہیں کہ نماز میں **السلام علیک ایھا النبیّ** پڑھتے وقت ارادہ انشاء کا کرو یعنی اپنے آپ کو حضور کی بارگاہ میں حاضر سمجھو، اس یقین کے ساتھ کہ آپ ہمارا سلام سُن رہے ہیں۔

القول البدیع ص ۱۸۵ میں ابوالدرداء سے روایت نقل کی گئی ہے وہ فرماتے ہیں: مسجد میں داخل ہوتے وقت میں ہمیشہ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھتا ہوں۔ مذکورہ کتاب میں امام ابنِ سیرین کا قول درج ہے کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو الصلوٰۃ والسّلام علیک یارسول اللہ پڑھو۔

حضرت علامہ بوصیری کے مشہور قصیدہ بردہ کا شعر ہے

یـا اکـرم الـخـلـق مـالـي من الـوذبـه
سـواک عـنـد حلـول الحـادث العـمـم

اس شعر میں یا اکرم الخلق کے معنی یا رسول اللہ کے ہیں۔

حضرت مولانا جامی، یا نبی اللہ کہہ کر بارگاہِ نبوت میں استغاثہ پیش کرتے ہیں۔

زمہجوری برآمد جانِ عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم

غرضیکہ قرآن و حدیث اور تعاملِ صحابہ وصلحاءِ امت سے ''یا رسول اللہ'' کے کلمات سے ندا کرنا روزِ روشن کی طرح ثابت ہے۔ فاضل بریلی امام احمد رضا خانؒ بریلوی خوب فرماتے ہیں۔

نعرہ کیجئے یا رسول اللہ کا
مفلسو سامانِ دولت کیجئے

بزرگوں کے تبرّکات سے توسّل: آج کل کچھ لوگوں نے بزرگوں کے تبرکات سے توسّل اور حصولِ برکت کو شرک و بدعت کہنا شروع کر دیا ہے۔ حالانکہ ان تبرکات سے توسّل اور خیر و برکت و کامیابی کے لئے انہیں پاس رکھنے کا جواز قرآن سے ثابت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ وہ ان کا کرتہ لے جائیں اور اُن کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر مَس کریں، اللہ انہیں بینائی واپس دے دے گا۔ قرآن مجید کی کتنی صریح آیت ہے '' **اذهبـوا بـقـمـيـصـي هذا فالقُوه علي وجه اُبي يات بصيراً .** ''

قرآنِ مجید نے بنی اسرائیل کے تذکرے میں ان کی دشمنوں پر فتح و نصرت کا وسیلہ وہ تابوت بنایا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تبرکات تھے۔ آیت یوں ہے۔

وقـال لهـم نبيّهـم ان اية مـلكهٖ ان ياتيكم التابوت فيه سكنية من ربكم و بقيّة مما ترک آل موسیٰ و آل هارون تحمله الملائكة O

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کرتہ تھا کہ جس کے دھوون سے بیماروں کا علاج کرتی تھیں۔

حضرات صحابہ کرام اور سلف صالحین سے انبیاء و اولیاء اور اللہ کے نیک بندوں اور ان کے متعلقات سے خیر و برکت حاصل کرنے اور رحمتِ خداوندی کی طلب میں وسیلہ بنانے کی روایات بہ کثرت موجود ہیں۔ اور اس موضوع پر مذکورہ آیتیں ہم نے نقل کی ہیں، نص صریح ہیں۔

دعاء بعد نمازِ جنازہ کی تحقیق: عقائدِ اہلسنت میں شک وشبہ پیدا کرنے کی غرض سے مخالفین نے کئی مسئلے شدّ ومد سے اٹھائے۔ بدعت کے فتوے صادر کیے اور ایصالِ ثواب کے مروّج اور مستحسن مشروع طریقوں سے روک کر اپنے مرنے والوں کے ساتھ دشمنی کا ثبوت دیا۔ قرآن خوانی اور ایصالِ ثواب کیلئے رسمِ قل، چہلم، عرس وغیرہ کو شرک و بدعت سے تعبیر کیا۔ یہاں تک کہ جنازہ کے بعد میّت کے لئے خصوصی دعائے مغفرت بھی ان کے نزدیک ناجائز ٹھہری۔ یہاں اس مسئلہ کو ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

دعاء کا لفظ دو معنوں پر بولا جاتا ہے۔ ۱۔ عبادت کرنا ۲۔ رحمت کا سوال کرنا

القول البدیع میں ہے: **اَلدُّعَاءُ نوعان: دُعَاءُ عِبَادَةٍ وَ دُعَاءُ مَسْئَلَةٍ** ۔ یعنی عبادت کرنا اور سوال کرنا دونوں دُعا کی قسم ہیں۔

جلاء الافہام میں ہے: **وَالْعَابِدُ دَاعٍ كَمَا اَنَّ السَّائِلَ دَاعٍ** یعنی سوال کرنے والے کو داعی کہا جا سکتا ہے۔ جیسے عبادت کرنے والے کو بھی داعی کہا جا سکتا ہے۔

قرآن مجید میں دُعا کا لفظ ان ہر دو معنوں میں مستعمل ہے۔

دیکھیے صلوٰۃ یعنی نماز، اول سے آخر تک دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ ۱۔ عبادت۔ ۲۔ سوال۔ ہاتھ باندھنا، کھڑے ہونا، تسبیح وتکبیر، رکوع وسجود یہ عبادت، **رَبِّ اغفرلی** . . الخ، درود وسلام اور نماز جنازہ میں **اَللّٰھم اغفر لحیّنا** . . الخ، یہ سوال و درخواست ہے۔

جلاء الافہام میں مزید مرقوم ہے: **اَلْمُصَلِّي مِنْ حِيْنِ تَكْبِيْرِهٖ وَسَلَامِهٖ بَيْنَ دُعَاءِ الْعِبَادَةِ وَ دُعَاءِ الْمَسْئَلَةِ** ۔ یعنی نمازی، تکبیر تحریمہ سے سلام تک دو دعاؤں میں ہوتا

ہے۔لہذا نماز کا کمال، عبادت وسوال دو امروں سے بنتا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نماز جنازہ خود دُعا ہے لہٰذا بعد از نماز جنازہ دعا کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ رائے درست نہیں، اس لئے کہ باقی نمازوں میں اگر چہ نماز کے اندر بھی دُعا ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود نماز پڑھنے کے بعد دُعا مانگی جاتی ہے۔ دوسرا دعا میں تکرار کی کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں تین بار دُعا مانگنے کا ذکر ہے۔ بدائع الصنائع میں تصریح ہے: لَابَأسَ بتکرارِ الدُعَاءِ یعنی بار بار دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں۔

کبھی یہ مغالطہ دیا جاتا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دُعا مانگنے کا کوئی ثبوت نہیں۔ تو عرض ہے کہ کسی کام کے ثابت نہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کام کا کرنا ناجائز ہے۔ شرعی ضابطہ یہ ہے کہ کسی کام کے ناجائز ہونے پر صریح دلیل شرعی کی ضرورت ہوتی ہے اور بالخصوص نماز جنازہ کے بعد دُعا مانگنے کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ قرآن دعا کے جواز کو علی الاطلاق بتاتا ہے۔ آیت اُجیب دعوۃ الداع اذادعان اور آیت ادعونی استجب لکم۔ ان ہر دو آیات میں دُعاء کیلئے کسی زمان ومکان کی قید نہیں ہے اور نہ یہ شرط کہ وہ نماز سے پہلے ہو یا نماز کے بعد۔

قرآن مجید میں عمومی قاعدہ یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد دُعا مانگی جائے اس لئے کہ اَلدّعاء مخ العبادۃ ۔ دعا عبادت کا مغز ہے۔ نمازِ جنازہ بھی ایک نماز ہے تو اس کے بعد دُعا مانگنے میں کیا حرج ہے۔ تفسیر جلالین میں آیت فاذا فرغت فانصب کے ضمن میں لکھا ہے۔ اَتعِب فی الدعاء۔ صلوۃ الکسوف میں تو دُعا کا موزوں وقت نماز کے بعد بیان کیا گیا ہے۔ حدیث رسول ﷺ میں قبولیت دعا کے اوقات کے بارے میں آیا۔ فیُ جَوفِ اللَّیلِ ودُبُرِ الصَّلٰواتِ المَکتُوبَاتِ یعنی رات کے پچھلے حصے میں اور فرض نمازوں کے بعد دُعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

نماز جنازہ کے احکام میں بدائع الصنائع میں تحریر ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعد میں حاضر ہوئے اور نماز جنازہ

پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اَلصَّلٰوۃُ عَلَی الْجَنَازَۃِ لا تُعَادُ وَ لٰکِنْ اُدْعُ لِلْمَیِّتِ وَ اسْتَغْفِرْہُ یعنی نماز دوبارہ نہیں ہوسکتی البتہ میت کے لئے دعا کرو۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اذا صَلَّیْتُمْ عَلَی الْمَیِّتِ فَاَ خْلِصُوا لَہُ الدُّ عاءَ یعنی جب میت پر نمازِ جنازہ پڑھ چکو تو پورے خلوص سے اس کے لئے دعا کرو۔ علامہ سرخسی اپنی کتاب مبسوط میں ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ ایک جنازے پر نماز پڑھنے سے رہ گئے۔ فَلَمَّا حَضَرَا زَادَ عَلَی الْاِسْتِغْفَارِ لَہٗ یعنی جب حاضر ہوئے تو دونوں نے میت کے لئے بہت دعائے مغفرت کی۔

جلیل القدر صحابی عبداللہ بن سلام، خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کے جنازے سے رہ گئے۔ جب پہنچے تو فرمایا: اِنْ سَبَقْتُمُوْنِیْ بِالصَّلٰوۃِ عَلَیْہِ فَلَا تَسْبِقُوْنِیْ بِالدُّعَاءِ لَہٗ یعنی نماز پڑھنے میں تم نے اگر پہل کر لی ہے تو دعا میں مجھ سے پہل نہ کرو بلکہ دعا میں مجھے شریک ہونے دو۔

اصلاحِ امت کیونکر ممکن ہے: تاریخ شاہد ہے کہ اربابِ اقتدار اور اہل علم جب تک عظمتِ الوہیت کے ترجمان اور ناموسِ رسالت کے پاسبان اور صلحاء امت کے منصب کے نگہبان بن کر رہے تب تک پوری امتِ مسلمہ کے دل میں عظمتِ الٰہ بھی جلوہ فرما رہی اور شانِ رسالت کے ساتھ وابستگی بھی۔ شوقِ اطاعت بھی برقرار رہا اور ذوقِ عبادت بھی۔ گونا گوں مشکلات اور کئی ناگوار حالات کے باوجود قوم ارشادِ خداوندی کی تعمیل میں سرگرم عمل بھی رہی اور اپنے نبی ﷺ کی اطاعت کو اپنے دونوں جہان کی زینت کا نقشِ اول بھی سمجھتی رہی اور حرفِ آخر بھی۔ آہِ سحرگاہی اور نالہ نیم شبی کو اس انداز سے اپنایا کہ قوتِ شاہی اور تاجِ سلطانی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہ رکھتی تھی۔

تاج والوں سے بھی اچھے ہیں تیرے در کے گدا
تخت والوں سے بھی اچھے ہیں تیرے خاک نشیں

آج فتنہ پرداز طبقوں کے مفسدانہ نظریات سے بچ کر امتِ مسلمہ کو اسی راستے پر لانے کی ضرورت ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا راستہ ہے اور جس کا عملی نمونہ صحابہ کرام نے حضور رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فیضِ تربیت سے حاصل کیا۔ یہی راستہ اہلِ سنت کا ہے۔ اسکی اصل اور بنیاد اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ ''من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ'' کی تصریح موجود ہے۔ اتباع رسول ﷺ پر قرآن مجید میں متعدد آیات وارد ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ

ما اتا کم الرسول فخذوہ و ما نھا کم عنہ فانتھوا

ترجمہ: جو کچھ اللہ کا رسول تمہیں دیتا ہے اسے لے لو اور جس چیز سے منع کرتا ہے اس سے رُک جاؤ۔

طبرانی کی حدیث ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا!

''مَا تَرَکْتُ مِنْ خَیرٍ الاَّ اَمَرْتُکُمْ بِہٖ وما ترکْتُ مِنْ شرٍّ اَلاَ وَ قدْ نَھَیْتُکُمْ عَنْہ''

ترجمہ: میں نے کوئی بھلائی نہیں چھوڑی کہ جس کا میں نے تمہیں حکم نہ دیا ہو اور کوئی برائی نہیں چھوڑی کہ جس سے تم کو روکا نہ ہو۔

موجودہ دور میں جہاں گروہی، فرقہ وارانہ، لسانی اور رنگ ونسل کے امتیازات نے اسلامی معاشرہ کو بدامنی سے دوچار کر دیا ہے۔ ان تعلیمات کو اجاگر کرنے کی زیادہ ضرورت ہے جن میں اخوتِ اسلامی، تعاونِ باہمی، رواداری اور حسنِ سلوک پر زور دیا گیا ہے۔

آیئے درج ذیل احادیث کے حوالے سے اپنی موجودہ زندگی کا جائزہ لیں اور اچھا اسلامی معاشرہ بنانے میں اخوت ومحبت اور حسنِ سلوک کی روایات پر کاربند ہوں۔

''اِرْحَمُواْ مَنْ فِیْ الاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّماءِ''

ترجمہ: تم زمین پر رہنے والوں پر رحم کرو آسمانوں کا مالک تم پر رحم فرمائے گا۔

''کَانَ اللّٰہُ فِیْ عونِ العَبْدِ مَاکَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْہِ''

ترجمہ: اللہ اس بندے کی مدد فرماتا ہے جو بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔

"اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمَلَةِ وَالْمَسَاکِیْنَ کَالسَّاعِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ "

ترجمہ: بیوہ عورتوں اور مساکین کے لئے کوشش کرنے والا ایسے ہے جیسا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔

"مَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَةً مِنْ کُرُبَاتِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَ اللّٰہُ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ"

ترجمہ: یعنی جس نے مسلمان کی تکلیف کو دور کیا، قیامت کو اللہ تعالیٰ اسکی پریشانی کو دور فرمائے گا اور جس نے کسی مسلمان کی دنیا میں پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکی عیب پوشی فرمائے گا۔

"لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا"

ترجمہ: وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کی عزت نہیں کرتا۔

"لَایُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُحِبُّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ"

ترجمہ: کسی بھی بندے میں کامل ایمان نہیں جب تک اپنے بھائی کیلئے وہ چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

"لَایَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَّا یَأْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ"

ترجمہ: جس کا ہمسایہ اس کی تکلیفوں سے محفوظ نہیں وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ نجات کی راہ یہ ہے کہ عقائد صحیح اور درست ہوں اور عمل حسنِ سلوک سے آراستہ ہو۔

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ

کا

فنِ خطابت

پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق سیالوی

وادیِ سُون سکیسر کے بے تاج بادشاہ، علامۃ العصر، صاحبِ طریقت و شریعت حضرت قبلہ صاحبزادہ عزیز احمد رحمتہ اللہ علیہ ایک باعمل عالمِ دین اور صاحبِ نظر صوفی، سراپا شفقت و محبت اور جاذبِ قلب و نظر شخصیت تھے۔ جو اہلِ سنت کے لئے بالعموم اور اہلِ سُون کے لئے بالخصوص سرمایہءِ گراں تھے۔

حضرت صاحبزادہ صاحبؒ نے درس و تدریس کا آغاز سانگلہ ہل کے ایک مدرسہ سے کیا۔ سیال شریف کی درگاہِ معلیٰ اور آستانہ عالیہ کے قائم کردہ دارالعلوم ضیاءِ شمس الاسلام میں تدریسی خدمات نہایت اخلاص و محبت اور دلجمعی و خوش خلقی سے سرانجام دیں۔ دارالعلوم مذکور میں آپ صدر المدرسین کے طور پر متعین تھے۔ اس دوران دارالعلوم کا تعلیمی معیار نہایت بلند رہا اور اسے ملک کے اطراف و اکناف میں شہرت جاوید حاصل ہوئی۔ خواجگانِ سیال شریف کی نگاہوں میں آپ کی پرخلوص مساعی جمیلہ کو شرفِ قبولیت حاصل ہوا۔ آپ کی یہ خدماتِ جلیلہ دارالعلوم کی تاریخ میں یادگار اور مثالی ہیں۔ اسی وجہ سے حضور شیخ الاسلام والمسلمین خواجہ محمد قمر الدّین علیہ الرحمۃ کی آپ پر خاص نظر تھی۔

جب آپ کے والدِ گرامی حضرت میاں عبدالحمیدؒ، خلیفہ مجاز حضرت ثالث سیالویؒ کا وصال ہوا اور قبلہ صاحبزادہ صاحبؒ آستانہ عالیہ مکان شریف کے سجادہ نشین مقرر ہوئے تو یہاں درس و تدریس کا باقاعدہ سلسلہ شروع فرمایا۔ رشد و ہدایت کے چراغ روشن کئے اور روحانی فیوض و برکات کو عام کیا۔ تبلیغ و تربیت کا ہمہ گیر فریضہ نہایت حکمت و بصیرت سے ادا کیا۔ عظمت و محبتِ مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے لوگوں کے تاریک دلوں کو منور فرمایا اور عقائدِ اہلِ سنت کی ترویج و اشاعت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

مذکورہ مقاصد کی تکمیل کے لئے آپ نے تقاریر و خطبات کا سلسلہ شروع کیا۔ وادیِ سُون سکیسر کے تمام دیہات میں اپنے پُر جوش اور پُر مغز خطبات سے مذہبی بیداری کی لہر دوڑا دی۔ آپ کی تقاریر میں بلا کا اثر تھا۔ زبان میں شیرینی اور حلاوت تھی۔ آپ کی باتیں سامعین کے دلوں میں اتر جاتیں اور لطف و سرور کی کیفیت پیدا کر دیتیں۔ آپ کی

گفتگو میں عقل و استدلال کا زور ہوتا، جس کو رد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ زبان میں سلاست اور روانی تھی۔ بارہا دیکھنے میں آیا کہ سامعین آپ کی تقریر کو نہایت دلجمعی اور شوق و محبت سے سنتے، ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوتے اور وہ کیف و سرور سے سر دھننے لگتے۔ اس اثر انگیزی میں آپ کی جادو اثر شخصیت کا بڑا دخل ہے۔ آپ ایک بے داغ کردار کے سچے اور سچے سجادہ نشین تھے۔ کوئی شخص آپ کی سیرت و کردار پر انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ دردمند دل رکھنے والے مستقل مزاج، بیباک و نڈر، ہمہ جہت، ہمہ پہلو، ہمہ صفت، تمکنت، جوشِ عمل، پیکرِ اخلاص و مروّت، پُر اعتماد و اعتقاد شخصیت کے حامل تھے۔ اس لئے آپ کا ہر قول اور لفظ سامعین کی لوحِ دل پر نقش ہو جاتا تھا۔

تقریر دھیمے انداز میں شروع کرتے، موضوع کو پھیلاتے، دلائل پیش کرتے اور ان کی تفصیل بیان فرماتے۔ نفسِ مضمون کو سمیٹ کر جال میں لاتے، دورانِ تقریر کبھی کبھی مسکراتے اور کڑی در کڑی ملاتے ہوئے بیان کو بڑے احسن طریقے سے اختتام تک پہنچاتے تھے۔ دورانِ تقریر آپ کے دل و دماغ کا رابطہ سامعین کے دل و دماغ سے استوار رہتا۔ مثل مشہور ہے کہ تقریر میں مقرر کا دھڑکتا ہوا دل نظر آنا چاہیے۔ آپ اس راز سے بخوبی آگاہ تھے اور اپنے دل کی بات سننے والوں کے دل میں اتارنا جانتے تھے۔ تقریر کے دوران یہی چیز اسلوبِ بیان کہلاتی ہے۔ فنِ تقریر کے ناقدین کا کہنا ہے کہ تقریر کا مواد اتنا اہم نہیں ہوتا جتنا اسلوبِ بیان۔ لیکن صاحبزادہ صاحبؒ کا اسلوبِ بیان اس قدر فطری اور لہجہ قدرتی ہوتا تھا کہ سامعین فقط تقریر کے مواد پر توجہ کرتے تھے۔

آپ کا خطاب جہاں مواد و اسلوب کے لحاظ سے ایک عمدہ کاوش ہوتا وہاں مناسب و موزوں آہنگ اور ربط و تسلسل کے اعتبار سے بھی قابلِ قدر فنی عظمت کا حامل ہوتا تھا۔ آپ واقعات و مواد کی کڑیاں باہم یوں ملاتے کہ تقریر کا ہر حصہ ایک دوسرے سے مربوط ہو کر مجموعی تاثر میں بے پناہ اضافہ کر دیتا۔ برمحل فارسی اور اردو اشعار کے استعمال سے دلوں کے تار ہلاتے اور مد و جزر کی کیفیت پیدا کر دیتے تھے۔

صاحبزادہ صاحبؒ کی تقاریر و خطبات کے خاص خاص موضوعات و حدانیت

باری تعالیٰ ، رسالتِ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم ، عظمتِ مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم ، عظمت صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اور محبتِ رسول واہلِ بیت تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ کا علمِ غیب ، حاضر و ناظر ، اختیار اور حیات النبی ﷺ کے موضوعات پر بھی آپ کے اکثر خطبات موجود ہیں۔

عبادات میں نماز ، روزہ ، زکوٰۃ ، حج اور قربانی کے مسائل پر سیر حاصل گفتگو فرماتے تھے۔ حقوقِ والدین ، اکرامِ والدین ، باہمی اخوت اور پیار و محبت ، بچوں پر شفقت ، حشر ونشر ، شفاعتِ مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم ، عظمتِ اولیائے کرام اور سیال شریف کے احترام کے موضوعات پر اکثر خطاب فرماتے تھے۔

مختلف موضوعات پر آپ کے خطبات سے چند اقتباسات پیشِ خدمت کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

ربوبیّت اور توحیدِ باری تعالیٰ کے ضمن میں ایک تقریر میں فرمایا ! یومِ میثاق کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا" اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ۔" کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تمام ارواح نے مل کر کہا "بلیٰ" کیوں نہیں تو ہی تو ہمارا رب ہے۔ حضرت سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک روز بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ اللہ رب العزت کے جواب میں آپ نے سب سے پہلے بلیٰ فرمایا تھا۔ سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا: اے ابوبکر! تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں نے بلیٰ سب سے پہلے کہا۔ عرض کی یا رسول اللہ! میں آپ کی دائیں طرف کھڑا تھا اور سُن رہا تھا۔ لہٰذا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید و ربوبیّت کے سب سے پہلے اور بڑے گواہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وجودِ مسعود کی تخلیق کے بارے میں ایک موقع پر تقریر میں فرمایا کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذات حسن و جمال اور لطافت و نزاکت کا مرقع ہے۔ آپ بے مثل و بے مثال ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی تخلیق فرشتوں کو حکم دے کر کی لیکن نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی ہے اَمَّا مُحَمَّداً فَخَلَقْتُہٗ بِیَدَیَّ ٥ رہی بات محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تو

انہیں میں نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا۔ احمد ندیم قاسمی نے کیا خوب کہا ہے ؎

جس بھی فنکار کے شاہکار ہو تم
اس نے صدیوں تمہیں سوچا ہو گا

فرمایا کہ خداوند عالم کے دستِ قدرت سے بنائے ہوئے محبوب سے ابدی محبت کا رشتہ استوار کر لو اور حضور سے لَو لگا لو تو اس کا صلہ یہ ملے گا کہ تمہاری آنکھ کو نبی پاک کی ذات میں کوئی عیب نظر نہیں آئے گا۔ تمہاری زبان حضور کے عیب کے بیان سے قاصر رہے گی اور تمہارے کان حضور کا عیب نہیں سُن سکیں گے۔ پھر تمہاری آنکھوں میں جمالِ مصطفیٰ کے جلوے ہونگے۔ تمہاری زبانوں پر ذکرِ مصطفیٰ کے چرچے ہونگے اور تمہارے کان ذکرِ مصطفیٰ سننے کو ترستے ہوں گے۔ فرمایا کہ حدیث پاک میں ہے۔ حُبُّکَ الشَّیْئَ یُعْمِی وَیُصِمُّ کہ محبت ہی ایسا جوہر ہے جو محبوب کی عیب جوئی سے آنکھوں کو اندھا کر دیتا ہے اور اس کے عیب سننے سے کانوں کو بہرہ کر دیتا ہے۔

صاحبزادہ صاحبؒ کو قدرت نے سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذات سے عقیدت و محبت کا جذبہ وافر عطا فرمایا تھا۔ ان کی شخصیت عشق و محبت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ جہاں ان کی تحریروں کے ایک ایک لفظ سے یہ جذبۂ شوق عیاں ہے وہاں آپ کے خطبات کے ایک ایک جملے سے حرارتِ عشق و محبت مترشح ہے۔ یہ ذوق و شوق آپ کی ذات تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ پُرتاثیر ہونے کی وجہ سے سامعین کے دلوں کو بھی اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ والا صفات سے انکی نسبتِ غلامی و نیاز اس قدر مربوط ہے کہ ان کے نوّے فیصد خطبات کا موضوع سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عظمت و رفعت ہی ہوتا ہے۔

عظمتِ مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ضمن میں زبانِ مصطفیٰ کا ذکر کرتے ہوئے ایک تقریر میں فرمایا کہ زبانِ مصطفیٰ صرف ذی اثر نہیں بلکہ یہ تو حقیقت و ماہیت کو ہی بدل دیتی ہے۔ غزوۂ تبوک میں ایک صحابی کے تلوار مانگنے پر حضور نے کھجور کی لکڑی اٹھا کر فرمایا "کُونِی سَیْفاً" تلوار بن جا۔ چنانچہ وہ لکڑی تلوار بن گئی۔ وہ تلوار کئی جنگوں میں استعمال ہوئی لیکن ٹوٹی

نہیں۔حتیٰ کہ آج بھی مصر کے عجائب خانے میں موجود ہے۔

اسی تقریر میں پھر یوں فرمایا کہ قرآن کیا ہے؟ یہ زبانِ مصطفیٰ ہی ہے۔اس کی دلیل ہے۔ اِنَّہ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍO کہ بے شک وہ عزت والے رسول کا قول ہے۔

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قوتِ سماعت کے متعلق اپنی تقریر میں فرماتے ہیں، مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضور کی مجلس میں صحابہ حاضر ہیں۔اچانک ایک ایسی آواز آئی جیسے بہت بڑی چٹان گری ہو۔عرض کیا گیا کہ یہ کیسی آواز ہے؟ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا! آج سے ستر ہزار سال پہلے اللہ رب العزّت نے ایک پتھر دوزخ میں گرایا تھا، یہ اس کے گرنے کی آواز ہے۔

عظمتِ مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عنوان پر گفتگو کے دوران فرمایا کہ بے شک تمام انبیاء اپنی اپنی جگہ اعلیٰ وارفع مقام رکھتے ہیں اور سب اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں۔لیکن اُن سب سے بلند مقام اللہ رب العزت نے ہمارے پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم کو عطا فرمایا ہے۔اس کی دلیل میں فرمایا کہ باقی تمام انبیاء کو قرآن پاک میں ان کے نام لے کر خطاب فرمایا گیا۔مثلاً یا آدم، یا نوح، یا زکریا، یا یحییٰ، یا عیسیٰ ،لیکن جب ہمارے آقائے کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو مخاطب فرمایا تو ارشاد ہوا۔یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ ، یَا اَیُّھَا الرَّسُول، یَا اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ، یَااَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ، یٰسٓ۔کسی مقام پر یا مُحمد اور یا احمد کے الفاظ سے خطاب نہیں فرمایا۔یہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بلند مرتبہ ومقام کی واضح دلیل ہے۔

نیز کبھی کسی نبی پر کفار کی جانب سے اعتراض ہوا تو اس نبی نے اپنی براُت کا اظہار خود کیا۔جیسا کہ حضرت نوح علیہ السّلام نے انّا لَنَرَاکَ فِی ضَلٰلٍ مُّبِیْن کے جواب میں قوم کو یٰقَوم لَیْسَ بِیْ ضَلَالَۃ'' وَلٰکِنِّیْ رَسُوْ لٌ مِن رَّبِ العَالَمِیْنO فرمایا۔حضرت ہود علیہ السلام نے یٰقَوْ مِ لَیْسَ بِیْ سَفَاھَۃ'' وَلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِن رَّبِ الْعَالَمِیْنَ O فرمایا۔ان حضرات نے کفار کو خود جواب دیئے۔لیکن نرالی شان ہے رحمت مجسم ﷺ کی کہ کافروں نے آپ کو مجنون کہا تو جواب خود خدا نے وَمَا اَنْتَ بِنِعْمَتِہٖ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ O فرما کر دیا۔یعنی اپنے رب کے فضل سے تُو تو مجنون نہیں ہے

۔کافروں نے حضور کو لَسْتَ مُرسَلاً کہا تو جواب رب العالمین نے اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرسَلِیْن سے دیا اور اس کو بھی قرآن کریم سے مؤکّد فرمادیا کہ مجھے قسم ہے قرآنِ حکیم کی کہ تو بے شک رسولوں میں سے ہے۔ کافروں نے حضور کی اولادِ امجاد کے وصال فرما جانے کے بعد حضور کو مقطوع النسل کہا تو رب العزت نے جواباً فرمایا: اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَر (القرآن) یعنی اے محبوب! مقطوع النسل تو تیرا دشمن ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ کافروں کی باتوں کا جواب میرا محبوب دے بلکہ اس فعل کو اپنے ذمہء کرم میں لے لیا۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام تراشی کے موقع پر بھی نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو سکوت اختیار فرمایا، اس کا پس منظر بھی یہی تھا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سیّدہ عائشہ صدیقہؓ کی صداقت و پاکدامنی پر یقین کامل رکھنے کے باوجود ان کی براٗت کا اعلان کیوں فرمائیں، جبکہ ان کے سمیع و بصیر رب نے ان کی صداقت کے چرچے پوری سورۂ نور کے ذریعے قرآن میں کرنا تھے۔

صاحبزادہ صاحبؒ نے اپنی تقاریر میں اختلافی مسائل بھی بڑی شرح وبسط سے بیان فرمائے۔ نجدی عقائد کا رد آپ کا پسندیدہ موضوع تھا۔ صحابہ کرام، مشائخ عظام اور اہلسنت و جماعت کے عقائد بڑے مدلّل انداز میں پیش کرتے تھے۔ جابجا قرآن وحدیث کے حوالہ جات سے اپنے موقف کو موثر اور مدلّل بناتے تھے مختلف فیہ مسائل پر بحث کرتے ہوئے اکابر دیوبند کی کتابوں سے ان کے نظریات کے خلاف دلائل دیتے۔ اسطرح سامعین آپ کے دلائل سے آپ کے موقف کی تائید پر مجبور ہوجاتے تھے۔

اپنے ایک خطاب میں حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حاضر و ناظر کا مسئلہ اس طرح بیان فرمایا کہ آیۂ مبارکہ وَ مَا اَرْسَلْنٰکَ اِلاَّ رَحْمَةً لِلّعَالَمِیْنَ ○ سے ہی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ہمارے احوال پر حاضر و ناظر ہونا بطریقِ احسن ثابت ہوتا ہے۔ اللہ کریم کی ذات رب العالمین ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے رحمۃ للعالمین فرمایا۔ تو معنی یوں ہوئے کہ جس جس جہان کے لئے اللہ رب ہے، اس اس جہان کے لئے

ہمارے آقا رحمت ہیں۔ صحیح قول کے مطابق اٹھارہ ہزار جہان ہیں، اُن تمام کے لئے اللہ رب ہے اور حضور رحمت۔ گویا تمام جہان مرحوم ہیں اور حضور ان کے لئے راحم۔ ضروری امر ہے کہ راحم، مرحوم کے قریب ہو ورنہ رحم کی صفت کا اظہار ممکن نہیں ہوسکتا۔ تو گویا جسطرح رب کا مربوب کے قریب ہونا بدیہی امر ہے، اسی طرح ہمارے کریم آقا ﷺ کا اٹھارہ ہزار جہانوں کے، جو کہ مرحوم ہیں، قریب ہونا لازم ہے۔ لہٰذا اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے قریب ہیں اور جو قریب ہوتا ہے، وہ حاضر بھی ہوتا ہے اور ناظر بھی۔

دوسری دلیل قرآن پاک کی یہ آیہ کریمہ ہے کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بَالْمُومنِیْنَ مِنْ اَنفُسِهِمْ ٥ کہ نبی مومنوں کی جانوں سے بھی ان کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ مفسرین نے اولیٰ کے معنی اَقْرَب (بہت قریب) لئے ہیں۔ تو جب آنحضرت ہماری جان سے بھی زیادہ ہم سے قرب رکھتے ہیں تو بدیں معنیٰ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر و ناظر ہوئے۔ علاوہ ازیں بھی آپ نے متعدد آیات بیّنات کے حوالہ جات کے ذریعے حضور کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کیا۔

دورانِ آذان انگوٹھے چومنے کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بھی۔ اس لئے فتاویٰ شامی میں جو کہ سنیوں اور دیوبندیوں کا متفق علیہ فتاویٰ ہے، تحریر ہے۔ وَیُسْتَحَبُّ اَنْ یُّقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْاُوْلیٰ مِنَ الشَّهَادَةِ اَلصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلَیکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰه وَعِنْدَ الثَّانِیَةِ مِنْهَا قُرَّةُ عَیْنِي بِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. ثُمّ یُقَالُ اللّٰهُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ بَعْدَ وَضْعِ ظُفْرَی الْاِبْهَامَیْنِ عَلَی الْعَیْنَیْنِ فَاِنَّه' صلّی الله علیه وسلّم یَکُوْنُ لَه' قَائِداً اِلَی الْجَنَّةِ ٥ (شامی شریف جلد نمبر 1 صفحہ 270، مطبوعہ مصر)

ترجمہ:۔ جب موذّن پہلی مرتبہ اشهدان محمدا رسول الله کہے تو دونوں انگوٹھوں کو آنکھوں پر رکھتے ہوئے الصلوٰة والسلام علیک یا رسول اللّٰه کہا جائے اور دوسری مرتبہ کہنے پر اسی طرح کرتے ہوئے قُرَّةُ عَیْنِیْ بِکَ یاَ رسول الله کہا جائے تو

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔

ہر اختلافی موضوع کو حوالہء کتب کے ساتھ مرصع کر کے دلنشیں انداز میں ورطہء الفاظ میں لانے کا آپ میں بہت ملکہ تھا۔ آپ جو بیان فرماتے، وہ بطورِ حال سامعین پر وارد ہو جاتا تھا۔ آپ کے خطبات بغور سننے والے لوگ، آپ کے دیئے ہوئے حوالہ جات اور دلائل از بر کر لیا کرتے تھے اور ان میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی کہ وہ ضرورت پڑنے پر ان کو بیان کر سکیں۔ آپ کا اندازِ استدلال منطقی ہوتا تھا۔ اگر کسی موضوع پر گفتگو یا بحث کا موقع آتا تو مدِ مقابل کو چند منطقی قضیّوں میں ایسا لا جواب کرتے کہ اس کے لئے خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا۔

حیات النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے موضوع پر بات کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے آقا صلّی اللہ علیہ وسلّم بجسم عنصری زندہ ہیں۔ جس کی ایک دلیل کلمہ طیبہ ہے۔ **لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** کے معنی ہیں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے رسول ہیں۔ لفظ ''ہیں'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضور زندہ ہیں اور بجسم عنصری گنبدِ خضریٰ کے اندر تشریف فرما ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اب ہمیں کلمہ تبدیل کر کے یوں پڑھنا چاہیے تھا۔ **لا الہ الا اللّٰہ کان محمد رسول اللّٰہ**۔ یعنی محمد اللہ کے رسول تھے۔ جبکہ ایسا ہرگز نہیں پڑھا جا سکتا۔ صفت کا وجود موصوف کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر موصوف ہے تو صفت بھی ہے۔ سورج ہے تو روشنی ہے۔ چاند ہے تو چاندنی ہے۔ اسی طرح رسول ہے تو رسالت بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ رسالتِ عامہ کا تاج پہن کر ہمارا رسالت پناہ پیغمبر زندۂ جاوید ہے۔ حدیث مبارکہ ہے۔ **اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْ کُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ** کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور رزق دیا جاتا ہے۔ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مقام رفیع تو وراءُالوریٰ ہے۔ حضور کی اُمّت کے اولیاء بھی مرتے نہیں ہیں۔ **الاَ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ حَیٌّ لَایَمُوْتُوْنَ بَلْ ھُمْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارِ اٰخر** ٥ کہ خبردار اولیاءاللہ زندہ ہوتے ہیں، مرتے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ تو ایک

گھر سے دوسرے گھر میں فقط منتقل ہوتے ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

عظمتِ صحابہ علیہم الرضوان بھی نہایت عمدہ، مدلل اور دلفریب و دلکش انداز میں بیان فرمایا کرتے۔ ایک موقعہ پر صحابی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ انسانوں اور جنوں میں سے جو صاحبِ ایمان محبت کی نظر سے عالمِ بیداری میں ایک بار سرکارِ دو عالم ﷺ کی زیارت کر لیتا ہے وہ صحابی ہو جاتا ہے۔ صحابی کا مرتبہ و مقام یہ ہے کہ اس کے گھوڑے کے قدموں سے اٹھنے والی گرد کا ایک ذرہ، اولیائے امت کے مرتبوں پر حاوی ہے۔

صحابہ کرام کے باہمی تعلقِ محبت کو یوں بیان فرمایا کہ حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں فرماتے ہیں کہ اہلِ تشیع کی کتابوں میں یہ مرقوم ہے کہ حضرت علیؓ کی صاحبزادی سیّدہ امِ کلثومؓ کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ حضرت زید بن عمرؓ، امِ کلثومؓ کے بطن سے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سسر تھے اور حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کے داماد بنے۔ ایسی قرابت داری کے ہوتے ہوئے ان میں بھلا کیا اختلاف ہو سکتا ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان تعلقِ محبت اور ایک دوسرے کے احترامِ مقام کو بیان کرتے ہوئے ایک تقریر میں فرمایا! حضرت صدیقِ اکبرؓ نے ایک دفعہ حضرت علیؓ کو مبارکباد دی انہوں نے پوچھا! کیسی مبارک دے رہے ہو؟ فرمایا! مبارک یہ ہے کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا کہ جنت میں صرف وہ جا سکے گا جسے جنت میں جانے کی اجازت حضرت علیؓ دیں گے۔ یہ سُن کر حضرت علیؓ نے فرمایا! اے ابوبکرؓ! آپ کو بھی مبارک ہو۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے فرمایا کہ اے علیؓ! جنت میں صرف وہ جا سکے گا جسے جنت میں جانے کی اجازت تم دو گے اور یاد رکھنا صرف اُسے اجازت دینا جو حضرت ابوبکرؓ سے محبت رکھتا ہو۔

دورانِ تقریر آپ دلچسپ نکات بیان فرماتے جو فوراً ذہن نشیں ہو جاتے،

حظ ولذت محسوس ہوتی اور آپ کی وسعتِ مطالعہ کا پتہ چلتا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ چاروں خلفاء راشدین کے ناموں کی ابتداء میں ''ع'' آتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اصل نام ''عبداللہ'' ہے۔ جس کی ابتدا میں حرف ''ع'' ہے۔ حضرت عمرؓ کا پہلا حرف ''ع'' ہے۔ حضرت عثمانؓ کا ''ع'' اور حضرت علیؓ کے نام کا بھی پہلا حرف ''ع'' ہے۔ یہ سب عین ہیں۔ یعنی حق ہیں اور درست ہیں۔ ان سب میں عینیت ہے، کوئی ''غ'' اور ''غیر'' نہیں ہے۔

ترتیبِ خلافت میں خلفائے راشدین کا ذکر کرتے ہوئے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ'' اس سے مراد خلفاء اربعہ راشدہ ہیں۔ یعنی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ انتہائی لطیف اشارے سے خلفائے راشدین کی ترتیب بیان کرتے ہوئے فرمایا! خلفائے راشدین کے ناموں کے آخری حرف کو لیں تو ''قَرْنِیْ'' بنتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا آخری حرف ''ق'' ہے۔ حضرت عمرؓ کا ''ر'' حضرت عثمانؓ کا ''ن'' اور حضرت علیؓ کا ''ی'' تو (ق، ر، ن، ی) قرنی بنتا ہے۔ گویا یہ اشارہ ہے کہ ان حروف میں جو ترتیب ہے، خلافت کے اندر بھی یہی ترتیب ہوگی۔

خلفائے راشدین کی عظمت و بزرگی کی شان میں حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا **اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْم و اَبُوبَکر اَسَاسُھَا وِ عُمَرُ جُدْرانُھَا وَعُثْمَانُ سَقَفُھَا وَعَلِیٌّ بَابُھَاo** میں علم کا شہر ہوں، ابوبکرؓ اس کی بنیاد ہیں، حضرت عمرؓ اس کی دیوار ہیں، حضرت عثمانؓ اس کی چھت اور حضرت علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش ہجویری علیہ الرحمتہ کی کشف المحجوب کے حوالے سے فرمایا!

''ابوبکر ہمچو کعبہ و عمر در طواف او، عثمان آبِ زم زم و علی حجِ اکبر است'' حضرت ابوبکرؓ کعبہ کی طرح ہیں، حضرت عمرؓ ان کے طواف میں ہیں، حضرت عثمانؓ آبِ زم زم اور حضرت علیؓ حجِ اکبر ہیں۔

صاحبزادہ صاحبؒ کے خطبات اکثر و بیشتر ذکرِ صالحین اولیاء کرام سے مزین

ہوتے تھے۔ جن میں ان کی عظمت و رفعت کو محبت بھرے انداز میں بیان کرتے اور ان کے طرزِ زندگی اور سلیقۂ محبت کا ذکر کرتے تھے۔ ایک خطبے میں ارشاد فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ، اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال کا مظہرِ اتم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسان ہے کہ ہماری بھلائی اور بہتری کے لئے ہمیں اپنا جمال، حضور ﷺ کی صورت میں عطا فرما دیا۔ ورنہ اپنا حسن اور جمال کوئی کسی کو نہیں دیتا۔ اپنے موقف کی تائید میں حضرت بابا فرید الدین شکر گنج ؒ کا ایک واقعہ بالتفصیل بیان فرمایا کہ حضرت گنج شکرؒ کی بارگاہ میں حضرت جمال الدین ہانسوی ؒ کا بڑا مقام تھا۔ وہ آپ کو اتنے پیارے تھے کہ جو بھی حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ عرض کرنا چاہتا، ان کی وساطت سے ہی عرض کرتا۔ ایک دفعہ حضرت شمس الدین ترکؒ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے حضرت ہانسویؒ کا مرتبہ و مقام دیکھا تو حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کی کہ میرے تمام مرید آپ لے لیں اور جمال الدین مجھے عطا کر دیں۔ حضرت شیخ گنج شکرؒ نے فرمایا کہ تم قلندر ہو اور میرے معزز مہمان بھی۔ میں تمہیں سب کچھ دے سکتا ہوں لیکن جمال الدین نہیں دے سکتا۔ کیونکہ وہ میرا جمال ہے اور اپنا جمال کسی کو نہیں دیا جا سکتا۔

مقامِ ولایت پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ والا دنیا میں رہے تب بھی ولی ہے اور قبر میں چلا جائے تو بھی ولی ہوتا ہے۔ اس کے اندر کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوا" یعنی موت سے پہلے ہی مر جاؤ۔ اس مرنے سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے احساسات و جذبات، فکر و نظریا جو کچھ بھی سرمایۂ ظاہر و باطن رکھتا ہے، خداوند تعالیٰ کے حوالے کر کے اپنے آپ کو اس کے اتنا قریب کر لے کہ خدا کی شان اس کے اندر جلوہ گر ہو جائے اور وہ دیکھے تو اس کی نظر سے، سنے تو اس کی سماعت سے، پکڑے تو اس کی طاقت سے اور بولے تو اللہ رب العزت کی زبانِ قدرت سے۔

آستانہ عالیہ سیال شریف اور خواجگانِ سیال شریف سے نیاز مندی اور عقیدت تو صاحبزادہ صاحبؒ کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اپنے مرشدِ کریم حضرت خواجہ

محمد قمرالدین سیالویؒ کی مذہب وملت کے لئے مساعیِ جمیلہ کو شاندار نذرانہِ عقیدت پیش کرتے تھے۔ اس کا اظہار آپ کی اس تقریر سے ہوتا ہے جس میں فرمایا کہ جب کشمیر کی آزادی کے لئے مسلمان اپنے خون کا آخری قطرہ بہار ہے تھے تو مولویوں کا ایک گروہ ایسا تھا جو کہہ رہا تھا کہ جہادِ کشمیر میں مرنے والے حرام کی موت مر رہے ہیں۔ لیکن اس کے مقابلے میں ایک مردِ قلندر سیال شریف کی ایک ٹوٹی ہوئی چٹائی سے اٹھا اور یہ آواز بلند کی کہ جہاد کشمیر میں مرنے والے شہید ہیں اور ہم اپنے ملک کی طرف کسی کو میلی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھنے دیں گے۔ یہ ملک محمد علی جناح نے بنایا اور ان کے کندھے کے ساتھ کندھا ملا کر کام کرنے والوں میں سرِ فہرست حضرت شیخ الاسلام محمد قمرالدین سیالویؒ کی ذات گرامی ہے۔ قائداعظم نے یہ اعتراف کیا تھا کہ اگر مشائخ اور پیرانِ عظام میرے ساتھ تعاون نہ کرتے تو پاکستان معرضِ وجود میں نہ آسکتا۔

صاحبزادہ صاحبؒ اپنے خطاب میں عشقِ رسول پر بات کر رہے ہوتے یا مقامِ اولیاء پر، ایک ماہر مقرر کی طرح جب دیکھتے کہ سامعین کے جذبات پوری اُٹھان میں ہیں تو تقریر کے اختتامی حصے میں گفتگو کا رخ موڑ کر اصلاحِ احوال کو موضوع بنا لیتے۔ اسطرح سننے والوں کے اذہان ان پند و نصائح کو فوری قبول کرتے اور وہ ان پر عمل پیرا ہو جاتے تھے۔ ایسے مواقع پر نماز، شرم و حیا، احترام و اکرامِ والدین اور حقوق العباد آپ کے ضمنی موضوعات ہوتے۔ اپنے خیالات کو چند جملوں میں سمیٹتے ہوئے ان فرائض کی ادائیگی کی اس طرح تلقین فرماتے کہ سامعین متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے۔

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ

اپنے خطوط کے آئینے میں

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

وادیِ سُون سکیسر مسلّم طور پر مردم خیز خطہ ہے۔ اس سرزمین سے کئی ایک اہلِ علم، اصحابِ طریقت اور اصحابِ سیف و قلم اٹھے اور جبینِ تاریخ پر اپنے انمٹ نقوش ثبت کر گئے۔ اس خطے کے خوبصورت جغرافیہ کی طرح اس کی تاریخ بھی بڑی دلچسپ ہے اور اہلِ علم و قلم کو دعوت دیتی ہے۔ عصرِ حاضر کے اہلِ علم و کمال اور اصحابِ طریقت میں مکان شریف کفری کا خانوادۂ عزیزیہ (جو حضرت میاں عبدالعزیزؒ والد گرامی حضرت میاں عبدالحمیدؒ سے شروع ہوا اور جناب صاحبزادہ عزیز احمدؒ کی ذات اور آگے بڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس لیے میں اسے خانوادۂ عزیزیہ کہنے کی جسارت کر رہا ہوں) کا بلند مقام ہے جو تصوف و طریقت میں حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ سے نسبت و خلافت کا شرف رکھتا ہے۔

میں حصولِ علم اور بسلسلہِ ملازمت اکثر و بیشتر وقت لاہور میں مقیم رہا ہوں اور وطنِ مالوف کی وقتاً فوقتاً زیارت پر ہی اکتفا رہا ہے۔ دوسرے میں بحکم عادت خاموشی و خلوت میں راغب رہا ہوں۔ اس لیے وادیِ سُون سکیسر کے اکابر سے تعلقات گاہے بگاہے ملاقاتوں تک ہی محدود رہے ہیں۔ ورنہ مجھے حضرت میاں عبدالحمیدؒ کو دیکھنے کا شرف بھی حاصل ہوا ہے اور صاحبزادہ عزیز احمدؒ کو بھی بہت قریب سے دیکھا ہے مگر تعارف یا قریبی روابط کی نوبت نہیں آئی۔ تاہم زبانِ خلق نقارۂ خدا مسلّم ہے اس لیے صاحبزادہ عزیز احمدؒ اور ان کے والدِ گرامی کے متعلق اہلِ علاقہ کی زبان سے ہمیشہ کلمۂ خیر ہی سننے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ان کے عقیدت منداور مریدین تو ان کی شان میں ہمیشہ رطب اللّسان نظر آتے ہیں۔

صاحبزادہ عزیز احمدؒ ایک عالمِ باعمل اور صوفی صافی کی شہرت رکھتے ہیں۔ طالبانِ علم اور درویشوں کی خدمت اور زیورِ علم سے آراستگی اس خانوادے کی قابلِ فخر روایت اور میراث ہے، جو ہم سب اہلِ وادیِ سُون سکیسر کے لئے خوشی و مسرت اور فخر و مباہات کا سرمایہ ہے۔ فقر و قناعت کی زندگی ان بزرگوں کی اوّلین ترجیح رہی ہے۔ اس

علاقے کے علمی خانوادوں کی جب تاریخ مرتب ہوگی تو خانوادۂ عزیزیہ کی خدمات اور مرتبہ سب پہ فائق ہوگا۔ ایسے لوگوں کا وجود اہلِ علاقہ کے لیے سرچشمۂ راحت وسکون اور ان کی یادیں باعثِ مسرت وافتخار ہیں۔

وہ جو کہتے ہیں کہ ''المکتوب نصف الملاقاۃ'' تو صاحبزادہ عزیز احمدؒ کے متعدد خطوط پڑھنے اور ان سے استفادہ کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے اور میں نے صاحبزادہ صاحبؒ سے ان کے خطوط کے ذریعے ہی سہی ہمکلام ہونے کا شرف حاصل کر لیا ہے۔ میں جناب صاحبزادہ مسعود احمد صاحب کا بے حد احسان مند اور شکر گزار ہوں کہ انہوں نے حضرت صاحبزادہ عزیز احمد مرحوم ومغفور کے متعدد خطوط عزیزم حافظ محمود الحسن صاحب کے توسط سے مجھے بھجوائے اور میں نے انہیں غور سے پڑھا۔ یہ درست ہے کہ ''یعرف الرجل باسلوبہ'' آدمی اپنے اسلوب سے بھی پہچانا جاتا ہے۔ اور انگریزی والے کہتے ہیں کہ ''The man is the style'' آدمی اسلوب کا نام ہے۔ اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے جب میں نے صاحبزادہ صاحبؒ کے تیس سے زائد خطوط کو بغور پڑھا تو ان کی شخصیت کے ساتھ ان کا ذوق بھی عیاں ہو گیا۔ ان خطوط کا مجموعی تاثر یہ ہے کہ ان کا لکھنے والا، عالی النسب ہے مگر مجسم تواضع وانکسار بھی ہے۔ صاف گو بھی ہے مگر حق بات کہنے میں راحت بھی محسوس کرتا ہے۔ صاحبِ علم بھی ہے لیکن معرفت بھی ہمیشہ اس کی قرینِ سفر رہی ہے۔ شفقت ومہربانی تو ہے ہی مگر اپنوں کی خبر گیری اور خیر خواہی تو اس کی شخصیت کا لازمہ ہے۔

نہایت جچے تلے جملے، اختصار اور جامعیت کا رنگ لئے ہوئے مگر آسان اس قدر کہ قاری اور سامع بلا مشقت لطف اندوز بھی ہوتا ہے اور فہم وادارک بھی پورا میسر آتا ہے۔ آیاتِ بیّنات، احادیثِ حکمت اور مثل وشعر بھی حسبِ موقع جا بجا ملتے ہیں اور اصحابِ ذوق کی تسکین کا سامان کرتے ہیں۔ صاحبزادہ صاحبؒ کے یہ خطوط اصحابِ تصوف وطریقت کی اس صنفِ ادب میں شمولیت کا حق رکھتے ہیں جنہیں ملفوظات کہتے ہیں۔ اس حیثیت سے یہ تمام خطوط مرتب ہو کر اشاعت کا تقاضا کرتے ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہیے۔

خطوط کے ذریعے اعزّہ واقارب اور متوسلین کو تسلی دینے، حوصلہ بڑھانے اور مطمئن کرنے کے باب میں عربی، فارسی اور اردو میں بلکہ انگریزی میں بھی متعدد اہل قلم کے خطوط نظر سے گزرے ہیں۔ لیکن تسلی، اطمینان اور حوصلے کی جو دولت صاحبزادہ صاحبؒ کے اس خط سے میسر آئی ہے، اس کا تو جواب ہی نہیں۔ یہ خط جس غمزدہ خوش نصیب کے حصے میں آیا ہوگا مجھے یقین ہے کہ اسے پڑھنے کے بعد اس کے دل و دماغ کا بوجھ ہلکا اور تمام پریشانیاں کافور ہوگئی ہونگی۔ حضرت اپنے ایک متوسل (صاحب خان) کے نام لکھتے ہیں۔

مخلص محترم محبی فی اللہ و مخلصی للہ صاحب خان صاحب زید قدرہم

سلام مسنون۔ مزاج ہمایوں، خیریت و عافیت، دعوات

بندہ نے روانگی کے روز آپ کو بے حد پریشان دیکھا، پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ گھر کا بھی خدا حافظ ہے اور آپ کا بھی، پریشان نہ رہا کریں۔ خوش رہا کریں اور خوش رکھا کریں۔ اللہ کریم والدہ صاحبہ کو بھی صحت دے اور ہمشیرہ صاحبہ کو بھی صحت دے۔ بچوں کو وہ اپنی امان میں رکھے۔ اور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

غم اور صدمے کے مقابلے میں گھٹنے ٹیک دینا کوئی مردانگی اور خوبی نہیں، حوصلہ اور تحمل بڑی چیز ہے۔ خدا کریم اپنے نبی کریم ﷺ کے طفیل آپ کا حامی و ناصر ہو۔ گھر میں دعائیں۔ بچوں کو سلام

والسلام

عزیز احمد

بعض لکھنے والوں کے پاس الفاظ بہت ہوتے ہیں مگر فکر و معنی کی کمی ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ اس کمی کو الفاظ کی فضول خرچی سے پورا کرتے ہیں۔ یہ بات اصولِ بلاغت کے خلاف ہے۔ اقتصادِ لفظی یا Economy of Words کو علم البلاغت اور آج کی ادبی تنقید میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ روش وقت، جگہ اور لکھنے اور پڑھنے والوں کا وقت اور توانائی بھی بچاتی ہے۔ صاحبزادہ صاحبؒ کے ان خطوط کا ایک نمایاں امتیاز اقتصادِ لفظی بھی ہے۔

ان کا ایک خط ہے جو وحدت الوجود کے حوالے سے کسی بزرگ صوفی کے نام ہے۔صاحبزادہ صاحبؒ نے مختصر ترین انداز میں یہ الجھا ہوا مسئلہ سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ مگر صوفی موصوف کو ایسی الجھنوں سے اجتناب کی تلقین بھی فرمائی ہے۔ اس خط میں ایک جملہ ہے جو توجہ کا طالب ہے اور اقتصادِ لفظی کی مثال ہے۔''وحدتِ شہود اور وجود اکابرین کا نظریہ ہے'' لکھنے والے نے ''وحدت'' کا لفظ دہرانے کو بھی اقتصادِ لفظی کے خلاف تصور کیا ہے۔اگر کوئی اور ہوتا (اور شاید میں خود بھی) تو وحدتِ شہود اور وحدتِ وجود لکھتا۔

صاحبزادہ صاحبؒ کا یہ عالمانہ و متکلمانہ خط پڑھنے کے قابل ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

باسم اللہ

گرامی مرتبت قبلہ صوفی صاحب زادہم اللہ شرفا

تسلیمات وتکریمات، خیریت وعافیت، آپ کا مراسلہ گرامی ملا

(1) مقامِ مصطفیٰ علیہ السلام اپنے مکان پر حقیقتِ مسلمہ ہے۔جس کے دلائل ہیں۔ لیکن حدیث کی روشنی میں جو بیان میری طرف منسوب ہوا وہ بیان نہ میرا ہے اور مذکورہ حدیث نہ میرے مطالعہ میں گزری اور نہ مضمون مذکورہ عظمتِ رسالت کے مقابلہ میں کچھ وزن رکھتا ہے۔

(2) وحدتِ شہود اور وجود اکابرین کا نظریہ ہے۔ یہ مسئلہ قال و گفتگو سے حل ہونے کے قریب چلا جاتا ہے۔لیکن مذکورۃ الصدر مسائل گفتگو سے حل نہیں ہوتے۔ بلکہ اور مشکل ہو جاتے ہیں۔ ہاں یہی مسائل اگر حال بن کر قلب پہ وارد ہوں تو حقیقت آشکارا ہوتی ہے۔میرا اپنا نظریہ وحدتِ وجود ہے میں نے اسکو حل کرنے کی کوشش کبھی نہیں کی۔ بلکہ دعا کیا کرتا ہوں کہ مولائے کریم اس حقیقت سے مجھ کو آشنا فرمائے۔آپ بھی ان مسائل میں نہ الجھیں بلکہ آشنائے حقیقت سے آگاہ ہونے کے لیے اکابرین سے استمداد کی کوشش کریں کہ دعا و توجہ سے اس نعمت سے نوازے۔

والسلام

آپ کا عزیز احمد

اصحابِ طریقت بڑے دریا دل لوگ ہوتے ہیں۔ وہ فرقہ پرستی پر تین حرف بھیجنے کے قائل ہوتے ہیں۔ اگر ہمارے اصحابِ طریقت اپنے اسلاف کے اسی مسلک کو اپنائے رکھیں تو اس میں امت کی نجات ہے۔ صاحبزادہ صاحبؒ بھی اسی دریا دلی والے صوفیانہ مسلک کے قائل و عامل نظر آتے ہیں۔ کسی شریر نے ایک بزرگ مولوی محمد بخش صاحب کے خلاف شکایت لکھی اور وہ حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کی طرف منسوب کر دی، انہیں اس سے بہت رنج پہنچا چنانچہ تردید کرتے ہوئے تاکیداً لکھا۔

مخلص برادر جناب خواجہ اقبال صاحب

ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول نوشہرہ

تسلیمات، خیریت و عافیت

یہ سن کر کہ مولوی محمد بخش کے خلاف درخواست آپ کے سٹاف نے میری طرف منسوب کی ہے مجھ کو بے حد دکھ ہوا۔ میں اپنے مسلک کے خلاف کسی بھی فرقے کے آدمی کو اپنے مقام پر دیکھنا چاہتا ہوں۔ درخواست وغیرہ بزدلانہ حرکت ہے جو کبھی بھی کسی کے لئے میرے خیال میں بھی نہیں آسکتی ہے۔ اپنے سٹاف کو جمع فرما کر اخلاقی اقدار کے تحفظ کی تلقین فرمائیں۔

والسلام

عزیز احمد

(نوٹ): مولوی محمد بخش صاحب علمائے دیوبند سے ہیں۔ سکول ماسٹر بھی ہیں۔ کفری شہر کے رہنے والے ہیں۔ مسلک دیوبند کی ترویج میں خاصے متحرک ہیں۔ ان کے خلاف کسی نے ڈی ای او خوشاب کو درخواست دی جو صاحبزادہ صاحبؒ کے نام منسوب کر دی گئی۔ آپ نے اس کی صحت سے انکار کرتے ہوئے وضاحت کی ہے اور اپنے مخالفین کے خلاف درخواست بازی کو بزدلانہ حرکت قرار دیا ہے۔

''الصلح خیر''، حکمِ اسلام ہے۔ صاحبزادہ صاحبؒ مصالحانہ مساعی میں بھی امت کی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ اس پر ان کا یہ مکتوبِ گرامی شاہدِ عادل ہے۔

باسمہ تعالیٰ

محترم جناب ملک فیض عالم صاحب زید قدرہ

تسلیمات وتکریمات، خیریت وعافیت

آپ کے شہر انگہ شریف میں متنازعہ متوقع جلسہ کے سلسلہ میں کل غوث محمد صاحب، غلام نبی صاحب، محمد حیات صاحب تشریف لائے، انہوں نے میرے ساتھ اصلاح حال کے معاملہ میں گفتگو کرتے ہوئے اس بات پر اتفاق سے کہا کہ اب مقررہ جلسہ ایک بار مشرقی مسجد ملتوی کرنے کے لیے ملک محمد حیات صاحب غازی کو کہا جائے۔ اس کے بعد ہم خود ان کے ساتھ ہو کر اسی مسجد میں جب وہ چاہیں گے جلسہ کرانے کے حق میں ہوں گے۔ چونکہ مکان شریف پر آ کر مجھ کو دخل دینے کے لئے کہا ہے اور ان کے وعدہ پہ اعتبار کر چکا ہوں اس لئے غازی صاحب کو سفارش کر کے اس بات پر آمادہ کرلیا ہے کہ جلسہ کسی مسجد میں نہ کریں بلکہ ملک صاحب کے دارے پر کرلیں اور پھر غوث محمد صاحب سے مل کر اسی مشرقی مسجد میں کر لینا۔ اسی لئے عریضہ لکھ رہا ہوں واپسی جواب محمد عزیز صاحب کو مرحمت فرمائیں۔ مجھ کو مذہبی طور پر جلسہ سے ہمدردی ہے اور فضا کے صاف ہونے کے ساتھ انس۔ امید ہے کہ آپ دونوں فریقوں کے ساتھ میرے فیصلہ کے ساتھ تعاون فرمائیں گے۔

عزیز احمد

خطوط نویسی اور پیغام رسانی میں ''اعتذار'' ایک فن کی حیثیت رکھتا ہے اور حسنِ اعتذار اہلِ ادب وفن کے ہاں فصاحت و بلاغت کے اصول ومبادی میں شمار ہوتا ہے۔ صاحبزادہ صاحبؒ کا یہ مختصر خط حسنِ اعتذار کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔

عزیزی برادر ابرار صاحب

تسلیم وتکریم، دعواتِ صالحہ، خیریت وعافیت۔

قبلہ والد صاحب کے بعد آپ اداسی محسوس کرتے ہونگے۔ خداوند کریم ان کو جنت میں مقامِ اعلیٰ سے سرفراز فرمائے۔ انہی دنوں میں تار بھیجا مل گیا ہوگا۔ ایصالِ ثواب

کے لیے چند بار ختم شریف کرایا فاتحہ تو ہر روز پڑھتا ہوں۔حق تو یہ تھا کہ آپ کے پاس خود حاضری دیتا۔مزار کے سرہانے بھی حاضری دیتا۔مگر یہاں کی مصروفیت طویل سفر سے مانع ہے۔دعاؤں اور یادوں میں آپ میرے قریب ہیں اور قریب رہیں گے۔خدا کریم آپ کو جملہ اہلِ خانہ سمیت اپنی پناہ میں رکھے آمین۔بجاہ طہٰ ویٰس

دعا گو عزیز احمد

خطوط نگاری اور مراسلت کے باب میں اختصار و اجمال اگر حسبِ موقع اور حسبِ مقتضٰی ہو تو فصاحت کے اعلیٰ نمونوں میں شمار ہوتا ہے۔عربی خط نویسی میں ایک مختصر خط تو قرآن کریم کی سورہ نمل میں ہے۔جو مکتوبِ سلیمانی کہلاتا ہے۔مگر درحقیقت یہ اعجاز قرآنی ہے۔خط کے الفاظ ہیں۔" **الا تعلوا علی و اتونی مسلمین** "مگر یہ خط کلامِ ربی ہے جو اختصار کے ساتھ جامعیت بھی رکھتا ہے اور فکر و معنی کا بحرِ بیکراں ہے۔مگر ایک خط ادب کی کتابوں میں ملتا ہے جو عباسی خلیفہ کے ایک جرنیل نے ''ماکان'' نامی باغی کی سرکوبی کے بعد اپنے خلیفہ کے لئے اختصار سے کام لیتے ہوئے جلدی میں لکھوایا کہ ''اما ماکان فصار کاسمہ'' ماکان تو اپنے نام کی طرح ہو گیا۔یعنی نابود ہو گیا کیونکہ ماکان کے لفظی معنی بھی '' تھا ہی نہیں '' ہیں تو یہ عربی زبان کا مختصر ترین خط ہے۔

حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کے دو خط سامنے آتے ہیں جو اختصار کا نمونہ ہیں اور اپنے لکھنے والے کی قادر الکلامی اور بلاغت کی شہادت دیتے ہیں۔اس میں سے ایک خط مختصر ہوتے ہوئے ان کے ادبی ذوق پر بھی گواہ ہے۔

جناب چچا صاحب، قمر برادر و برادران

تسلیمات۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خدا کریم معصوم مرحوم کو ہم سب کیلئے ذریعہ نجات بنائے اور وہ اس جہاں میں ذخیرۂ حسنات بنے۔

والسلام

عزیز احمد۔مکان شریف کفری

باسمہ تعالیٰ

محبّ محترم زادہم اللہ شرفا

تسلیمات وتکریمات، خیریت وعافیت

آج بادل ہے، بارش ہے، فضا میں نکھار اور ہرسو بہار ہے۔

تم بھی آؤ ورنہ کلیوں کا چٹکنا باغ میں
میرے دل کے ٹوٹ جانیکی صدا ہو جائیگا

والسلام

عزیز احمد۔ مکان شریف

☆☆☆

مکتوب شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدّین سیالویؒ

بنام

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ

بہ زبانِ عربی

باسمه سبحانه عمّ امتنانه

حضرة الفاضل المحترم عزیزاحمد الافخم سلم اللّٰه الاحد الصمد الاکرم

السلام علیکم ورحمة اللّٰه وبرکاته' و بعد فان سکان بلدة سرجودا ارادوا انعقاد الحفلة لتائید الاسلام. کماانهم ارادوا شرکة حضرة الفضیلة فیها فالتمس بجنابکم ان لا تخیبوهم ولا تخزوهم فی نیل مرامهم.

والسلام و دمتم بالخیر

خادمکم قمرالدّین السیالوی غفرله

ترجمہ مکتوب عربی
حضور شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدّین رحمۃ اللہ علیہ

حضرت فاضلِ محترم عزیز احمد صاحب

اللہ تعالیٰ جو احد، صمد اور اکرم ہے، آپ کو اپنی امان میں رکھے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

جناب شہرِ فلاں کے باشندے چاہتے ہیں کہ اسلام کی تائید کے لئے جلسہ منعقد کریں۔ اور وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ اس میں جناب صاحبِ فضیلت بھی شرکت فرمائیں۔

میں جناب سے ملتمس ہوں کہ آپ انہیں مایوس نہ کریں اور ان کے مقصد کی تکمیل میں ساتھ دیں۔

والسلام

آپ ہمیشہ خیریت سے رہیں

آپ کا خادم

قمر الدّین سیالوی غفرلہ

مکتوب امیرِ شریعت حضرت خواجہ محمد حمید الدین سیالوی مدظلہم العالی

بنام

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از سرگودھا

۱۳/۱/۱۴۰۱ھ

نحمده ونصلى على رسوله الكريم

بخدمت اقدس عالی مرتبت حضرت مولانا عزیز احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف

عرض ہے کہ بندہ آپ کیلئے دعا کرتا ہے، خداوندکریم آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ آمین۔ تونسہ شریف کی حاضری سے قبل آپ کا نوازشنامہ موصول ہوا۔ آپ کی تکلیف کے متعلق پڑھ کر بے حد تکلیف ہوئی۔ خداوندکریم آپ کو ہمیشہ سلامت رکھے۔ آمین۔

فقیر انشاء اللہ کسی وقت حاضر خدمت ہو کر نیاز حاصل کرے گا۔ آپ میاں صاحب قبلہ کے مزار پاک پر ناچیز کی صحت کاملہ کیلئے دعائے خیر فرمائیں۔ آپ کی عین نوازش ہوگی۔

منشی عبدالحق صاحب کی خدمت میں سلام پہنچا دیں۔

فقط

والسلام

دعاگو

حمید الدین ابوضیاء قمری

مکتوب حضرت خواجہ غلام فخر الدین سیالویؒ

بنام

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ

از مدینہ منورہ

15-7-1981

مکرمی وعزیزی مولانا عزیز احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف! پروگرام تھا کہ رمضان المبارک آپ کے پاس گزاریں گے۔ مگر پتہ نہیں کیسے تیاری ہوئی اور کس طرح یہاں مدینہ منورہ پہنچے۔ بہرکیف ایسے کریم کے در پر حاضر ہیں جہاں سے کوئی گدا خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹا۔ الحمدالله علی ذالک۔

کل خواب میں دیکھا کہ آپ کرتہ اتار کر لیٹے ہوئے ہیں اور میں آپ کے پیٹ اور سینہ پر تکیہ لگا کر بیٹھا ہوں۔ خیال تھا کہ کسی دوست کو خط نہیں لکھوں گا، مگر آپ جب خواب میں ہی نہیں چھوڑتے تو میں کیسے آپ کو خط نہ لکھتا۔ اب ظہر کے وقت حاضری میں انشاء اللہ اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں آپ کی طرف سے صلوٰۃ وسلام و استدعا عرض کروں گا۔ عید تک یہاں رہنے کا خیال ہے۔ اس کے بعد انشاء اللہ واپس گھر آ جاؤں گا۔ جدہ میں آپ کے زرگر غلام حسین کے پاس ایک دن ٹھہرے تھے۔ بڑے اخلاق سے وہ لوگ پیش آئے۔ خدا ان کو خوش رکھے۔ آمین۔ منشی عبدالحق صاحب کو سلام مسنون۔

میرا پتہ یہ ہے۔
غلام فخر الدین سیالویؒ
ص۔ب ۱۹۸۱
مدینہ منورہ۔ سعودی عرب

والسلام
دعاگو
غلام فخر الدین سیالوی

بخدمت

امیر شریعت نائب شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد حمید الدین سیالوی مدظلہم العالی

۷۸۶

۷۹۲

۳۱۳

سیّدی و سندی مولائی و ملجائی زادهم الله شرفاً و فضلاً

سلام مسنون و نیاز۔ خیریت آں والا ذات مع خاندان اعلیٰ صفات مسموع باد

اس کمینہ خانہ زاد کو کیا یارا کہ دار العلوم کے معاملات میں مداخلت کرے۔ چونکہ قبلہ والد صاحب علیہ الرحمۃ نے مدرس محمد عزیز صاحب کی سرپرستی اور تربیت کے لئے وصیت فرمائی تھی اور اس کا اظہار حضور رضی اللہ عنہ کے حضور بھی کیا تھا۔ جس پر حضور رضی اللہ عنہ نے تائید اور تاکید فرمائی۔ اس لئے جرات عرض کا مرتکب ہوں۔

حضور والا جاہ! ہیڈ ماسٹر یعقوب ناراض ہو کر چلا گیا، موجودہ ہیڈ ماسٹر صاحب ہیڈ مقرر ہو گئے۔ بندہ نے دار العلوم کے مفاد کے لئے کوشش کر کے چوہدری صاحب کو دوبارہ دار العلوم کی خدمت کے لئے آمادہ کر لیا۔ موجودہ ہیڈ ماسٹر صاحب کے دل میں رنج پیدا ہو گیا۔ مولوی عبداللہ صاحب مرحوم فوت ہوئے، پورا دار العلوم فاتحہ خوانی کے لئے گیا۔ بندہ نے تجویز پیش کی کہ درس نظامی اور سکول کے چھوٹے بچے نہ جائیں۔ جس پر ہیڈ ماسٹر یعقوب نے مجھ کو بہت کچھ کہا۔ بولنا اور سلام وغیرہ ترک کر دیا اور آج تک نہیں بولے۔ حتیٰ کہ قبلہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر نہ جنازہ میں شامل ہوئے اور نہ فاتحہ پڑھی اور نہ اظہارِ افسوس کیا۔ جبکہ آستانِ اقدس کے علاوہ پورا دار العلوم میری دلجوئی کے لئے مجھ پر احسان کرتا رہا۔ میرا کوئی قصور نہیں تھا اور نہ ان کے حق میں کوئی گستاخی کا لفظ کہا۔ چونکہ عزیز صاحب میرے عزیز تھے اس لئے موجودہ ہیڈ ماسٹر صاحب ہمیشہ سے ان کو تختۂ مشق بنا

رہے ہیں۔عزیز صاحب نے تنگ آکر اجازت مانگنے کی تیاری بھی کی۔مگر دارالعلوم کی بہتری کے لیے اُن کے ہر ارادے کو میں نے سختی سے مسترد کیا۔اور ان کو تنبیہ کی کہ بلا وجہ بھی اگر دارالعلوم کا کوئی استاد ناراض ہو، ہیڈ ماسٹر ہو یا کوئی اور مدرس تو معافی مانگ لیا کرو۔اس کمینہ راقم نے بھی کئی بار بھری اسمبلی میں استادوں سے معافی مانگی ہے۔چنانچہ عزیز صاحب ہمیشہ حالات کے مطابق معمولی ناراضگی پر بھی معافی مانگتے آئے ہیں۔اِن دنوں کسی طالب علم نے اُن کو کسی استاد کی شکایت کی۔انہوں نے اصولی طور پر ہیڈ ماسٹر صاحب کو اطلاع دی۔چونکہ ہیڈ ماسٹر اور دوسرا ماسٹر دوست بنے ہوئے ہیں اس لئے اُن کو سازشی بنا کر دفتر سے فارغ کر دیا ہے۔

میں یہ جرات نہیں کر سکتا کہ سفارش پیش کروں۔آپ ہی مالک ہیں۔البتہ یہ عرض کرنے کی اجازت لوں گا کہ میری سرپرستی میں کام کرنے والوں میں سے اُن سے بڑھ کر پاکباز اور وفا شعار آج تک نہیں دیکھا (قسماً باالاسماءِ الحسنٰی)۔اس لئے اگر حضور نے ان کو اجازت دے دی تو کفری رہنے کے لیے ان کو حکم فرمائیں تا کہ بندہ دینی اور تعلیمی کام لے سکے۔

والسلام

کمینۂ بارگاہ

عزیز احمد بقلم خود

بخدمت

حضرت والاشان صاجزادہ محمد ضیاء الحق صاحب زید مجدہم آستانہ عالیہ سیال شریف

سیّدی وسندی قبلہ صاجزادہ صاحب زید مجدہم

تسلیمات وتکریمات۔خیریت وعافیت

گرامی نامہ باصرہ نواز ہوا۔سگ نوازی پر سراپا سپاس ہوں۔

شرح مائتہ اور شرح جامی دونوں یہاں ہیں۔مگر عربی شرح اور حاشیہ بھی عربی ہے۔حضور نے اردو والی فرمائی ہے۔میں لاہور جاؤں گا۔وہاں سے حضور کے حکم کے مطابق اردو کی شرح والی دونوں کتابیں مہیا کر کے پیش کروں گا۔

نیز یہاں کفری میں میرے پاس جو کچھ بھی ہے۔وہ آپ ہی کا ہے۔میں تو چوکیدار ہوں۔خود کرم فرمائیں تو زہے نصیب۔بصورتِ دیگر پسند کی کتابیں اپنے کسی معتمد کو روانہ فرمائیں کہ اس کو پیش کردوں۔

مولا کریم حضور غوثِ اعظم پیر سیال رضی اللہ عنہ کے صدقے میں آپ کو جملہ کامیابیوں سے سرفراز فرمائے۔میری زندگی، میرا ایمان، میری قسمت، میرے دو جہاں کا بخت حضور کے لئے دُعا کرتا ہے۔

والسلام

آپ کا اپنا سگِ در

عزیز احمد

بنام

مولانا قاری غلام احمد صاحب، مفتی وخطیب آستانہ عالیہ سیال شریف

۷۸۶

۷۹۲

۳۱۳

برادرِ مکرّم قبلہ قاری صاحب زادہم اللہ شرفا

تسلیمات وتکریمات۔

آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کی دعاؤں کا کتنا حقدار ہوں۔ فی سبیل اللہ حضور قبلہ عالم وعالمیاں کے آستان عرش نشاں پر دعا میں یاد فرمایا کریں۔

گھر میں دُعائیں۔ منشی صاحب کے حضور نیاز

والسلام

آپ کا

عزیز احمد

بنام

غفور احمد صاحب چشتی گولڑوی۔ لاہور

مخلصی و محبی برادرِ مکرم زید شرفہم

تسلیمات و تکریمات۔ خیریت و عافیت

آپ سے تعلقات کی بنیاد وہ ربطِ مشترک ہے جس کی وضاحت محتاجِ تحریر نہیں۔ بندہ ایک خدا مست درویش کا (جس کی زندگی کا آخری سانس بھی حضور پیر سیال کی ذات سے بالذات و دیگر بزرگانِ دین سے بالعرض وابستہ تھا) رگوں میں خون رکھتا ہے۔ کبھی انہی حضرات کی قلبی توجہ سے دل میں وہی کچھ آ پہنچتا ہے جو سراسر حقیقت یا حقیقت کے قریب ہوتا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کیا سمجھیں گے۔ لیکن آپ سے کہنا میرا حق ہے۔ کہ کسی سلسلہ میں انسلاک فیوض و برکات کے حصول کے لئے ہوتا ہے۔ جانبداری ایک موذی مرض ہے۔ مجھ میں ہو یا آپ میں۔ نجات و فلاح، ترقی اور صعود اپنے شیخ اور شیخ المشائخ سے علی الوجہ الاتم ضروری ہے۔ اس امر کے خلاف میں کہوں یا کسی خانقاہ کا کوئی بزرگ زادہ وہ غلط اور ضلالت ہے۔ لانفرق بین احدٍ من رُسله ٥ میں اسی کی طرف ایما ہے۔ آپ کا بھلا اسی میں ہے کہ آپ وہی طریقہ اختیار کریں کہ جس کی راہنمائی کئی مجلسوں میں کی گئی۔ میں دور بیٹھا کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن خدا نہ کرے کہ نابینا بنوں۔ گزشتہ خط میں آپ کی تحریر میں کچھ بیگانگی بھی محسوس کی۔ لیکن مجھ کو یہ دیکھنا ہے کہ مجھ کو کیسے ہونا چاہیے۔ آپ کو کیا ہونا چاہیے وہ آپ جانیں۔

لیکن آپ کے حال و انجام سے بیگانگی میرے ضمیر کے خلاف ہے۔ میں خواجہ معظم الدین مرولوی نہیں بن سکتا اور آپ حضرت مہر علی شاہ گولڑوی نہیں ہو سکتے۔ اس راستہ میں سوائے نیاز اور خلوص کے آسرے کے کوئی اور آسرا نہیں۔ سنبھلیں اور پردۂ غیب کی

آواز سنیں ورنہ تارِ حیات شکستہ اور سلسلہء سلوک پارہ پارہ ہو جائے گا۔ اکابرین کی یاد میں اگر جلسے ہوئے تو پوری جراتِ رندانہ کا مظاہرہ ہو اور کسی منصب کو لئے بغیر صفِ اوّل میں آپ کا شمار دیکھنا چاہتا ہوں۔

اس راہنمائی کے لئے یہ میری آخری تحریر ہے۔

والسلام

آپ کا

عزیز احمد

بنام

ماسٹر محمد گلزار عزیزی صاحب نوشہرہ

باسمہ العزیز

عزیزی و مخلصی برادر محمد گلزار صاحب
تسلیمات۔ خیریت و عافیت۔ دعوات صالحہ

حوادثِ روزگار ہی زندگی ہے۔ پریشانی سے تعمیر نہیں ہوگی۔ پھولوں سے متاثر ہو کر کانٹوں سے کنارہ، کوئی سیرِ گلشن نہیں۔ پھولوں سے کہیں زیادہ خاروں کو اہمیت کہ جائیں تو غم نہ ہو۔

میری دُعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ میرے حق میں قبول ہوئی تو آپ بھی دور نہیں۔ انتظارِ رحمت عبادت ہے۔ کارسازِ مطلق کا ہو کر رہنا عبدیت و عبادت ہے۔ انشاءاللہ آپ کے قلبی مقاصد اس کے کرم سے پورے ہونگے۔

دعاگو

عزیز احمد

بنام

ملک احمد شیر صاحب ۔ چک 77 سرگودھا

برادر مکرّم! زادہم اللہ شرفاً

تسلیمات و تکریمات ۔ خیریت و عافیت ۔ ادعیہ صالحہ

خط سے کوائف معلوم ہوئے ۔ الحمد للّٰہ علیٰ کل حال جو ہوا اچھا ہوا ۔ اگر ایسا ہونا تھا تو ایسا ہونا اچھا رہا وہ کریم ہے ۔ میری آنکھیں اس کی رحمت سے بہر صورت ٹھنڈا ہونے کی عادی ہیں ۔ و ھو علیٰ کل شئیٍ قدیر ۔

ان حالات میں علاج بہت اچھا ہونا چاہیے ۔ گھر بنے گا ۔ پختہ کارآمد ۔ پائیدار

وھو ارحم الراحمین

والسلام

آپ کا

عزیز احمد کان اللہ لہٗ

گھر دُعائیں ۔ برادر عبداللطیف صاحب کو ہدیہء تسلیمات

بنام

ملک احمد شیر صاحب چک 77 سرگودھا

برادرِ مکرّم زادہم اللہ شرفا

تسلیمات و تکریمات۔ خیریت و عافیت

مکانات کی تکمیل پر سراپا خداوند کریم کا مشکور ہوں۔ الحمد للّٰہ علی کل حال۔ کل تاریخ ہے۔ نتیجہ خدا کریم کے حوالے۔

گمشدہ کی واپسی کے آثار ابھی تک سامنے نہیں آئے۔ بہرحال مسلم کا خدا صرف گمشدہ چیز کو جو واپس کرے وہ نہیں بلکہ حقیقت میں وہ خدا ہے جو ضائع شدہ سامان کا احساس دل سے محو کر دے۔ واللہ علیٰ کلِ شئیٍ قدیر گھر سے گھر میں دُعائیں۔ عزیز سلمہ ربہ نظام الدین صاحب، درباری صاحب، گلزار صاحب سبھی بخریت ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں۔

حضرت ضیاء الحق صاحب تشریف فرما ہیں، غالباً کچھ دن رہیں گے۔

والسلام

آپ کا

عزیز احمد

بنام

ملک احمد شیر صاحب۔ چک 77 سرگودھا

باسمہٖ تعالیٰ

تسلیمات۔ خیریت و عافیت

میں قریب ہوں۔ آپ قریب رہیں۔

نماز کی پابندی غالبًا نہ ہو سکتی ہو گی۔ لیکن پتوں کو لا پتہ کر دیں۔ آپ کا میرا آمنا سامنا ایک معصوم تعلق ہے۔ یاد رہے کہ ؎

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

والسلام

آپ کا

عزیز احمد

بنام

لیاقت علی صاحب ۔فیصل آباد

مخلصی عزیز لیاقت صاحب زید قدرہ'

تسلیمات وتکریمات ۔خیریت وعافیت ۔ادعیہ صالحہ

آپ کا خط ملا۔آپ کی پریشانی کا صدمہ ہے۔خیالات واوہام کو چھوڑیں، خدا کریم کے ارادے رک نہیں سکتے۔اس پر بھروسہ رکھیں اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر آسرا رہے۔شام کی نماز کے بعد ے بار صبح کی اذان دل میں پڑھ کر ہر طرف دم کر دیں۔ اگر عملِ بد ہوا تو رفع ہو گا۔آپ کا بدخواہ ہدایت پا جائے گا۔

وصلی اللہ علٰی نبیہٖ محمدٍ و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین ٥

والسلام

آپ کا

عزیز احمد

بنام

حاجی محمد امین صاحب۔ فیصل آباد

محب محترم جناب حاجی محمد امین صاحب زید قدرہم

تسلیمات وتکریمات۔ خیریت وعافیت۔ دعوات

خط ملا۔ کل مبلغ ۲۵ صدر روپے بھی مل گئے۔ بابو خان صاحب کو سلام فرمادیں۔
یہ روپے مدرسہ کے فنڈ میں جمع کر دیئے ہیں۔ دارالعلوم قمر الاسلام کو ترقی دینے کے لئے میرے پاس مکانات نہ ہونے کی وجہ سے دشواری تھی۔ خدا کریم نے اس کمی کو پورا فرما دیا ہے۔ مکانات، پانی وغیرہ کی مشکل نہیں رہی۔ روٹی کا انتظام پہلے سے ہی مشکل نہ تھا۔ لیکن تنخواہوں کا مسئلہ اب بھی پیچیدہ ہے۔ طلبا بھی زیادہ کر رہا ہوں۔ دو مزید استاد بھی رکھ رہا ہوں۔ اب جملہ دوستوں کی سپاہیانہ امداد کی ضرورت ہے۔ آپ کے شہر میں ماشاءاللہ مدرسوں کی ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں۔

یہ آپ کا اپنا مرکز ہے۔ عطیات، چرمہائے قربانی وغیرہ کی صورت میں ادارہ آپ کے تعاون کا منتظر رہے گا۔ تمام دوستوں کو مناسب جگہ جمع کر کے میٹنگ کریں اور میری طرف سے ان کو اس عظیم کارِ خیر میں مجاہدانہ کوشش کے لئے آمادۂ عمل فرمائیں۔

زیادہ سلام مسنونہ ودعوات

والسلام

آپ کا

عزیز احمد

بنام

شوکت حسین صاحب فیصل آباد

از مرولہ شریف

مخلصی برادر شوکت صاحب زید قدرہٗ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔ خیریت وعافیت

آدھے راستہ تک لائل پور جاتے پہنچا تو مکرم الدین صاحب مل گئے۔ واپسی ضروری ہوگئی۔ وگرنہ کل شام جمعرات تک وہاں رہنے کا ارادہ تھا۔

آپ کا حسنِ اخلاق میرے دل کی آواز ہے۔ آپ ہم سب بھائی بہن ہیں۔ ہم سب کے بڑے باپ حضور باواجی صاحب رضی اللہ عنہ ہیں۔ میرے اور آپ کے معاملات انہی کے حوالے ہیں۔ ''اُس'' جہان میں ہمارے لئے دعاؤں کی گونج ہے۔ انشاء اللہ حسین مناظر ہم اسی جہان میں دیکھیں گے۔

نہ آپ پریشان ہوں اور نہ میں۔ وہ جانیں اور اُن کا کام۔

رانا فقیر محمد صاحب، عبدالمجید صاحب، اظہر الدین صاحب اور قبلہ شاہ صاحب کو تسلیمات غلام عبدالحمید و عبدالعزیز صاحب کو پیار

والسلام

آپ کا

عزیز احمد کان اللہ لہٗ

بنام

ملک محمد منیر اعوان صاحب ۔ بورے والا

عزیزی و مخلصی و محبی زادہم اللہ شرفا

تسلیمات ۔ خیریت و عافیت ۔ ادعیہ صالحہ

آپ کا خط ملا ۔ آپ میرے پاس رہتے ہیں ۔ دعائیں ایک رسم ہیں ۔ اگر چ مانیں تو یقین فرمائیں کہ جہاں میں وہاں آپ ۔ میری دعائیں ہر کسی کے لئے عموماً ہیں ۔ اور اپنوں کے لئے خصوصاً ۔ خدا کریم آپ کو جملہ مراحل میں آسانی سے کامیاب فرماتا رہے۔

گزشتہ دنوں والدہ صاحب آئیں ۔ خیریت سے ہیں ۔ مشروبات وقت پر نہ پہنچے تو کیا ہوا۔ عندالافطار آپ کی یاد میرے پاس ہوتی ہے۔

والسلام

آپ کا

عزیز احمد کان اللہ لہٗ

دعا فرمائیں کہ اللہ کریم میری بے کسی اور بے بسی کو قبول فرمائے ۔ آمین

بنام

ملک محمد منیر اعوان صاحب۔ پاکپتن شریف

برادرِ عزیز فازہم اللہ تعالیٰ مراماً

تسلیمات ودعوات۔ خیریت وعافیت

آپ کا خط ملا۔ پریشانی کی ضرورت نہیں۔ ایسا معاملہ میرے ساتھ بھی رہا۔ مگر یہ ناکام حربہ ہوتا ہے۔ یکفینی پڑھ لیا کریں اور یہ یاد کرلیں۔ ہمیشہ صبح اور شام ایک بار پڑھ لیا کریں اور تعویذ بند کر کے گلے میں ڈال لیں۔

آیۃ الکرسی ایک بار ہر نماز کے بعد پڑھیں۔ ولا یعودہٗ حِفظُھماَ کو ۵ بار پڑھ کر ساتھ وَھُو اَلعلیُّ العَظیم تک پڑھ کر ہر طرف دم کردیا کریں۔ خیر ہوگی۔ چند روز کے بعد اطلاع دیں۔

والسلام

آپ کا

عزیز احمد

بنام

ابرار حسین صاحب ۔ کوئٹہ

محترم ومکرّم جناب ابرار حسین صاحب زید مجدکم

سلام مسنون ۔ خیریت وعافیت ۔ دعواتِ صالحہ

آپ کا خط آج ملا ۔ آپ نماز میں سستی نہ کریں ۔ پابندی سے پانچ وقت کی نماز پڑھا کریں ۔ ہر نماز کے بعد ایک تسبیح یا کریم کی اور ایک درود شریف کی اور سوتے وقت ایک تسبیح قل هو الله احد کی پڑھ لیا کریں ۔ اس میں بڑی برکات ہیں جو بیان سے باہر ہیں ۔

گھر میں سلام عرض ہے ۔ والدہ صاحبہ کو بھی سلام عرض کریں

والسلام

عزیز احمد

بنام

خالد حسین صاحب۔فیصل آباد

محترم خالد صاحب زید قدرہم

سلام مسنون۔خیریت و عافیت۔دعواتِ صالحہ

قرص کہربا اور لیڈر پلیکس آخر تک بلا ناغہ چلے۔ پرہیز بدستور رہے۔ وظیفہ پابندی سے پڑھیں۔

قبض کے لئے (سکی لیکس)10 قطرے بصورتِ ضرورت پندرہ قطرے رات کو سوتے وقت ایک گھونٹ پانی میں ملا کر دیں۔آپ نماز پابندی سے پڑھتے ہیں۔ میرا دل بہت خوش ہوا۔اس پر پابندی کریں۔

اللہ کریم استقامت بخشے۔ورزش بھی با قاعدہ کریں۔کم کھائیں تا کہ اللہ کریم کی نوازش ہو۔ گھر میں دعائیں۔

والسلام

عزیز احمد

بنام

ملک محمد اکرم خان اعوان صاحب ۔ لاہور

قابلِ عزت واحترام برادرم محمد اکرم خان صاحب زید قدرہم

سلام مسنون ۔ خیریت وعافیت ۔ دعواتِ صالحہ

آپ کا خط ملا ۔ میری تکلیف کافی حد تک درست ہو گئی ہے ۔ بادی النظر میں محسوس نہیں ہوتی ۔ تقریریں حسبِ سابق کرتا ہوں ۔ کچھ تکلیف محسوس نہیں ہوتی ۔ سیر بھی تین چار میل روز کرتا ہوں ۔ آپ کی نوازش کا شکریہ ۔

انشاء اللہ میں اگر زندہ رہا اور آپ کی باری مجھ سے پہلے آئی تو وعدہ رہا کہ آپ کی منشا کے مطابق عمل ہوگا اور یہ میری معمولی خدمت ہوگی ۔

منشی صاحب کی مزار پختہ کرائیں ۔ تختی پر پہلے بسم اللہ شریف لکھوائیں ۔ بعد میں مرقد ۔ اس کے نیچے عالی جناب منشی عبدالحق صاحب سیالوی نوشہروی رحمتہ اللہ علیہ لکھوائیں ۔ اس کے نیچے سبحان اللّٰہ والحمد لِلّٰہ ولا الہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہُ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شيٍ قدیر O

شعر وغیرہ کچھ نہ ہو ۔ بچوں کو پیار گھر میں دُعائیں ۔

والسلام

آپ کا اپنا

عزیز احمد کان اللہ لہٗ

بنام

مولانا عبدالرحیم صاحب ۔ مکڑمہی

۷۸۶

۷۹۶

۳۱۳

عزیزی و مخلصی اخوانم عبدالرحیم صاحب فاز ک اللہ فی المرامِ

سلام مسنون ۔ خیریت و عافیت

میاں محمد کا آج خط ملا ۔ پڑھا ۔ کلیجہ تھام کے بیٹھ گیا ۔ بے حد صدمہ ہوا ۔ یہ ایک حادثہ ہے جس کو مقدر ہونا تھا اور ہو گیا ۔ بے نیاز کی بارگاہ سے نافذ ہونے والا حکم حق اور سچا ہے ۔ تسلیم ضروری اور رضا واجب ہے ۔ خدائے کریم حال و مآل بہتر فرمائے گا ۔ **و ما ذالک علی اللہ بعزیز .**

میں آپ اور اندرون خانہ کے ساتھ اس جانکاہ اور روح فرسا صدمہ میں برابر شریک ہوں ۔ خواجگان علیہم الرضوان کے بخت و اقبال کے صدقہ میں اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے الطافِ کریمانہ سے نوازے اور پسماندگان کو ہمت و استقامت سے مالا مال فرمائے ۔

میرے قلبی تعلقات بتمامہ آپ کے ساتھ ہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ رہیں گے ۔ افسوس کہ مجھے بروقت اطلاع نہ ہو سکی و گرنہ حضرت باواجی صاحب کی معیت میں جنازہ میں شرکت کرتا ۔ لیکن مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ ۔ اچھا خدا حافظ ۔ **نُفَوِضُ الْاَ مُر اِلَی اللہ**

آپ کا شریک غمِ

عزیز احمد

از سانگلہ ہل

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ
کا
ذوقِ مطالعہ اور حاشیہ نگاری

ترتیب: علامہ محمد نور الحق حمیدیؔ

حضرت صاحبزادہ صاحبؒ نے نہ صرف درسی کتب بلکہ دوسری کتابوں کے مطالعہ کے لئے کافی وقت مخصوص کر رکھا تھا۔ درسی کتب پڑھانے سے پہلے ہر کتاب کا شروح و حواشی سمیت مطالعہ فرماتے ۔ اگرچہ آپ نے طویل عرصہ تک درسی کتابیں پڑھائیں لیکن پھر بھی ابتدائی درسی کتب پڑھانے سے پہلے مطالعہ ضرور فرماتے تھے۔

اس ضمن میں ایک واقعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمرالدین سیالوی قدس سرہٗ ایک دن دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف میں تشریف فرما تھے۔ اثناء گفتگو حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے استاذ محترم علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیریؒ درسی کتب پڑھانے سے پہلے بڑے انہماک سے مطالعہ کرتے۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ ''حضرت آپ تو ان کتابوں سے ادق کتابیں تصنیف کر سکتے ہیں۔ پھر ان کے مطالعہ کی کیوں ضرورت محسوس کرتے ہیں۔'' انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ''میں تمہارے لئے مطالعہ کرتا ہوں۔'' ان کے اس جواب کا یہ مطلب تھا کہ میں کتاب کے مضمون کو سمجھنے کے لئے مطالعہ نہیں کرتا بلکہ اس لئے مطالعہ کرتا ہوں کہ کتاب کے مضمون کو اپنے طالبعلم کی استعداد کے مطابق کس طرح اس کے سامنے بیان کروں ۔ اسی طرح حضرت صاحبزادہ صاحبؒ اپنے تلامذہ کی ذہنی استعداد کے مطابق کتاب کے مضمون کو ان کے ذہن نشین کرانے کے لئے مطالعہ فرماتے۔ دورانِ مطالعہ کتاب پر کچھ حواشی اور نوٹس تحریر فرماتے، تاکہ انکی مدد سے کتاب کے مضمون کو آسان پیرائے میں طلباء کو ذہن نشین کرایا جاسکے۔

حضرتؒ کی تدریس کا ابتدائی دور جامعہ نقشبندیہ رضویہ سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ سے شروع ہوا۔ یہاں آپ نے درسِ نظامی کا پورا نصاب متعدد بار پڑھایا۔ جامعہ کے کتب خانے میں موجود تقریباً ہر کتاب پر آپ کے حواشی ثبت ہیں۔

دوسرا دور جو نہایت بھرپور اور دس سال پر محیط ہے، دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف کا تدریسی دور ہے۔ حضرتؒ کی تدریس کے آخری دور، جو جامعہ قمرالاسلام

مکان شریف میں شروع ہوتا ہے، کی کچھ درسی اور تصوف کی کتب اس وقت ہمارے پیش نظر ہیں جن پر جا بجا حواشی اور نوٹس دیئے ہوئے ہیں، جو حضرت کے ذوق کتب بینی کا واضح ثبوت ہیں۔

ذیل میں ہم مختلف درسی اور تصوف کی کتب پر حضرتؒ کے قلم سے تحریر کردہ حواشی، حوالہ جات اور نوٹس کے کچھ نمونے ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔

منطق کی کتاب قطبی کی عبارت ''واماعلی بیان الحاجة الیه فانه لویعلم غایة العلم و الغرض منه لکان طلبه عبثا'' کی توضیح کے لئے حضرتؒ نے یہ نوٹ لکھا۔

''جمیع مسائل العلم حد العلم و حقیقته و العلم بجمیع مسائله علم بحده فلا یحصل معرفة حده الا بالعلم بجمیع مسائله فلو کان مقدمة العلم العلم بحده یلزم الدور لان علم جمیع مسائله موقوف علی الشروع فی العلم فلو کان الشروع ایضا موقو فاعلی علم حده ای علم بجمیع مسائله یلزم الدوروھوباطل''مشکوٰۃ شریف پڑھانے سے پہلے اس کی مشہور شروح مرقاۃ اور اشعۃ اللمعات کا مطالعہ فرماتے۔ ان شروح میں مسلک حق اہل سنت و جماعت کی تائید میں موجود حوالہ جات اس طرح تحریر فرمائے۔

قیام تعظیم:۔امر النبی صلے اللّٰه علیه وسلم الصحابة للقیام تعظیمالسعد رضی اللّٰه عنه(مرقاۃ ص ۴)

حضور علیہ السلام نے حضرت سعد کی تعظیم کے لئے صحابہ کرام کو کھڑا ہونے کا حکم فرمایا۔

علم الکتابۃ:۔و کتب النبی علیه السلام ... ومامات حتی کتب

حضور علیہ السلام نے وصال سے پہلے کتابت فرمائی۔(مرقاۃ ص ۷۸)

العلم الکلی و اوتی علم کل شیئی(مرقاۃ ص ۷۸)

حضور علیہ السلام کو ہر چیز کا علم عطا کیا گیا۔

تبرک با ثارہ و طھارۃ فضلاته صلے اللّٰه علیه وسلم(مرقاۃ ص ۱۴۹)

حضور علیہ السلام کے آثار مبارکہ سے برکت حاصل کرنا اور آنحضور کے فضلات کا پاک ہونا۔

توسل:۔یستحب الدعا عندحضور الصالحین و التبرک بھم(مرقاۃ ص۲۳۲)

ترجمہ: نیک لوگوں کی موجودگی میں دعا مانگنا اوران سے برکت لینا مستحب امر ہے۔

تعویذ:۔التعویذ الذی فیہ اسماء اللہ تعالی والادعیۃ والآیات فجائز بل یستحب (مرقاۃ)

وہ تعویذ جس میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ،مسنون دعائیں اور آیات قرآنی ہوں نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔

نگاہِ ولی:۔واذا رئی ھمۃ ولی من اولیائہ لشان عبداوسمع دعاء ولی فی

شان شحص یابی الاالفضل و الاحسان الیہ(مرقاۃ ص۹۲۔ج۵)

اللہ کریم جب اپنے کسی ولی کی توجہ کسی بندے کی طرف دیکھتا ہے یا اس کے حق میں ولی کی دعا سنتا ہے تو اس پر فضل واحسان فرماتا ہے۔

قدمِ ولی:۔لوان ولیامن اولیاء اللہ مربلدۃ لنال برکۃ مرورہ اھل

تلک البلدۃ حتی یغفراللہ لھم(مرقاۃ ص۹۲ ج۵)

اگر کوئی اللہ کا ولی کسی شہر سے گزرتا ہے تو اہل شہر کو اس کے قدم کی برکت سے بخش دیا جاتا ہے۔

ذکر کی فضیلت:۔یستبشر الجبال اذامرالذاکرعلیہ(مرقاۃ ص۵ ج۵)

اگر کوئی مرد ذاکر پہاڑ پر سے گزرے تو پہاڑ خوشیاں مناتے ہیں۔

حیات ولی:۔مثل الذی یذکربہ والذی لایذکرہ کمثل الحی والمیت

ایماء ان مداومۃ الذکرتورث الحیاۃ الحقیقیہ(مرقاۃ ص۵۱ ج۵)

حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اس شخص کی مثال جو اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور اس شخص کی مثال جو ذکر نہیں کرتا،زندہ اور مردہ کی مثال ہے،اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ذکر پر دوام حقیقی زندگی عطا کر دیتا ہے۔

فضیلت مجلس صلحاء:۔ھم قوم لایشقی جلیسھم.تجدمن برکتھم نصیبا فی ھذا

ترغيب مجالسة الصلحاء لينا لو انصيبا من بركتهم (مرقاۃ ص۴۰ ج ۵)

حضور علیہ السلام کا فرمان کہ وہ ایک ایسا گروہ ہے جن کے پاس بیٹھنے والا کبھی بد بخت نہیں ہوسکتا، نیز یہ فرمان کہ تو ان کی برکت سے حصہ پائے گا، اس بات کی ترغیب دلاتے ہیں کہ صلحاء کی مجلس میں بیٹھا جائے تاکہ انسان کو ان کی برکت حاصل ہو۔

غرورِ طاعت:۔معصية اورثت ذلاو استصغار خيرمن طاعة اوجبت عجبا و استكبارا (مرقاۃ ص۱۴۰)

وہ گناہ جو آدمی کے اندر عجز و نیاز پیدا کردے اس طاعت سے بہتر ہے جو انسان کو خود پسندی اور غرور میں مبتلا کردے۔

الدعا فی حضور الاولیاء:۔اذا سمعتم صيحة الديك فاسئلوا الله فضله فانها رآت ملكا و فيه استحباب الدعا عند حضور الصالحين (مرقاۃ ص۱۹۵)

جب تم مرغ کی بانگ سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو کیونکہ اس نے فرشتہ کو دیکھا ہے۔اس ارشاد سے صالحین کی موجودگی میں دعاء کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔

اخذ رکاب الاکابر:۔انه يسن اخذ ركاب الاكابر ولجامه

اکابرین کی سواری کی رکاب اور لگام تھامنا مسنون ہے۔(مرقاۃ ص۲۰۴)

دفع شر اعداء:فقرأة لايلافِ قريش امان من كل سوء مجرب (مرقاۃ ص۲۱۳)

سورۃ قریش کی تلاوت سے آدمی ہر آفت سے مامون ہوجاتا ہے، مجرب ہے۔

یا عباداللّٰہ:عن النبی صلے الله عليه وسلم انه قال اذا ضل احد كم طريقا واراد عونا وهوبارض ليس بها انيس فليقل ياعباداللّٰه اعينونى فان لله عبادا لانراهم قال بعض العلماء الثقات هٰذا حديث حسن محتاج اليه المسافرون وروى من المشائخ انه مجرب (مرقاۃ ص۲۱۲)

حضرت علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی آدمی راستہ بھول جائے اور اسے مدد کی ضرورت ہو اور وہ ایسی سرزمین پر ہو جہاں دوسرا کوئی نہ ہو تو کہے اے

اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھ سکتے۔ بعض ثقہ علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور مسافروں کو اس کی ضرورت پڑتی ہے اور مشائخ سے مروی ہے کہ یہ عمل مجرب ہے۔

تقبیل الید: تقبیل یدالغیر لعلمه و فضله و زهده جائز بل امر مستحب

☆ .... (مرقاۃ ص ۶۷ ج ۹)

کسی کے علم و فضل اور زہد و ورع کی وجہ سے ہاتھ چومنا جائز بلکہ مستحب امر ہے۔

تقبیل الرجلین سنة الصحابة (مرقاۃ ص ۷۰ ج ۹)

پاؤں کو بوسہ دینا سنت صحابہ ہے۔

ماء زمزم افضل المياه الا المآء الذی نبع من اصابعه عليه السلام

☆ .... (مرقاۃ ص ۱۲۳ ج ۱۱)

آب زم زم تمام پانیوں سے افضل ہے، مگر وہ پانی جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پھوٹا وہ آب زمزم سے بھی افضل ہے

استمداد از انبیاء بالاتفاق است (اشعۃ اللمعات ص ۷۶۲ ج ۱)

انبیاء علیہم السلام سے مدد مانگنا متفقہ مسئلہ ہے۔

اولیاء کرام در قبور خود تصرف کنند (اشعۃ اللمعات ص ۷۶۲ ج ۱)

اولیاء کاملین اپنے مزارات میں تصرف فرماتے ہیں۔

امداد میت از امداد حی قوی تر است (اشعۃ اللمعات ص ۷۶۲ ج ۱)

قبر والوں کی امداد زندوں کی امداد سے زیادہ قوی ہے۔

ثواب قرآت قرآں وغیر آں میت را می رسد (اشعۃ اللمعات ص ۷۶۳ ج ۱)

تلاوت کلام پاک وغیرہ کا ثواب مردہ کو پہنچتا ہے۔

حیات انبیاء حقیقی دنیاوی است ہیچ کس را دریں خلافے نیست (اشعۃ اللمعات ص ۶۱۳ ج ۱)

انبیاء علیہم السلام کی زندگی حقیقی دنیاوی زندگی ہے کسی کو اس میں اختلاف نہیں۔

مرتکب کبیرہ و گستاخ رسول را خبیث گفتن و دشنام دادن جائز است (اشعۃ اللمعات ص ۶۳۲ ج ۱)

گناہ کبیرہ کے مرتکب اور گستاخ رسول کو خبیث کہنا اور اسے گالیاں دینا جائز ہے۔
قرآن خواندن بر قبر سنت است (اشعۃ اللمعات ص ۷۰۳ ج ۱)
قبر پر قرآن پاک کی تلاوت مسنون امر ہے۔
دعا بعد از نماز جنازہ متعارف است (اشعۃ اللمعات ص ۷۱۳ ج ۱)
نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا متعارف ہے۔
چراغ بر مزارات روشن کردن جائز است (اشعۃ اللمعات ص ۷۶۳ ج ۱)
قبروں پر دیا جلانا جائز ہے۔
خدمت صلحاء از عبادت نفلیہ افضل است (اشعۃ اللمعات ص ۹۹ ج ۲)
بزرگان دین کی خدمت نفلی عبادت سے افضل ہے۔
ہذا جبل یحبنا ونحبہ محمول بر ظاہر است (اشعۃ اللمعات ص ۴۲۰ ج ۲)
جبل احد کے بارے میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک کہ یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ ظاہر پر محمول ہے۔
احکام مفوض بود بوے صلے اللہ علیہ وسلم ہر چہ خواہد و بر ہر چہ خواہد حلال وحرام گرداند (اشعۃ اللمعات ص ۴۰۸ ج ۲)

حلت وحرمت کے احکام آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سپرد تھے۔ آپ جس چیز کو چاہتے حلال وحرام قرار دے سکتے تھے اور جس پر چاہتے حلال وحرام فرماتے۔
متخلق باوصافِ خدا واحد ذات است ہیچ کس دریں باو شریک نیست آں ذات محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم است (اشعۃ اللمعات ص ۲۳۶ ج ۲)

اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ صرف ایک ہی ذات موصوف ہے، کوئی دوسرا اس میں اس کے ساتھ شریک نہیں۔ اور وہ ذات پاک محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے۔

از خاکِ مدینہ طیبہ و درودیوار آں روائح طیبہ آیند (اشعۃ اللمعات ص ۴۱۸ ج ۲)
مدینہ منورہ کی خاک پاک اور اس کے درودیوار سے خوشبو آتی ہے۔

ہذہ لام سعد اے ایں چاہ برائے ام سعد کہ ثواب آں بروح آں رسد (اشعۃ اللمعات ص ۹۵ ج ۲)
یہ کنواں ام سعد کا ہے، کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ثواب ام سعد کی روح کو پہنچے گا۔
انکار تاثیر دعاء وصدقہ طرز معتزلہ است (اشعۃ اللمعات ص ۶۴۷ ج ۳)
دعا وصدقہ کے اثر کا انکار معتزلہ کا شیوہ ہے۔
آیات شفاء بر کاغذ نوشتہ بیمار را نوشائیدہ شود شفاء یابد (اشعۃ اللمعات ۶۴۷ ج ۳)
آیاتِ شفاء کو کاغذ پر لکھ کر بیمار کو پلانے سے شفا نصیب ہوتی ہے۔
شان نبی علیہ السلام را احاطہ نہ کرد علوم اولین واخرین وبکنہ آں سوائے پروردگار کس نداند۔
حضور علیہ السلام کی شان رفیع کا احاطہ کرنے سے اولین وآخرین کے علوم قاصر ہیں۔ اور آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

آستانہ عالیہ مکان شریف پر مسند نشینی کے بعد حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت کا میلان کتب تصوف کی طرف ہوگیا۔ آپ زائرین اوراد و وظائف سے فراغت کے بعد اکثر وقت کتب تصوف کے مطالعہ میں صرف کرتے۔ آپ کے زیر مطالعہ رہنے والی تصوف کی کتابیں مثلاً فوائد الفواد، کشف المحجوب، اخبار الاخیار اور مناقب المحبوبین وغیرہ پر جابجا حوالہ جات اور حواشی ملتے ہیں۔ چند ایک منتخب حوالے سپرد قلم کئے جاتے ہیں۔

التصوف هو ترک کل حظ للنفس. کشف المحجوب ص ۲۷
تصوف خواہشات نفسانی کو چھوڑنے کا نام ہے۔

الصوفیه هم الذین صفت ارواحهم فصاروا فی الصف الاول بین یدی الحق
کشف المحجوب ص ۲۸ صوفیاء وہ لوگ ہیں جنکی روحیں ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہوگئیں اور وہ بارگاہ حق میں پہلی صف میں جا بیٹھے۔

الصوفی الذی لا یَمْلِکُ وَلَا یُمْلَکُ. (کشف المحجوب ص ۲۸)
صوفی وہ ہے جس کی ملکیت میں کچھ نہ ہو اور نہ وہ کسی کی ملکیت میں ہو۔

التصوف حسن الخلق. (کشف المحجوب ص ۳۱)
تصوف اچھے اخلاق کا نام ہے۔

الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ. (کشف المحجوب ص ۴۰)
پیر کامل اپنے مریدوں کا رہنما ہوتا ہے جس طرح نبی اپنی امت کا ہادی ورا ہنما ہوتا ہے۔
اھل باطن اگر چہ بظاہر با خلق آمیختہ باشند در باطن با حق آویختہ باشند۔ (کشف المحجوب ص ۴۳)
اللہ والے اگر چہ ظاہری طور پر مخلوق سے ملے ہوتے ہیں لیکن وہ باطن میں اللہ سے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔
پیر ہر چہ گوید لازم گیر دگر چہ بظاہر دیگر درست باشد۔ (فوائد الفواد ص ۴۲)
پیر کا ہر حکم ماننا ضروری ہے اگر چہ بظاہر اس حکم کا خلاف درست ہو۔
کشف وکرامت حجاب راہ ھست۔ (فوائد الفواد ص ۵۵)
کشف وکرامات راہ سلوک کا حجاب ہیں۔
پیوستہ در عبادت وطاعت واوراد ودر کتب مطالعہ باید بود۔ (فوائد الفواد ص ۳۹)
ہمیشہ عبادات ووظائف اور کتب مشائخ کے مطالعہ میں مشغول رہنا چاہیے۔
کامل آنست کہ ہیچ نوع از اسرار بیرون ندہد۔ (فوائد الفواد ص ۱۹)
مرد کامل وہ ہے جس سے کوئی بھید ظاہر نہ ہو۔
ہر کار روز آغاز دشواری نماید چوں آغاز کند باسانی تمام شود۔ (فوائد الفواد ص ۲۵)
ہر کام شروع کرنے سے پہلے مشکل دکھائی دیتا ہے لیکن جب شروع کر دیا جائے تو آسانی سے مکمل ہو جاتا ہے۔
نفل نماز با جماعت ادا کردن مستحسن است۔ (فوائد الفواد ص ۱۵۰)
نفلی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا اچھا عمل ہے۔
لباس ولی اختیار کردن ہم نفع دہد۔ (فوائد الفواد ص ۲۲۹)
ولی جیسا لباس پہننا بھی نفع بخش ہے۔
صدر الدین ملتانیؒ دید کہ زمخشری در دوزخ برند۔ (فوائد الفواد ص ۱۸۸)
صدر الدین ملتانیؒ نے دیکھا کہ علامہ زمخشری کو جہنم رسید کیا جا رہا ہے۔
در مجلس جائیکہ میسر شود آنجا باید نشست۔ (فوائد الفواد ص ۵۹)

مجلس میں جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جانا چاہیے۔

تعویذ نوشتن دست بزرگاں نیز کارے دارد۔(فوائد الفواد ص ۳۳۴)

تعویذ لکھنے میں بزرگان دین کے ہاتھ کی برکت بھی شامل ہوتی ہے۔

اولیاء اللہ ابواب اعانت و امداد برمریدان خود کشایند۔(اخبار الاخیار)

اولیاء کرام اپنے مریدوں پر امداد و اعانت کے دروازے کھولتے ہیں۔

استماع فضائل و مناقب برحسن اعمال و ترک سیآت آمادہ گرداند۔

اولیاء کاملین کے فضائل و مناقب سننے سے اچھے اعمال بجالانے اور برائیوں سے بچنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

بعزت پروردگار کہ نیک بختاں و بدبختاں ہمہ عرض کردہ شوند برمن و نظر من درلوح محفوظ است۔فرمان غوث اعظمؓ (اخبار الاخیار ص ۱۵)

خدا کی قسم! تمام نیک بخت اور بد بخت مرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور مری نگاہیں لوح محفوظ میں لگی ہوئی ہیں۔

چوں الحمد شروع کردندے ہر ولی حاضر و غائب ساکت شدے۔(اخبار الاخیار)

غوث اعظمؓ جب منبر پر بیٹھ کر خطبہ شروع کرتے تو ولی جو مجلس میں موجود ہوتے اور جو دور دراز مقامات پر ہوتے، تمام خطبہ سننے کے لئے خاموش ہو جاتے۔

اگر مرید من جید نیست من جیدم نروم تا مرا با صحاب من بہ بہشت نبرد۔فرمان غوث اعظمؓ

☆.................................(اخبار الاخیار ص ۱۹)

اگر میرا مرید کھرا نہیں میں کھرا اور جید ہوں۔جب تک مجھے میرے مریدوں سمیت جنت میں داخل نہ کیا گیا میں ہرگز جنت میں نہ جاؤں گا۔

سلطان الہندؒ چوں وصال فرمود بر پیشانی نوشتہ شد حبیب اللہ مات فی حب اللہ۔

☆.................................(اخبار الاخیار۔ص ۲۳)

حضرت خواجہ اجمیر غریب نوازؒ کے وصال کے وقت آپ کی پیشانی مبارک پر قدرت نے ''حبیب اللہ مات فی حب اللہ'' لکھ دیا یعنی اللہ کا محبوب اللہ کی محبت میں

واصل بحق ہو گیا۔

عارفاں را مرتبہ ایست کہ چوں بآں رسند جملگی عالم و مافیھا را در میان دو انگشت بینند۔

☆ (اخبار الاخیار ص ۲۳)

عارف باللہ کا ایک مقام ہے کہ جب وہ اس مقام پر فائز ہوتا ہے تو تمام دنیا کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان دیکھتا ہے۔

وصال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو ربیع الاول است بقول علی رضی اللہ عنہ۔

☆ .... (مناقب المحبوبین ص ۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق حضور ﷺ کا وصال مبارک دو ربیع الاول کو ہوا۔

اولیاء را در حیات ۹ حصہ توجہ الی اللہ و یک حصہ سوئے مریداں و بعد از وصال ۹ حصہ سوئے مریداں و یک حصہ سوئے الی اللہ و آں حصہ ہم بضرورت بسوئے غلاماں شود۔

☆ (مناقب المحبوبین ص ۱۰۹)

اولیاء کاملین اپنی ظاہری زندگی میں ۹ حصہ اپنی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف اور ایک حصہ مریدوں کی طرف رکھتے ہیں۔ لیکن وصال کے بعد ۹ حصہ توجہ مریدوں کے لئے اور ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلکہ وقت ضرورت وہ حصہ بھی یعنی تمام توجہ غلاموں کی طرف ہو جاتی ہے۔

زیارت کردن مولینا عاقل محمدؒ خلیفہ قبلہء عالم مہارویؒ رسول اکرم ﷺ را و گم شدن سایہ ایشاں۔ .... (مناقب المحبوبین ص ۱۲۰)

مولانا عاقل محمدؒ خلیفہ قبلہ عالم مہارویؒ نے حضور ﷺ کی زیارت کی تو ان کا سایہ ناپید ہو گیا۔

چند یادیں------------چند ملاقاتیں

حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کی قلمی ڈائری سے ماخوذ

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدّین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ

کی

دلآویز باتیں-------اور-------یادگار ملاقاتیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نہ شم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم　　چو غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

﴿۴ صفر ۱۳۹۵ھ، 16 فروری 1975 بروز اتوار﴾

میں، ملک محمد اکرم خان صاحب ایڈووکیٹ (سرگودھا) کے ہاں قیام پذیر تھا۔ رات خواب میں حضور شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین کی زیارت ہوئی۔ آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا "تم میرے ہو میں تمہارا ہوں اور یہی بیعت ہوتی ہے۔ تمہارے دل میں شریعت وطریقت اور معرفت مرتکز ہوگی۔" الحمد للہ علی ذالک۔

﴿۵ صفر ۱۳۹۵ھ، 17 فروری 1975 بروز پیر﴾

خواب میں دار العلوم ضیاءِ شمس الاسلام سیال شریف میں قبلہ بدر الدین رحمتہ اللہ علیہ سے شرفِ نیاز حاصل ہوا۔ میں نے حکیم محمد شفیع چاچڑوی سے نسوار مانگی، اس کے پاس نہیں تھی۔ غلام محمد خادم، صاحبزادہ معین صاحب سے بھی نہ ملی۔ غلام محمد سکھرالوی سے اس کے دینے پر بھی نہ لی، اس لئے آپ نے اپنی ڈبیا عطا کی۔ اس میں نسوار بس اتنی ہی تھی کہ ایک چٹکی بنی۔ آپ بڑی اچھی حالت میں خوش وخرم تھے۔ کوئی واقعہ بھی سنایا جو یاد نہیں۔ پھر خواب میں دیکھا کہ خضر حیات ٹوانہ مرحوم آستان شریف (سیال شریف) پر حاضر ہوا اور چائے کی دعوت ہوئی۔ حضرت مرولوی زید مجدہم (خواجہ غلام سدید الدین رحمتہ اللہ علیہ) اور صاحبزادہ مسعود احمد صاحب کے ساتھ مرغ روسٹ اور چاول کا ناشتہ کیا۔ واللہ یعلم بتعبیرہ

﴿۱۸ صفر ۱۳۹۵ھ، 2 مارچ 1975 بروز اتوار﴾

خواب میں پچھلے حصہِ شب میں آستانہ عالیہ سیال شریف پر دیکھا کہ انسانوں کا ایک بڑا ہجوم ہے۔ حضور شیخ الاسلام دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ میں اٹھ کر دعا کے لیے عرض کرتا ہوں تو حضور اپنا کلاہ مبارک میرے سر پر رکھ دیتے ہیں۔ تمام حاضرین آمین آمین کہتے ہیں۔ میں دل میں خیال کرتا ہوں کہ کلاہ اتار کر محفوظ کرلوں۔ اگر دریافت کیا گیا

تو عرض کروں گا کہ کلاہ میرے سر کے لئے نہیں، میرا سر کلاہ کے لئے ہے۔ واللہ اعلم

اسی رات حضرت بدر الدین صاحب قبلہ کو خواب میں دیکھا۔ ہوا یوں کہ آپ کے مکان پر جاتا ہوں جگہ خالی دیکھ کر بہت روتا ہوں (انہی دنوں حضرتؒ کا وصال ہوا تھا)۔ پھر آپ تشریف لاتے ہیں۔ داڑھی بڑھی ہوئی ہے بڑے خوش ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کتنا آسان ہے مرنا؟ جواب میں ہنس کر فرمایا ''میں اکثر اپنے دوستوں سے یہی کہتا رہتا ہوں''۔ پھر فرمایا ''عرس شریف قریب ہے ذہن پر بوجھ ہے۔'' (غالباً ان کے اہتمام سے زائرین کی آسائش و آرام کے انتظام کی طرف اشارہ تھا)۔ واللہ اعلم

﴿۲۹ ربیع الاوّل ۱۳۹۵ھ، 12 اپریل 1975 بروز ہفتہ﴾

یکم ربیع الاوّل ۱۳۹۵ھ کو قاضی حمید اللہ صاحب کا خط ملا، جس میں حضرت مولانا محمد علی صاحب (سرگی شریف) کی رحلت کی خبر تھی۔ حضور شیخ الاسلام دار العلوم میں تشریف فرما تھے۔ اطلاع ملنے پر اس عاجز کو ساتھ لے کر عازم سرگی ہوئے۔ سرگودھا پہنچے تو ملک عبد العلی نوانہ کے مکان پر کچھ دیر آرام فرمایا اور کھانا کھایا۔ صاحبزادہ غازی صلاح الدین صاحب نے سکیسر فون کیا۔ ٹھیکیدار احمد خان صاحب نے اپنی جیپ کٹھوائی بھیج دی۔ آپ نے کٹھوائی پر نماز ظہر ادا کی۔ قبلہ خواجہ فخر الدین صاحب بھی منشی عبد الحق صاحب نوشہروی کی صاحبزادی کی تعزیّت کر کے کٹھوائی پہنچ گئے۔ قافلہ سرگی پہنچا۔ نماز جنازہ کی امامت حضور شیخ الاسلام نے کی۔ نماز کے بعد حضور نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ واپسی پر فرمایا کہ مولانا مرحوم کی دستار بندی حضرت خواجہ محمد ضیا الدین ثالث سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی اور فرمایا تھا ''کاش تمہاری جگہ میرا بیٹا ہوتا۔'' حضرت والدِ گرامی کے اس فرمان کی وجہ سے میرے دل میں مرحوم کی بہت قدر رہی۔

نمازِ جنازہ کے بعد عزیز اعجاز علی صاحب کی دستار بندی فرمائی۔ قبلہ خواجہ صاحب اور راقم نے بھی تعمیلاً دستار بندی میں شمولیت کی۔ حاضرین میں سے کسی نے سوال کیا کہ یہاں تبلیغی جماعت آتی ہے ہمیں اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟ آپ نے جواب میں فرمایا! ''ان کے عقائد ہمارے مشائخ کے عقائد سے متضاد ہیں اس لیے ان کے ساتھ

اختلاط سے پرہیز بہتر ہے۔''

﴿۴ ربیع الاوّل ۱۳۹۵ھ، 18 مارچ 1975 بروز منگل﴾

آج دوپہر کو سویا تو خواب میں دیکھا، حضرت بدر الدین صاحب قبلہ حضور شیخ الاسلام کے کمرے میں چارپائی پر دراز ہیں اور میں سامنے آتشدان کے قریب دوزانو بیٹھا ہوں۔ اس اثنا میں حضور کمرے میں تشریف لائے۔ مجھ سے مخاطب ہوکر بڑے کریمانہ انداز میں فرمایا! ''تمہاری تربیت بہت عمدہ کی گئی ہے۔'' بیدار ہوا تو پتہ چلا کہ حضور دارالعلوم میں جلوہ افروز ہیں۔ میں وضو کر کے حاضر ہوا تو آپ دراز تھے۔ حافظ عبدالکریم اور حاجی نور محمد خدمت میں حاضر تھے۔ میں نے زانو مبارک پر بوسہ دیا۔ آپ نے سینے سے لگا کر سر کو بوسہ بخشا۔ الحمدللہ۔

میں نے حضرت والدِ گرامی کی کیفیتِ تکلیف عرض کی۔ فرمایا! ''ہم حضرت پیر سیال کے خانہ زاد غلاموں میں وہ ایک عظیم نشانی ہیں، اللہ انہیں سلامت رکھے۔ کتنے بڑے بڑے اور کیسے عمدہ لوگ دنیا سے اٹھ گئے، اللہ کریم وہ وقت نہ دکھائے'' میں نے عرض کیا'' اللہ رب العزت حضور کا سایہ ہم غلاموں کے نصیب میں رکھے۔''

حضور شیخ الاسلام، راقم کے والدِ گرامی کی مزاج پرسی کے لیے چک 74 شمالی تشریف لے گئے۔ باواجی صاحب سے ملاقات کے بعد فرمایا! ''میاں صاحب بیماری کی وجہ سے حضرت ثالث رحمتہ اللہ علیہ کے عرس میں شامل نہیں ہو سکے۔ اس وجہ سے ہمارا عرس الونا گزرا ہے۔'' (یعنی عرس کی تقریبات میں حضرت میاں صاحب کی کمی محسوس ہوئی)۔ میری عدم موجودگی میں میرے لئے کلماتِ خیر فرمائے۔ نمازِ ظہر کے بعد واپس سرگودھا تشریف لائے۔ بندہ بھی سرگودھا تک حاضر رہا۔ الوادع کہنے کے لئے حضرت باواجی صاحب چند قدم ساتھ چلنا چاہتے تھے لیکن بیماری کی وجہ سے لڑکھڑا رہے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام نے مڑ کر آپ کو گلے لگایا، سر پر بوسہ دیا اور اجازت بخشی ۔۔۔۔۔۔۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔
قبلہ باواجی صاحب اس کے بعد اتنے خوش رہے کہ کیا لکھا جائے۔ تنہائی میں جو باتیں ہوئیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ حضور نے فرمایا'' میاں صاحب مجھے بہت روحانی تکلیفیں

ہیں۔۔۔۔۔۔'' اور ساتھ ہی ازراہِ غلام نوازی دعا کے لیے بھی فرمایا۔

﴿۱۸ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ، 19 اپریل 1976 بروز منگل﴾

صاحبزادہ حبیب نواز صاحب کی شادی کے موقع پر قبلہ خواجہ فخر الدین صاحب کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے ایک واقعہ سنایا کہ حضرت ثالث سیالوی رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک طالبعلم شیخ نورالدین نامی پڑھتا تھا۔ صاحبزادہ بدرالدین صاحب نے اس کے سالن میں دھتورے کا بیج ڈال دیا۔ یہ بیج کھا لینے سے انسان کچھ وقت کے لئے نیم پاگلانہ حرکتیں کرتا ہے۔ میں اور محمد زاہد دیکھ رہے تھے۔ نورالدین جب کھانا کھانے لگا تو ہم نے اسے دھتورے کے بارے میں بتا دیا۔ اس نے سالن ضائع کر دیا اور لسّی سے روٹی کھا لی۔ کچھ دیر کے بعد اپنے اوپر بدحواسی طاری کر کے صاحبزادہ بدرالدین صاحب کے کمرے میں پہنچ گیا۔ سامان الٹ پلٹ دیا۔ ایک قیمتی ہارمونیم اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور آپ کا بستر باہر گلی میں پھینک دیا۔ صاحبزادہ صاحب سمجھے شائد واقعی اسے پاگل پن کا دورہ پڑ گیا ہے۔ دارالعلوم میں احمد دین نامی ایک استاد بچوں کو تیاری کے بغیر سبق پڑھاتے تھے۔ مدرسہ کے طلبہ ان کی اس عادت سے نالاں تھے۔ صورتِ حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیخ نورالدین نے ڈنڈا اٹھایا اور استاد صاحب کے کمرے میں پہنچ کر للکارا کہ کہاں ہے وہ مولوی جو بغیر مطالعہ سبق پڑھاتا ہے؟۔ استاد جی نے کواڑ بند کر لئے۔ وہ زور زور سے ڈنڈا دروازے پر مارتا ہوا کھیتوں کی طرف نکل گیا۔

حضرت ثالث صاحب کو اس کی بیماری کی خبر پہنچی تو آپ نے دودھ اور گھی بھجوایا اور ایک خادم اس کے سر میں مالش اور خدمت کے لئے مامور فرما دیا۔ عین اس وقت جب اس کے سر میں گھی سے مالش ہو رہی تھی، استاد صاحب کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے پھر للکارا تو استاد صاحب بھاگ کھڑے ہوئے۔ شیخ نورالدین رات بھر دودھ پیتا رہا مالش کراتا رہا اور اس جملے کی تکرار کرتا رہا کہ یہاں قمرالدین کے سوا کوئی بھی کام کا نہیں۔ اس کی ڈرامہ بازی سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ استاد صاحب نے مطالعہ اور تیاری کے ساتھ سبق پڑھانا معمول بنالیا۔

خواجہ صاحب نے فرمایا، شیخ مذہباً وہابی تھا البتہ حضرت ثالث صاحب کے متعلق کہتا تھا کہ ان پر ظلِ الٰہی ہے۔

﴿۲۲ رجب ۱۳۹۶ھ، 17 جولائی 1976 بروز ہفتہ﴾

آج بعد نمازِ عصر مسجد میں حضور شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ قاری صاحب، طلبا و دیگر احباب موجود تھے۔ محمد یوسف افریقی حاضر ہوا، دست بوسی کی۔ میں نے عرض کیا کہ یوسف صاحب اب پنجابی زبان جاننے لگے ہیں اور ماہیا بھی کہہ لیتے ہیں اور افریقی صاحب سے کہا، رات جو ماہیا سنایا تھا حضور کو بھی سنائیں۔ انہوں نے سنایا

کالے کاں ماہیا ــــــ جے او پچھسن، لیساں تیرا ناں ماہیا

ماہیا سنکر حضور غریب نواز نے فرمایا! یہ شرح ہے حضور غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے اس شعر کی

چونکیرین آیند و پرسند کہ ربّ تو کیست ــــــ گویم آنکس کہ ربود ایں دلِ دیوانہِ ما

اس کے بعد فرمایا! اردو ادب میں بڑی فصاحت ہے۔ استعارات و تشبیہات سے اس میں وسعت پیدا ہوگئی ہے۔ پھر آپ نے نصیرؔ کا یہ شعر پڑھا۔

خیالِ زلفِ دوتا میں نصیرؔ پیٹا کر ــــــ گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

فرمایا! شعر میں خیالِ زلف کو لکیر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس شعر پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ آپ نے اُردو شعرا کا ذکر کرتے ہوئے غالب کے کمالِ فن کی تعریف بھی فرمائی۔

میں نے عرض کیا، غالب اور مولانا فضل حق کا بہت گہرا تعلق تھا۔ فرمایا ہاں! ان کا تعلق بڑا بے تکلفانہ تھا۔ ایک دفعہ غالب، مولانا کے پاس گئے تو مولانا نے امیر خسرو کا یہ مصرع پڑھا "بیا برادر نشیں آ بیٹھ جا بھائی۔" اتنے میں مولانا کی لونڈی پاندان لے کر آئی تو غالب نے کہا آپ نے ایک مصرع پڑھا ہے دوسرا میں پڑھ دیتا ہوں۔ "بیا مادر نشیں آ بیٹھ جا مائی۔" اس کے بعد فرمایا، کہ مولانا فضل حق کہا کرتے تھے کہ میں آج تک غالب کی ذہانت اور باریک بینی کا اندازہ نہیں کر سکا۔

اس دوران میں قاری صاحب نے عرض کیا، غالب کے بارے میں یہ تاثر عام

پایا جاتا ہے کہ وہ شیعہ تھا۔ میں نے تردید کی۔ میری تائید میں حضور غریب نواز نے فرمایا، اہل بیت کی تعریف کرنے والوں کو بلا وجہ شیعہ کہہ دیا جاتا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں:

لو کان حب آل محمد رفضا

فلیشھد الثقلان انی رافض

اہلِ تشیع نے امام موصوف کو اسی بیان کے حوالے سے شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ لو کا حرف موجود ہے۔ پھر فرمایا شیخ سعدی کو، من دست و دامانِ آل رسول، کی وجہ سے شیعہ کہا گیا، حالانکہ ایسا نہیں۔ سلسلہ کلام کے دوران میں آپ نے فرمایا کہ خواجہ عبید اللہ احرار فرماتے ہیں، اگر در ہوا پری مکسے باشی۔۔۔۔۔ الخ میں نے عرض کیا کہ میں سمجھتا تھا یہ ارشاد بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ آپ نے فرمایا! نہیں باوا صاحب کا ارشاد تو یہ ہے۔

جملہ فنون شیخ نیرزد بہ نیم خس   راحت بدل رساں کی ہمیں مشرب است و بس

پھر فرمایا کہ فقیری تو یہ ہے۔ لوگوں نے شعبدہ بازی کو فقیری بنا رکھا ہے

عزیز احمد

ایک دوسرے موقع پر حضور شیخ الاسلام دار العلوم میں تشریف فرما تھے۔ ڈاکٹر تسخیر احمد صاحب بھی حاضر تھے۔ مختلف موضوعات پر گفتگو ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا! حضرت ثالث غریب نواز مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو روضہ اطہر کے اندر شرفِ مزار بوسی حاصل کیا۔

پھر فرمایا! حضرت ثالث صاحب دہلی تشریف لے گئے۔ ایک صاحب ترکی نامی آپ کے شریکِ سفر تھے۔ انہوں نے آپ کے احباب کے ٹکٹ خرید لئے اور دورانِ سفر کھانے وغیرہ کا بل بھی ادا کیا۔ حضرت ثالث صاحب نے بہت کوشش کی کہ سفر خرچ خود ادا کریں لیکن ترکی صاحب نہ مانے۔ دہلی پہنچ کر آپ نے چاہا کہ کسی حیلے بہانے ترکی صاحب کی کچھ خدمت کر دی جائے، لیکن ترکی صاحب گاڑی سے اترتے ہی سٹیشن سے غائب ہو گئے۔ حضرت ثالث صاحب اکثر تاسف کا اظہار فرماتے کہ ترکی صاحب سے

کہیں ملاقات ہوتی تو ان کے ایثار کا بدلہ دیا جاتا۔ جب میں پہلی بار سفرِ حج پر گیا تو حرمِ مقدس میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جو ترکی زبان بولتے تھے۔ تعارف ہونے پر جب انہیں معلوم ہوا ہے کہ میں حضرت خواجہ ضیاالدین سیالویؒ کا خانہ زاد ہوں تو بہت خوش ہوئے اور زار زار رونے لگے۔ حضرت ثالثؒ کی شخصیت کے حوالے سے انہوں نے کہا، میں نے ان جیسا حلیم الطبع اور غیور انسان زندگی بھر نہیں دیکھا۔ پھر انہوں نے دہلی کے سفر کا واقعہ سنایا تو میں سمجھ گیا کہ موصوف وہی ترکی ہیں جن کا ذکر حضرت ثالثؒ فرمایا کرتے تھے۔ تب میں نے حضرت والدِ گرامی کی خواہش کی تکمیل کے لئے جی بھر کے ان کی خدمت کی۔

پھر فرمایا! جب حرم نبوی میں حاضری کا ارادہ کیا تو خیال آیا کہ روضہ اطہر پر کیا نذر کروں گا؟ لنگر شریف میں کچھ قیمتی جواہر، ہیرے اور یاقوت وغیرہ موجود تھے، ساتھ لے گیا اور روضہ مقدسہ پر نذر گزاری۔ ایک شُرطہ دیکھ کر کہنے لگا، یہ جواہرات مجھے دے دیں۔ میں نے کہا نہیں، آپ اپنے اللہ سے لیں۔

آپ نے فرمایا! میں نے مدینہ منورہ میں ایک بوڑھی عورت کا تعاون حاصل کیا۔ وہ مجھے سیّدزادیوں کے دروازوں پر لے گئی۔ حسبِ مقدور ہر دروازے پر نذرانہ پیش کیا۔ ملک اللہ بخش کی پوتی ملکانی نے بھی اپنے بہت سارے زیورات وہاں نذر کے لئے پیش کئے۔

پھر فرمایا! مسجد نبوی میں سیّد ابوبکر نامی ایک بزرگ سے شرفِ ملاقات حاصل ہوا۔ وہ بہت عبادت گزار تھے۔ میں ان کی خدمت میں نذر لے کر حاضر ہوا تو انہوں نے استفسار کیا کہ صدقہ تو نہیں؟ میں نے عرض کیا مسئلہ جانتا ہوں، زکوٰۃ یا صدقہ نہیں، نذرانہ ہے۔ انہوں نے قبول کرلیا۔ غالباً اس کی برکت سے کسی نامعلوم شخص نے روضہ اطہر کے اندر کی مٹی مجھے عطا کی، جو میں ساتھ لایا۔

فرمایا! اُن دنوں میں جوان تھا۔ صحت اچھی تھی، بھوک خوب لگتی تھی۔ مدینہ منورہ میں حاضر تھا۔ بھوک لگی تو اپنے احباب حضرت مرولوی (خواجہ محمد حسینؒ، معظم آبادی) اور اللہ داد ٹوانہ صاحب کے ہمراہ شہر سے باہر ایک ہوٹل پر کھانا کھانے

گیا۔ وہاں ایک بدوی لڑکا دیکھا، جس نے غربت وافلاس کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ رکھا تھا۔ معلوم ہوا کہ کئی دن سے وہ اور اس کے خاندان والے فاقہ سے ہیں۔ میں نے قسم کھائی کہ جب تک اسے اور اس کے کنبہ کے تمام افراد کو کھانا نہ کھلالوں، خود کھانا نہیں کھاؤں گا۔

ہوٹل والے سے پوچھا کہ کم سے کم وقت میں کتنا کھانا تیار کر سکتے ہو؟ اس نے کہا جتنا کہو۔ میں نے کہا جتنا پکا سکتے ہو پکاؤ۔ یہ دیکھ کر اس لڑکے نے ٹیلے پر چڑھ کر اہلِ خاندان کو آواز دی کہ کھانا مل رہا ہے سب آجاؤ۔ تب وہ سبھی وہاں جمع ہو گئے۔ کھانا تیار ہو گیا۔ مرلوی صاحب اور اللہ داد صاحب نے سب کو کھلایا۔ مرلوی صاحب نے کہا، ہم سمجھ رہے تھے کہ کھانا ضرورت سے زیادہ تیار ہو رہا ہے۔ لیکن ہمارا اندازہ غلط ثابت ہوا، کھانا نہ کم ہوا نہ باقی بچا۔ جب سب کھانا کھا چکے تب ہم نے کھانا کھایا۔ پورے حج میں اتنا لطف نہ آیا جتنا کھانے کے اہتمام میں آیا۔

پھر حضور نے اپنی جیب سے ایک ایک کر کے روپے نکالے اور مجھے فرمایا! انہیں طلبہ میں تقسیم کر دو۔ جب سب روپے گنے گئے تو ۹۲ تھے۔ فرمایا، بہترین عدد پر ختم ہوئے ہیں۔

عزیز احمد

﴿ ۱۳ رمضان ۱۳۹۶ھ، 8 ستمبر 1976 بروز بدھ ﴾

دارالعلوم سے آستانِ مقدس پر حاضر ہوا۔ قبلہ باواجی صاحب، ملک اکرم خان صاحب کے مکان پر علاج کے سلسلہ میں قیام پذیر تھے۔ حضور شیخ الاسلام نے آپ کی خیریت دریافت کی۔ پھر فرمایا! آج صبح نماز کے بعد مسجد میں لیٹ گیا۔ خواب میں حضرت خواجہ نظام صاحب تونسوی کی زیارت ہوئی، خوش تھے۔ فرمایا کہ چند اسماء حسنیٰ میرے پاس بھی ہیں مگر جو اسماء خواجہ خان محمد صاحب کے پاس ہیں ان کے اثرات وثمرات کہیں زیادہ ہیں۔ اس کے بعد قبلہ خواجہ فخر الدین صاحب اور مجھے ہمراہ لے کر سرگودھا تشریف لائے۔

﴿۱۹شوال ۱۳۹۶ھ، 14 اکتوبر 1976 بروز جمعرات﴾

بعد نمازِ ظہر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ زائرین اور تبلیغی جماعت کے لوگ حاضر تھے۔ اُن سے مختلف مسائل پر گفتگو فرما رہے تھے۔ دورانِ گفتگو فرمایا! کاش میں نے بھی حصولِ علم میں محنت کی ہوتی اور عالم ہوتا۔ پھر عربی کا یہ شعر پڑھا۔

صرفت العمر فی لھو و لعبٍ　　　فاھا ثم آھا ثم آھا

پھر فرمایا! ابن حاجب جب قتل ہونے لگا تو اس نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

ارمی قدمیّ اراق دمی　　　فھان دمی فھاندمی

محفل برخاست ہونے پر تبلیغی جماعت کے لوگوں نے الگ چائے پی اور راقم نے آپ کے ساتھ پی۔ حضور نے فرمایا! یہ لوگ ہمارے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

عزیز احمد

ایک بار دارالعلوم میں تشریف فرما تھے۔ تونسہ مقدسہ کا ذکر ہوا تو کئی بار یہ شعر پڑھا۔

تتمع من شمیم عرار نجد　　　و ما بعد العشیته من عرار

﴿۲۸ ربیع الاوّل ۱۳۹۷ھ 19 مارچ 1977 بروز ہفتہ﴾

بعد نمازِ ظہر حضور غریب نواز کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ بنگلہ شریف میں چارپائی پر آرام فرما تھے۔ میری حاضری سے کچھ دیر پہلے چائے پی کر فارغ ہوئے تھے۔ قدم بوس ہوا۔ حاجی محمد نواز صاحب کو حکم دیا، کرسی اور چائے لاؤ۔ اپنی پیالی میں چائے بخشی۔ تونسہ مقدسہ کے سفر کی تفصیل بیان فرما رہے تھے کہ نور زمان شاہ صاحب حاضر ہوئے۔ ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا! ایک دفعہ تونسہ شریف کے سفر میں یہ بھی ساتھ تھے، سفر گھوڑوں پر تھا۔ گرمی زوروں پر تھی۔ سخت پیاس نے سواروں اور سواریوں کو نڈھال کر رکھا تھا۔ ایک چرواہے سے پانی کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے بتایا کہ قریب تو نہیں، البتہ وہاں دور درختوں کے جھنڈ میں ممکن ہے مل جائے۔ نہیں تو اس سے کچھ آگے، ایسی ہی ایک جگہ ہے وہاں مل جائے گا، لیکن کھاری ہونے کی وجہ سے پینے کے لائق نہیں ہو گا۔ چنانچہ ہم اس کے بتائے ہوئے پہلے مقام پر پہنچے تو پانی کا نام ونشان تک نہیں تھا۔

دوسری جگہ پہنچے تو پانی دکھائی دیا۔ گھوڑوں نے لگامیں کھینچ کر پانی میں منہ ڈال دیئے۔ لیکن شور ہونے کی وجہ سے فوراً منہ اٹھا لئے۔ یہ دیکھ کر احباب گھبرا گئے۔ میں نے تسلی دی اور کہا کہ میں بھی تمہاری طرح پیاسا ہوں، گھبرائیں نہیں، اللہ کریم انتظام فرمادیں گے۔

رات کو پانی کے قریب کپڑے بھگو کر اور غسل کر کے سو رہے۔ خواب میں میرے شیخ حضرت حامد رحمتہ اللہ علیہ نے دودھ کا پیالہ مجھے عطا کیا اور فرمایا! کھیر پی لو۔ میں نے عرض کیا، آپ کو کیسے علم ہوا کہ ہم لوگ یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟ فرمایا! یہ کیسے ہوسکتا ہے، آپ تکلیف میں ہوں اور مجھے خبر نہ ہو۔ میں نے بیدار ہو کر خادم سے کہا، پانی لاؤ کہ کلی کروں۔ وہ پانی لینے گیا بہت دیر بعد آیا اور بتایا کہ میں نے پیاس کی شدت میں یہ جانتے ہوئے کہ پانی کڑوا ہے، چلو بھر پانی منہ میں ڈالا تو وہ بالکل سیال شریف کے کنویں جیسا میٹھا تھا۔ تمام احباب نے جی بھر کر پانی پیا، اب وہ پانی میٹھا تھا۔ اور دودھ بھی اتنا خوش ذائقہ تھا کہ آج تک ایسا دودھ نصیب نہیں ہوا۔ یہ میرے آقا و مرشد حضرت خواجہ حامد تونسویؒ کی کرامت تھی۔

حضرت تونسویؒ کی ایک دوسری کرامت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا! میں پھوپھی صاحبہ کو ساتھ لے کر تونسہ مقدسہ سے واپس آ رہا تھا۔ کوٹ سلطان کے سٹیشن پر گاڑی کے انتظار میں بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ مائی صاحبہ بھی ساتھ ہیں، سیٹ کا بندوبست کیسے ہوگا۔ دریں اثناء کسی نے آواز دی کہ سیکنڈ کلاس کا ڈبہ آگے لگے گا۔ میں مائی صاحبہ کو ہمراہ لے کر تھوڑا آگے جا کر رکا تو اتنے میں گاڑی آ گئی اور وہ ڈبہ ہمارے قریب آ کر رکا۔ میں پہچان گیا کہ آواز حضرت تونسویؒ کی تھی۔

حضرت تونسویؒ کی ایک اور کرامت کا ذکر اس طرح کیا کہ ایک بار اسی سٹیشن پر میں، قبلہ مائی صاحبہ کے ہمراہ موجود تھا۔ میں نے سیٹ ریزرو نہیں کروائی تھی۔ میں، مائی صاحبہ کو لے کر مردانہ ڈبے میں داخل ہوگیا۔ جس کے ایک حصہ میں ایک سیٹ نیچے اور ایک اوپر ہوتی تھی۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اتنے میں کسی نے ٹھوکر لگاتے ہوئے دروازہ کھولنے کے لیے کہا اور قلی کو ہدایت کی کہ وہ سامان اندر رکھے۔ میں نے اس

سے مخاطب ہو کر کہا میرے ساتھ معمر پردہ دار خاتون ہیں، آپ دوسرے ڈبہ میں چلے جائیں۔ اس نے تکرار شروع کر دی کہ آپ خاتون کو لے کر مردانہ ڈبے میں کیوں داخل ہوئے؟ میں نے کہا قانون کی نہیں، مروّت ورواداری کی بات کر رہا ہوں۔ اس نے کہا، ایسا نہیں ہوگا۔ میں نے کہا، تمہیں اندر داخل نہیں ہونے دوں گا۔ اُس نے کہا، آپ مجھے مردانہ ڈبے میں بیٹھنے سے کیسے روک سکتے ہیں؟ میں نے کہا، جنگ سے۔ وہ سٹیشن ماسٹر کے پاس شکایت لے کر گیا۔ سٹیشن ماسٹر کا موقف بھی یہی تھا کہ مجھے مردانہ ڈبے سے نکلنا پڑے گا۔ میں تھوڑا سا پریشان ہوا۔ اتنے میں دیکھا کہ میری داہنی طرف حضرت حامد رحمتہ اللہ علیہ کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں، مولوی صاحب کیوں گھبرا گئے ہیں! عرض کیا، حضور ایسی کیفیت میں گھبرانا فطری امر ہے۔ فرمایا! یہ ڈبہ مردانہ نہیں، زنانہ ہے۔ ذرا دیکھیے تو! میں نے حضرت صاحبؒ کے ایما پر سٹیشن ماسٹر سے کہہ دیا کہ یہ ڈبہ مردانہ نہیں، زنانہ ہے۔ چنانچہ اب انہوں نے دیکھا تو اس ڈبے اور ساتھ والے دونوں ڈبوں پر زنانہ لکھا ہوا تھا۔ سٹیشن ماسٹر شرمندہ ہوا اور اس نے معذرت کی ...... پھر فرمایا کہ حضرت تونسویؒ اگر کرم نوازی فرمائیں تو ایسی چھوٹی موٹی مشکلیں حل کر دینا ان کے لئے بہت آسان ہے۔

پھر فرمایا! ایک دفعہ ہم تونسہ شریف حاضری کے لیے نئے (پانی کا نالہ) سے گزر رہے تھے۔ میرے ساتھ نور زمان شاہ بھی تھا۔ اس وقت پل نہیں تھا۔ پانی میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ جب نئے کے درمیان پہنچے تو پانی کا ریلا آیا، میرے پاؤں اکھڑ گئے۔ میں نے نور زمان شاہ کو الوداعی سلام کہا اور غوطے کھانے لگا۔ نور زمان شاہ نے آواز دی کہ حوصلہ رکھو، میں پہنچتا ہوں۔ اتنے میں عالم غیب سے دو تیراک آئے جنہوں نے مجھے سہارا دیا۔ میں نے نور زمان شاہ کو آواز دی کہ اپنی خبر لو میری فکر نہ کرو۔ دونوں آپس میں کسی اجنبی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ مجھے کنارے تک پہنچا کر غائب ہو گئے۔

پھر حضرت شیخ الاسلام نے اپنی سبز رنگ کی گھوڑی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ غیور اور پیار کرنے والی گھوڑی تھی۔ ایک دفعہ خواجہ معظم دین صاحب سیالوی نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ میں نے خواجہ صاحب سے پیچھے ہٹ جانے کو

کہا، لیکن انہوں نے اسے پھر پچکارا تو گھوڑی نے ان کی قمیض دانتوں میں لے کر پھاڑ دی۔ پھر فرمایا ایک دفعہ بیماری میں علاج کے لیے اسے تمبا کو کھلانے لگے تو اس نے نہ کھایا۔ میں نے کہا ''ساوی کھالے'' تو میری طرف دیکھ کر کھانے لگی۔ فرمایا اس میں وفا تھی۔ حیا اور غیرت تھی!

﴿۴ جمادی الآخر ۱۳۹۷ھ، 22 مئی 1977 بروز اتوار﴾

حضور شیخ الاسلام آج دارالعلوم میں تشریف لائے۔ ڈاکٹر تسخیر احمد صاحب، قاری صاحب اور چند طلبا موجود تھے۔ میں حاضر ہوا تو از راہِ غلام نوازی میرے ہاتھ کو اپنے ہونٹوں کے قریب کر لیا۔ بندہ نے عینک اتار کر مزے سے دست بوسی کی۔ آپ نے خیریت دریافت فرمائی۔ کچھ دیر بعد عرض کیا، حضور آج گرمی کچھ زیادہ ہے۔ فرمایا ہاں! مگر ایسا بھی ہے۔

غبارِ چہرۂ گردوں دلیلِ باراں است

حاجی نور محمد نے چند آدمیوں کو بیعت کے لیے پیش کیا تو مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا! مولوی صاحب! بیعت کریں۔ میں نے معذوری ظاہر کی۔ فرمایا! تمہیں بیعت کی مکمل اجازت ہے، بیعت کیا کریں۔ پھر حاضرین کو بیعت فرمایا! میں نے حضور کے اس ارشاد سے جو کچھ سمجھا وہ درست ثابت ہوا کہ ایک ماہ بعد قبلہ باوا جی صاحب کا انتقال ہو گیا۔

پھر فرمایا! خواجہ عبدالرحیم صاحب مہاروی نے زمین کے بارے میں صاحبزادہ نذیر سلطان سے، جو حکومتِ وقت میں کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں، سفارش کرنے کا حکم دیا ہے۔ میرے لیے یہ مرحلہ آزمائش سے کم نہیں۔ ان سے ایسے روابط نہیں، لیکن پیر کے فرمان کی تعمیل بھی ضروری ہے۔ ایسے موقع پر عزت نفس کا دھیان رکھنا دنیائے عشق میں حرام تصور کیا جاتا ہے۔

مجلس میں موجود ایک طالبعلم مظاہر الحق اترا سے پوچھا، کیا پڑھتے ہو؟ اس نے عرض کیا بارہویں جماعت کا طالبعلم ہوں...... پھر فرمایا! پاکستان بننے سے پہلے کا واقعہ ہے، چنیوٹ کا ایک حکیم کہنے لگا کہ نبض دیکھنے کی فیس پانچ روپے لیتا ہوں۔ دورانِ گفتگو اس نے

خواجہ غلام فخر الدین صاحب سے استفسار کیا کہ بادیان کسے کہتے ہیں؟ خواجہ صاحب نے حیرت سے پوچھا کہ آپ ہی نبض دیکھنے کے پانچ روپے لیتے ہیں۔ اس نے کہا جی ہاں۔ خواجہ صاحب نے کہا! انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جو بادیان نہیں جانتا، وہ نبض دیکھے اور حکیم کہلائے تو قیامت سے کم نہیں۔

میں حضرت باوا جی صاحب کی تکلیف کی اطلاع پا کر مکان شریف پر حاضر ہوا۔ حضور دوسرے دن دارالعلوم میں تشریف لائے۔ آپ کو میری رخصت کی وجہ معلوم ہوئی تو خواجہ عبدالرحیم صاحب مہاروی کے ہمراہ مکان شریف پر تشریف لائے۔ حضرت باوا جی صاحب نے جسمانی نقاہت کے باوجود استقبال کے لیے مکان شریف سے نیچے والے کھیت تک حاضر ہو کر زمین بوسی کی۔ حضور شیخ الاسلام نے گلے لگا کر ماتھا چوما، دعا دی اور فرمایا، میاں صاحب روحانیت کے زور پر ایسا کر لیتے ہیں۔ پھر فرمایا! صاحبانِ معرفت کی روحانیت جب انتہا کو پہنچتی ہے تو وہ اس دارِ فانی سے رخصت ہو جاتے ہیں۔...... فرمایا! میاں صاحب والدِ گرامی (حضرت ثالث سیالوی رحمۃ اللہ علیہ) کی آخری نشانی ہیں، انہوں نے تصوف کو خوب سمجھا ہے۔

ڈیڑھ ماہ بعد جب حضرت باوا جی صاحب کا انتقال ہوا تو صاحبزادہ نصیر الدین صاحب سیالوی نے سنا کہ حضور نے فرمایا!

پاک زاد و پاک بود و پاک رفت

جنازے کے لیے تشریف لائے، میں نے قدم بوسی کی تو فرمایا "میرا دُرِ یتیم، یتیم ہو گیا"۔ میں نے جواباً عرض کیا حضور کا سایہ سلامت رہے تو کوئی غلام بھی یتیم نہیں ہو گا۔ نماز جنازہ کے بعد دعا فرمائی، چہرے کا بوسہ لیا اور فرمایا! بارگاہِ رسالت میں حاضری کے وقت میرا اسلام عرض کرنا۔

اُسی روز ایک نشست میں ارشاد فرمایا! با خدا لوگ دنیا میں رہتے ہوئے نو حصے متوجہ الی اللہ اور ایک حصہ متوجہ الی الخلق ہوتے ہیں اور بعد از وصال بقاء رتبہ و رابطہ کے لئے ان کی توجہ ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف اور نو حصے دنیا والوں کی طرف ہوتی ہے۔

نمازِ عصر کے بعد حضرت باوا جی صاحب کے مزار پر تشریف لے گئے اور میرے لیے دعا فرمائی۔ وَقَالَ اِنَّه' تَعَالٰی قَادِرٌاَن یَّزِیْدَ عَلٰی اَسْلَافِه :

پھر سات روز بعد ۱۶ رجب ۱۳۹۷ھ کو دادا جی صاحب کے عرس پر دوبارہ تشریف لائے۔ اور لایزال العبد یتقرّبُ اِلَی العبد الخ کے موضوع پر تقریر فرمائی۔

چہلم پر پہلے حضرت صاحبزادہ حمید الدین صاحب کو بھیجا پھر خود تشریف لائے۔ فرمایا مجھے خیال آیا کہ جب تک زندہ ہوں خود کیوں نہ جاؤں۔ پورا دن قیام فرمایا۔ مزار شریف پر تشریف لے گئے اور میرے لئے دعا فرمائی۔ عصر کی نماز کے بعد واپس تشریف لے گئے۔

12 اگست 1977ء کو صاحبزادہ قطب صاحب پاکپتن شریف والوں کے حکم پر تمام خلفا کو لاہور طلب فرمایا۔ میں علی الصبح سرگودھا کوٹھی پر حاضر ہوا۔ گاڑی میں اپنے ساتھ بٹھا کر لاہور لے گئے۔ راستے میں مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ دورانِ گفتگو فرمایا کہ ایک دفعہ میں پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی مزاج پرسی کے لئے گولڑہ شریف گیا تو حضرت عبداللہ صاحب نے میری طرف اشارہ کر کے پیر صاحب سے کہا کہ انہیں کچھ تلقین فرمائیں۔ پیر صاحب نے کیمیائے سعادت کے مطالعہ کی ہدائت کی۔
میں نے جواباً کہا شاہ صاحب! میں تو مزاج پرسی کے لئے آیا ہوں، کیمیائے سعادت خواجہ شمس العارفینؒ کے روضہ مقدسہ کے کبوتر بھی پڑھتے ہیں...... پھر فرمایا کہ دنیائے طریقت میں اپنے پیر کے علاوہ کسی اور سے فیض لینا جرم تصور ہوتا ہے۔ تب یہ شعر پڑھا۔

آئینہ نیست دل کہ دہد جا بہر کسے
ایں پارۂ عقیق بنامِ تو کندہ شد

منشی عبدالحق صاحب بھی ہمراہ تھے۔ دریائے راوی کے پل پر پہنچے تو انہوں نے اردو کا ماہیا پڑھا۔

راوی کا کنارہ ہے ہر موج کے ہونٹوں پہ افسانہ تمہارا ہے

سن کر بہت خوش ہوئے۔ پوچھا یہ ماہیا کس کا ہے۔ منشی صاحب نے عرض کیا حاجی لق لق کا۔

منشی صاحب نے بتایا کہ ایک مرتبہ حضور کے حکم پر یہ شعر پڑھا تو بہت خوش ہوئے۔

تری آنکھیں جنہیں بھی بخش دیں عرفانِ سرمستی
وہ دیوانے فریب ہوش میں آیا نہیں کرتے

ایک مرتبہ مکان شریف پر عزیز حامد عزیز سلمہٗ کو بیعت کے لئے پیش کیا تو میں نے بھی تجدید بیعت کے لئے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا! تمہارے جدِ امجد کی بیعت اتنی مضبوط ہے کہ سات نسلوں تک بیعت کی ضرورت نہیں۔ پھر آپ نے تُلسی کا یہ شعر پڑھا۔

تُلسی بانہہ اصیل کی بھولے سے چھو جائے
آپ نبھائے عمر بھر بیٹوں سے کہہ جائے

﴿۲۹ رجب المرجب ۱۳۹۸ھ، 6 جولائی 1978 بروز جمعرات﴾

حسبِ حکم ضیاء منزل کٹھوائی حاضر خدمت ہوا تو آپ ایک درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں چارپائی پر آرام فرما تھے۔ فرمایا ایک زمانہ گزرنے کو ہے مگر بہت بچپن کی باتیں بھی ابھی یاد ہیں۔

فرمایا! حضرت دادا جی (حضرت خواجہ محمد دین ثانی رحمتہ اللہ علیہ) کے زمانہ حیات تک تو میں اپنے والدِ گرامی سے بالکل مانوس نہیں تھا۔ ایک دن مراد علی اور بابا عثمان حضور ثانی کو ''مکّیں'' مار رہے تھے۔ میں سمجھا کہ یہ لوگ آپ کو مار رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔

پھر ارشاد فرمایا! اسی زمانہ میں اماں جی کے ساتھ نہال 'ٹھٹھہ میاں پناہ' گیا۔ چونکہ میں ہمہ وقت حضرت ثانی کے پاس رہتا تھا اس لئے وہاں جا کر دادا جی کو یاد کر کے رونے لگا۔ اماں جی نے حضرت امیر علی، جو عمر میں حضرت ثانیؒ کے لگ بھگ تھے، کی طرف اشارہ کر کے فرمایا! یہ دادا جی ہیں۔ (حضرت امیر علی حضرت ثانی صاحب کے چچا زاد کے بیٹے تھے)۔ میں نے انہیں دیکھ کر کہا، یہ تو کُھڑے (جو زیادہ خوبصورت نہ ہو) ہیں۔ میرے دادا جی تو سوہنے ہیں۔ حضرت امیر علی نے پوچھا کہ صاحبزادہ صاحب کیا کہتے ہیں؟ اماں جی نے میری بات اُسی طرح دہرا دی۔ اُنہوں نے سن کر کہا، صاحبزادہ صاحب

ٹھیک کہتے ہیں، میں تو حضرت ثانی صاحب کی خاک پا کے برابر بھی نہیں ہوں۔حضرت ثانی صاحبؒ کو میری معصومانہ بات کا علم ہوا تو بہت شفقت کی اور کافی دیر تک مجھے اپنے سینہ مبارک پر بٹھائے رکھا۔

ارشاد فرمایا! ایک مرتبہ حضرت ثانی صاحبؒ نے میرے بارے میں پوچھا کہ کہاں ہے۔گھر والوں نے بتایا کہ باہر کہیں کھیل رہا ہے۔گلی میں اسے سرخ یا سبز رنگ کا پھٹا پرانا کپڑا مل جائے تو اٹھا کر سر پر باندھ لیتا ہے۔ مجھے بلوا کر دادی صاحبہ سے کہا کہ دہلی، اجمیر شریف، پاکپتن شریف، مہار شریف اور تونسہ مقدسہ کی جتنی دستاریں تبرّکات میں محفوظ ہیں لے آئیے۔ پھر ایک ایک کر کے سب میرے سر پر باندھ دیں۔ میں بہت کم عمر تھا۔اتنے عمامے میرے سر پر عجیب بہار دے رہے تھے اور میرا معصومانہ پن سنجیدگی میں ڈھلتا دکھائی دے رہا تھا۔

حضور کھوائی بنگلہ شریف میں تشریف فرما تھے۔عصر کی نماز کے بعد ارشاد فرمایا! میاں صاحب کے لیے دل اداس ہے، گفری چلتے ہیں۔ 5 بجے بنگلہ سے چل کر 6 بجے کے قریب مکان شریف پہنچے۔نماز مغرب کے بعد کافی دیر تک روضہ مقدسہ میں تشریف فرما رہے۔ہر نماز کے بعد مکان شریف کی آبادی کے لئے دعا فرماتے رہے۔

صبح ناشتہ کے بعد زائرین حاضر خدمت تھے۔ میں نے عرض کیا، حافظ صاحبؒ نمل والے سھرال میں پیدا ہوئے اور گفری رہائش رکھی۔انکی ہمشیرہ اور بھائی کا مزار یہیں ہے۔حضرت خواجہ شمس العارفینؒ سے کہاں ملاقات ہوئی؟ آپ نے فرمایا، کابل سے واپسی پر ان دونوں حضرات کی ملاقات ہوئی تھی۔

عزیز احمد

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ

کی

دو یادگار محفلیں

صاحبزادہ محمد مسعود احمد

(۲۶ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ بمطابق 24 دسمبر 1981ء بروز جمعرات)

مقامِ مجلس: ڈیرہ حاجی غلام محمد مرحوم، چک 74 شمالی۔ سرگودھا

ڈاکٹر محمد سعید مرحوم، ڈاکٹر عبدالحق صاحب، ملک نور حسین صاحب، راقم اور دیگر احباب حاضر خدمت تھے۔ مختلف موضوعات پر گفتگو ہو رہی تھی۔

فرمایا......! ۲۱ صفر کو حضرت خواجہ شمس العارفین سیالویؒ کے عرس پر سیال شریف حاضر ہوا تو نائب شیخ الاسلام خواجہ محمد حمید الدین سیالوی مدظلہم نے ازراہِ شفقت فرمایا کہ "مجھے روضہ اقدس میں حاضری دلوا لائیں" درحقیقت آپ مجھے حضرت شیخ الاسلامؒ کی بارگاہ میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ میں کافی دیر تک حضور کی معیّت میں روضہ شریف کے اندر حاضر رہا۔ حاضری کے بعد آپ نے حضور شیخ الاسلامؒ کا کمبل تبرکاً عطا فرمایا۔ (الحمدللہ علیٰ ذالک)

دورانِ گفتگو نزلہ کی وجہ سے آپ کو چھینکیں آ رہی تھیں اور حاضرین میں سے ایک صاحب ہر بار یرحمک اللہ کہے جا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا ایک مرتبہ یرحمک اللہ کہہ دینا کافی ہے، تکرار کی ضرورت نہیں۔

اس ضمن میں حضرت شیخ الاسلامؒ کی روایت سے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک مولوی صاحب، بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور السّلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ کہا۔ جواب میں بادشاہ نے صرف وعلیکم السلام کہہ دیا۔ مولوی صاحب کہنے لگے کہ آپ کو سلام کا اسلامی جواب دینا چاہیے تھا، یعنی وعلیکم السّلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔ بادشاہ کو مولوی صاحب کی بات پر تعجب ہوا اور غصہ بھی آیا۔ اس نے فوج کے ایک دستہ کے کماندار کو حکم دیا کہ فوجی جوان باری باری آئیں اور مولوی صاحب کو سلام کہیں۔ چنانچہ فوجی آتے اور السّلام علیکم و رحمتہ اللہ وبرکاتہٗ کہہ کر گزر جاتے۔ مولوی صاحب ہر فوجی کے سلام کا جواب وعلیکم السّلام و رحمتہ اللہ وبرکاتہٗ سے دیتے۔ کچھ دیر تو یہ سلسلہ چلتا رہا، آخر مولوی صاحب نے تھک کر جواب میں تخفیف کر لی اور وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ کہنے لگے۔ فوجی کم ہونے میں نہیں آ رہے تھے۔ ادھر مولوی صاحب اکیلے جواب دینے والے تھے۔ تھوڑی دیر مزید گزری تو ان کا

اسلامی جواب وعلیکم السلام تک سمٹ آیا۔ بادشاہ مولوی صاحب کی کیفیت دیکھ کر محظوظ ہو رہا تھا۔ آخر کار وعلیکم السّلام سے جب بات وع وع تک پہنچی اور سلام کہنے والوں میں بھی کوئی کمی نہ ہوئی تو مولوی صاحب کی سانس اکھڑی اور بے ہوش ہو گئے۔

وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ سے بات چلی۔ فرمایا! معراج کی رات عالم بالا کی سیر کرتے ہوئے سرور عالم ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ کے اس فرمان کی وضاحت چاہتا ہوں " علماء امتی کانبیاءِ بنی اسرائیل "O یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں جیسے ہیں۔

آپ نے اس حدیث پاک کی وضاحت یوں کی کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ حضور کی امت کے علماء منصبِ نبوت میں انبیائے سابقین سے تطابق رکھتے ہیں۔ بلکہ یہاں صرف علم وحکمت میں اولیائے امت کی گرانقدر صلاحیتوں کا اعتراف مقصود ہے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصرار پر حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت امام غزالیؒ کی روح کو طلب فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امام غزالی کو سلام کہا تو جواب میں انہوں نے وعلیکم السّلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ عرض کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا! اتنا طویل جواب دینے کی ضرورت نہیں تھی، صرف وعلیکم السّلام کہہ دینا کافی تھا۔ امام غزالی نے عرض کیا کہ اللہ رب العزت نے آپ کو ہمکلامی کا شرف بخشا تھا، جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے سوال کیا۔

مَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یَا مُوْسٰیO اے موسیٰ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟

تو جواب میں صرف اتنا عرض کر دینا کافی تھا۔ ھِیَ عَصَایَO یہ عصا ہے۔ لیکن آپ کا جواب یہ تھا۔

ھِیَ عَصَایَ اَتَوَکَّـؤُ عَلَیْھَا وَاَھُشُّ بِھَا عَلٰی غَنَمِی وَلِیَ فِیْھَا مَاٰرِبُ اُخْرٰیO

یہ میرا عصا ہے، اس پر ٹیک لگاتا ہوں، اس کے ساتھ بکریاں ہانکتا ہوں اور میرے لئے اس میں اور کئی فائدے ہیں۔

آپ کا یہ جواب بھی طوالت پر مبنی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا! طویل جواب دے کر میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ دیر ہمکلامی کا شرف حاصل کرنا چاہتا تھا۔ امام غزالی نے کہا، میں بھی یہ چاہتا تھا کہ آپ سے محوِ کلام رہ کر، آپ کی صحبت سے زیادہ سے زیادہ مستفیض ہوسکوں۔

نبی کریم ﷺ نے امام غزالی کے جواب سے خوش ہوکر اپنا دستِ اقدس ان کی پُشت پر رکھا، جس کا نشان عالم وجود میں آنے کے بعد، ان کے دو کندھوں کے درمیان چاندی کی طرح چمکتا تھا۔

فرمایا......! حضرت امام غزالی، جامعۃ الازہر مصر کی اوّلیں کلاس کے طالب علم تھے۔ جامعہ کے آغاز کے دنوں میں ایک رات شیخ الجامعہ نے ادارے کا معائنہ کیا تو طلبہ کو مصروف مطالعہ پایا۔ مختلف طلبہ سے انٹرویو کیا۔ ایک سوال تقریباً تمام طلبہ سے پوچھا کہ تمہارا علم حاصل کرنے کا مقصد کیا ہے؟ کسی نے جواب دیا کہ تحصیل علم سے اچھا معاش میسر ہوگا۔ کسی نے کہا دنیا میں عزت حاصل ہوگی تو کسی کا جواب تھا کہ بے کار رہنے سے پڑھنا بہتر ہے۔ امام غزالی الگ کونے میں بیٹھے محو مطالعہ تھے۔ جب یہی سوال ان سے کیا گیا تو انہوں نے کہا کسبِ علم سے میری غرض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے۔

شیخ الجامعہ اس جواب سے بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ میری کاوش کا عوض مجھے مل گیا۔ میرے مدرسہ میں کم از کم ایک طالب علم تو ایسا ہے، جو اللہ کریم کی رضا کی خاطر علم حاصل کررہا ہے۔

فرمایا......! حضرت مولانا حافظ جمال الدینؒ، حضور خواجہ شمس العارفین سیالویؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کا مزار کفری کے قبرستان میں واقع ہے۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلامؒ مکان شریف پر تشریف لائے۔ آپ جب قبرستان کے پاس سے گزرے تو میاں محمد چینی نے عرض کیا کہ میرے والد کا مزار سامنے ہے، آپ ان کی مغفرت کیلئے دعا فرما دیجیے۔ آپ نے دعا فرمائی۔ میں نے عرض کیا کہ حضور پیر سیال غریب نوازؒ نے اہل قبرستان کو ایک مرد قلندر عطا کیا ہے، سب جس کی پناہ میں ہیں۔ میری مراد حضرت مولانا جمال الدینؒ ہیں۔

آپ ان کیلئے بھی ایصال ثواب فرمادیں تو ان کی روح خوش ہوگی۔حضرت شیخ الاسلامؒ نے فرطِ مسرت سے مجھے گلے لگالیا اور فرمایا! ''تم نے اچھا کیا جو مجھے یاد دلا دیا۔'' تب آپ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور کافی دیر تک دعا فرماتے رہے۔

حافظ صاحبؒ حضوری بزرگ تھے۔سورہ الحجرات میں ارشاد ہے ۔لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ۝ اپنی آوازیں نبی کریم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو۔ یہ حکم حافظ صاحبؒ پر گویا حال بن کر وارد ہوا۔ وہ خلوت ہو یا جلوت، سرگوشی کے انداز میں گفتگو کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حافظ صاحبؒ کو خواب میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا دستِ اقدس ان کے ہاتھ پر رکھا تو وہ چاندی کی طرح چمکنے لگا۔ حافظ صاحبؒ اس معجزہ رسالت مآب ﷺ کو چھپانے کیلئے ہمہ وقت ہاتھ پر کپڑا لپیٹے رہتے تھے۔

فرمایا......! گزشتہ سال یوم عاشورہ کو میں حضرت حافظ جمال الدینؒ کے مزار پر فاتحہ کیلئے حاضر ہوا اور ایک معطر غلاف مزار مبارک پر چڑھایا۔ کفری کا ایک رہائشی نوجوان، جو ان آداب و رسوم کو ناجائز سمجھتا تھا، یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے دل میں سوچا کہ کپڑا قیمتی ہے، رات کو اُچک لوں تو کسی کام آئے گا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

دوسرے دن میں بیٹھا تھا کہ ایک بڑھیا اس نوجوان کا ہاتھ پکڑے میرے پاس لائی اور آہ و زاری کرنے لگی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ نوجوان رات کو غلاف چُرانے حضرت حافظ صاحبؒ کے مزار پر گیا۔ حافظ صاحبؒ کے جلال سے اس کی بینائی سَلب ہوگئی اور اب اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اسے اپنے کئے پر بہت ندامت تھی۔ میں نے اسے کچھ کلمات بتائے اور حافظ صاحبؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھ کر ان کلمات کا ورد کرنے کو کہا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ وہ فاتحہ پڑھ کر واپس ہوا تو اس کی بینائی بحال ہوگئی۔

حضرت حافظ صاحبؒ اس کی جسارت پر شاید اتنی گرفت نہ کرتے، دراصل آپؒ نے میری لاج رکھی۔ وہ اگر غلاف اٹھا کر لے جاتا تو لوگ کہتے کہ اس کے اسلاف اتنے

کمزور ہیں جو اس کے دعوے کی لاج بھی نہ رکھ سکے۔

فرمایا......! منشی محی الدین صاحب، جو خواجہ احمد میرویؒ سے نسبت و عقیدت رکھتے تھے، ایک دفعہ کسی غلطی پر زیرِ عتاب آ کر کچھ عرصہ مکان شریف پر قیام پذیر رہے۔ اس وقت میری عمر تقریباً چودہ، پندرہ برس تھی۔ ایک دن میں نے انہیں گھر سے چائے لا کر دی۔ چائے کا ذائقہ شاید ان کی طبع نازک پر ناگوار گزرا، جس پر انہوں نے مجھے خوب ڈانٹا اور یہ بددعا بھی دی کہ خواہ کتنا پڑھ لو، عالم نہیں بن سکو گے۔ ان کی یہ بات سُن کر مجھے بہت دکھ ہوا۔

میں حضرت حافظ صاحبؒ کے مزار پر حاضر ہوا اور شکایت کی کہ منشی صاحب نے مجھے کہا ہے کہ تم عالم نہیں بن سکو گے۔ منشی صاحب کو خواب میں حافظ صاحبؒ کی زیارت ہوئی۔ انہیں فرمایا کہ ''تم چائے کی ایک پیالی پر اتنے بگڑے ہو، کیا تم ہمیشہ اچھی چائے ہی پیتے ہو جو یہ ناپسند تھی۔ پھر اس میں اس بچے کا کیا قصور تھا، جسے تم علم کی نعمت سے محروم رکھنا چاہتے ہو۔ منشی صاحب! تم نہ بھی چاہو تو بھی وہ انشاءاللہ ضرور عالم بنے گا۔''

اس خواب کے بعد منشی صاحب نے کبھی ناراضگی کا اظہار نہ کیا بلکہ اکثر میری دلجوئی کیا کرتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ کے وصال کے ضمن میں بات ہو رہی تھی۔ سیکرٹری خان محمد صاحب (ساکن شاہ یوسف) نے کہا کہ میں ریڈیو شوق سے نہیں سنتا، البتہ ٹیپ ریکارڈر کی ایک کیسٹ گھر میں موجود ہے، جس میں حضرت شیخ الاسلامؒ کا وصال نامہ ریکارڈ ہے۔ جب جی اداس ہوتا ہے تو وہ سن لیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ حضورؒ کے وصال کے بعد فراقیہ نظموں اور مرثیوں کا رواج عام ہو گیا ہے۔ میں انہیں ناپسند کرتا ہوں۔ کیونکہ ان کا موضوع، حیات بعد ممات کے عقیدہ کے منافی ہے۔ اس طرح ایک حقیقت جذباتیت کے پردے میں چھپ جاتی ہے اور سننے والے کا ذہن ظاہری کیفیات میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ ان اشعار کے مضامین سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ ہمیشہ کیلئے ہم سے بچھڑ گئے۔ گویا اب اپنے پیر سے ہمارا باطنی تعلق منقطع ہو گیا ہے۔

بے شک آنکھوں کا آنسو بہانا اور دل کا تڑپنا، ایک فطری عمل ہے لیکن اس خیال

سے رونا کہ شیخ ہمیشہ کیلئے ہم سے جدا ہو گئے بالکل لغو اور غلط ہے۔ درحقیقت اولیاء اللہ بعد ممات بھی عینِ حیات ہیں۔ ہمارے قریب ہیں۔ ہمارے حالات پر نظر رکھتے ہیں، دنیوی زندگی سے زیادہ اُخروی زندگی میں اپنے متعلقین سے رابطہ رکھتے ہیں۔

جیسا کہ حضرت امام غزالیؒ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ اس دنیا میں ہوتے ہیں تو ان کی نو حصے توجہ اللہ رب العزت کی طرف اور ایک حصہ مخلوقِ خدا کی طرف ہوتی ہے اور انتقال کے بعد بقاء رابطہ کیلئے ایک حصہ خدا تعالیٰ کی طرف اور نو حصے مخلوق کی طرف رہتی ہے۔

فرمایا......! حضرت باواجی صاحبؒ کے وصال کے بعد لوگ میرے پاس آتے اور اپنی سوچ کے مطابق تعزیت کرتے۔ کوئی آپ کی شفقت کو سراہتا اور اسے یاد کر کے اپنی پریشان خیالی کا اظہار کرتا۔ کوئی آپ کی قوتِ فیصلہ اور استقلالِ رائے کی تعریف کرتا اور اس نعمت کے کھو جانے پر آنسو بہاتا۔ غرض اپنی فکر کے مطابق ہر شخص آپ کے مرتبہ و مقام کا تعین کر کے اظہار افسوس کرتا اور رخصت ہو جاتا۔

گفری کا ایک غریب و سادہ اور اَن پڑھ شخص بھی پُرسہ دینے آیا۔ وہ تھا تو علم و حکمت سے کوسوں دور، لیکن اس نے بات بڑی پتے کی کی۔ کہنے لگا، حضرت باواجی صاحب ہم سے بس اتنا ہی دور گئے ہیں کہ اس بنگلہ (آپ کی جائے قیام کو عرفِ عام میں بنگلہ شریف کہا جاتا ہے) سے اُس بنگلہ شریف (مزار اقدس) میں منتقل ہو گئے ہیں۔ اب ہم زیادہ آزادی اور بے تکلفی سے آپ کے نئے محل میں حاضری دیں گے۔ اس سے پہلے اوقاتِ وظائف میں حاضری ممنوع تھی، اب ہمہ وقت آپ کے پاس جانے کی اجازت ہو گی۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس سادہ آدمی کی حکیمانہ بات سے بہت خوش ہوا۔ اب بھی اس سے ملاقات ہوتی ہے تو اس کی معنی خیز بات یاد آ جاتی ہے۔ واقعی اولیاء اللہ کا انتقال محض نقل مکانی ہے۔ بقول اقبال:

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

فرمایا......! خواب میں حضرت باواجیؒ صاحب کی زیارت ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ

آپ بہت دیر بعد شرف زیارت بخشتے ہیں۔ میں اُداس ہو جاتا ہوں۔ آپؒ نے فرمایا! ''کیا میں فلاں فلاں آدمی سے بھی تمہیں زیادہ دیر سے ملتا ہوں؟'' عرض کیا کہ بے شک اسی طرح ہے، لیکن اتنی تاخیر پر بھی شوقِ دیدار بے قرار کر دیتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ''میں حضرت شاہ اللہ بخش تونسویؒ کے احکام (عالم ارواح میں) کی تعمیل میں رہتا ہوں، اس لئے دیر ہو جاتی ہے۔ اللہ کی قسم! میں ہر وقت اسطرح (آپ نے دائیں ہاتھ کی پانچ انگلیاں ملا کر اشارہ کیا) تمہارے ساتھ رہتا ہوں۔''

خواب ہی میں حضرت باوا جی صاحبؒ کی ملاقات کا ذکر اس طرح کیا کہ ایک دفعہ آپ کی زیارت ہوئی۔ عرض کیا کہ کچھ پڑھ کر آپ کی روح مقدسہ کو ایصال کرتا ہوں، کیا آپ تک پہنچتا ہے؟ فرمایا! ''بالکل پہنچتا ہے۔ میں تمہیں پڑھتے ہوئے بھی دیکھتا ہوں۔ یہاں تک کہ تمہارا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، تمہارے تمام معمولات میری نظر میں رہتے ہیں۔''

حضرت باوا جی صاحبؒ کی لطافت طبعی کا ذکر فرمایا کہ ایک دن آپ شکر کوٹ جا رہے تھے۔ راستے میں ایک شخص خوبانی کے درخت پر چڑھ کر خوبانیاں توڑ رہا تھا۔ اس نے اوپر سے ہی آپ کو سلام پیش کیا اور خوبانیاں کھانے کی دعوت دی۔ آپ نے معذرت کرتے ہوئے جواب دیا کہ ''زمین سے اٹھا کر کھانے کی عادت نہیں اور جھولی پھیلا کر لینا ضمیر کے خلاف ہے''۔ (جھولی پھیلانے سے مراد ہے کہ وہ شخص خوبانیاں درخت سے گرائے اور آپ انہیں سمیٹنے کیلئے اپنا دامن پھیلا دیں)

(یکم ربیع الاوّل ۱۴۰۲ھ بمطابق 29 دسمبر 1981ء بروز منگل)

مقامِ مجلس: خانقاہ مکان شریف کُفری

مولانا محمد اسلم مرحوم کوڑھوی، محمد عزیز صاحب سیالوی، محمد عثمان غنی صاحب، راقم اور دیگر احباب حاضر خدمت تھے۔ اگلے دن، 2 ربیع الاوّل کو مکان شریف پر سرکار دوعالم ﷺ کے عرس پاک کا ختم تھا۔ اس موضوع پر مولانا محمد اسلم مرحوم سے بات ہو رہی تھی۔

فرمایا......! ۲ ربیع الاوّل کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے وصال کے مسئلہ پر علماء میں اختلاف ہے۔ فوائد الفواد، اخبار الاخیار اور اشعۃ اللمعات میں اکابر علماء کے مختلف اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ لیکن صحیح تر قول حضرت تمیم داریؓ کا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کی تاریخ ۲ ربیع الاوّل ہے۔ ۱۲ ربیع الاوّل کو عرس کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ۲ ربیع الاوّل کو حضور ﷺ کا وصال ہوا۔ ۳ ربیع الاوّل سے ۱۱ ربیع الاوّل تک ۹ ازواج مطہرات نے باری باری عرس کیا اور ۱۲ ربیع الاوّل کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بحیثیت خلیفۃ المسلمین جمیع امت کی طرف سے ایصالِ ثواب کیا۔ اس لئے ۱۲ ربیع الاوّل تک کسی بھی دن عرس کرنا امّتِ مصطفوی میں مرّوج ہے۔

حضرت خواجہ شمس العارفین سیالویؒ کے ملفوظات ''مراۃ العاشقین'' اور حضرت خواجہ نظام الدّین محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات ''فوائد الفواد'' میں حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے حوالے سے مرقوم ہے کہ حضور ﷺ کا وصال ۲ ربیع الاوّل کو ہوا، اس لئے اس دن کے عرس کو فضیلت حاصل ہے۔

عوام النّاس میں آنحضرت کے عرس کے حوالہ سے ''بارہ وفات'' کی اصطلاح مروّج ہے۔ جو تاریخی اور شرعی اعتبار سے غلط اور لغو ہے۔ تاریخی طور پر تو جیسے پہلے ذکر کیا گیا۔ شرعی طور پر اسلئے کہ پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ کے وصال کو وفات سے تعبیر کرنا، حیات انبیاء سے انکار ہے۔ حالانکہ ہر نبی زندہ ہے اس پر اجماعِ امت ہے اور قرآن وحدیث

شاہد ہیں۔ کلمہ میں محمد رسول اللہ، جملہ اسمیہ ہے۔ مبتدا کیلئے خبر کے ثبوت کے استمرار کو ثابت کرتا ہے، جو ثبوتِ مبتدا کے بغیر ناممکن التصور ہے۔ اسی طرح وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى O صحیح حدیث میں ہے۔ نَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ O اور، اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ O اس لئے اس غیر شرعی اصطلاح کو زبان پر لانا گناہ ہے۔

فرمایا......! خواص اور عوام کے اعمال میں فرق ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی امت کو تخصیص حاصل ہے کہ جب حضور کا کوئی امتی نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا ثواب نامہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے لیکن صرف برائی کا ارادہ کرنے پر اس کی گرفت نہیں ہوتی، جب تک کہ وہ اس پر عمل نہ کرے۔ پھر آپ نے فرمایا! بات بالکل اسی طرح ہے لیکن خواص کیلئے قاعدہ کلیہ مختلف ہے۔ گو برائی کا خیال آنے پر ان کے نامہ اعمال میں گناہ نہیں لکھا جاتا، لیکن اس بُرے اور مکروہ خیال کی نحوست سے وہ بچ نہیں پاتے۔ لہٰذا سالک کو اعمال کے ساتھ ساتھ اپنے خیالات کی بھی کڑی نگرانی رکھنی چاہیے۔

اس ضمن میں مشہور صوفی بزرگ حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ کا واقعہ بیان کیا، جنہیں حضرت داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں اولیائے متقدمین میں شمار کیا ہے۔ ایک دفعہ ان کے ایک ہمعصر درویش ان کے ہاں مہمان ٹھہرے۔ حضرت ابوسعیدؒ کی کم سن بچی نے مہمان کی خدمت بڑے سلیقے سے کی۔ وہ بڑے ادب سے ان کے ہاتھ دُھلا رہی تھی۔ آپ کے دل میں خیال گزرا کہ کتنا خوش نصیب ہوگا وہ شخص، جس کے نکاح میں یہ بچی جائے گی۔ اگلے لمحے وہ اس خیال پر نادم بھی ہوئے، لیکن اس دوران آپ کا خادم آیا اور عرض کی کہ بازار میں آپ کے بارے میں ایسی نازیبا باتیں ہو رہی ہیں کہ بیان نہیں کی جاسکتیں۔ استفسار پر اس نے بتایا کہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ شیخ اپنی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت شیخؒ نے فرمایا! کہ جب میرے دل میں یہ گمان گزرا تو مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی نحوست سے نہیں بچ سکوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے۔ مستقبل کے حالات اللہ کریم کے علم میں ہیں، سب کچھ اس کی ملکیت ہے اور میرا یہ

گمان اس کے علم وملکیت میں دخل دینے کے مترادف تھا، جس پر گرفت ہوئی۔

فرمایا......! جادو ایک حقیقت ہے اس سے کئی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ ایک دفعہ مجھ پر جادو کا اثر ہو گیا تھا۔ خواب میں مجھے دکھایا گیا کہ فلاں عورت نے جادو کیا ہے۔ اس کا اثر کئی سال تک رہا۔ جس رات یہ اثر ختم ہوا، اس رات خواب میں پھر وہی عورت دکھائی گئی۔

فرمایا......! اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری کے بعد کسی سے بات کئے بغیر دو رکعت نفل ادا کرنے کی بڑی فضیلت ہے۔ اگر وقت کی کمی کے سبب ایسا ممکن نہ ہو تو پانچ مرتبہ تیسرے کلمے کا ورد کر لینا چاہیے۔ چوتھا کلمہ تو ایک بار پڑھ لینے سے ایک غلام آزاد کرنے کا اجر ملتا ہے۔

فرمایا......! میرے استادِ گرامی حضرت مولانا سردار احمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ صلوٰۃ وسلام سے پہلے تعوذ نہیں پڑھنا چاہیے۔

فرمایا......! وادی سُون میں یہ دعائیہ جملہ اکثر بولا جاتا ہے، ''دُور بلایں۔ رَد بلایں'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے۔ آپ کی تمام مصیبتیں دور فرمائے۔ اکثر لوگ مجھے مخاطب کرتے ہوئے جب یہ دعا دیتے ہیں تو بہت اچھا لگتا ہے۔

فرمایا......! باعزت زندگی گزارنا مشکل نہیں، بشرطیکہ انسان عزت کرانا جانتا ہو۔

فرمایا......! خیر اور شر آپس میں ملتے ہیں تو شر غالب آ جاتا ہے۔ ایسی خیر سے پرہیز بہتر ہے، جس میں شر کی آمیزش کا اندیشہ ہو۔

فرمایا......! بُرے عقیدے کی نحوست کبھی نہ کبھی آ دبوچتی ہے۔

فرمایا......! جب تک کسی انسان کے باطن کا صحیح ادراک نہ ہو، اس سے تعلقات نبھانا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن جب اس کی فطرت کھل کر سامنے آ جائے تو اس سے روابط استوار رکھنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

فرمایا......! اسمِ اعظم کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہے۔ جو شخص پیٹ کو لقمہ حرام سے بچائے اور آنکھ کو بدنظری سے محفوظ رکھے۔ وہ اسماء حسنیٰ میں سے جو اسم بھی ورد کرے، اس کیلئے وہی اسم اعظم ہے۔

فرمایا......! انسان اگر اللہ تعالیٰ پر توکل رکھے تو وہ کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ لیکن مخلوق سے امیدیں وابستہ کر لے اور اس پر تکیہ کرے تو ہمیشہ رسوا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ متوکل انسان کے حالات و معاملات میں تصرّف فرماتا ہے اور اسے خزانہ غیب سے بہت کچھ عطا کر دیتا ہے۔

ایک مرتبہ میرے پاس بمشکل ساٹھ یا ستر روپے موجود تھے۔ سیال شریف حاضری کا ارادہ تھا۔ میں پریشان تھا کہ سفر خرچ زیادہ ہے اور جو کچھ موجود ہے وہ کم۔ قرض لینا تو میں ویسے بھی مناسب نہیں سمجھتا، پھر ایسے مقدس سفر کیلئے ادھار مانگنا میرے لئے اور بھی مشکل تھا۔ میں اللہ پر بھروسہ کر کے بس پر سوار ہو گیا۔ بس تقریباً ایک کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے کفری موڑ تک پہنچی تو ایک شخص نے بس روکنے کا اشارہ کیا۔ میں ڈرائیور کے عقب والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ وہ شخص میرے پاس آ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ میں ''کچے کھوہ'' کا رہنے والا ہوں۔ میں نے لوگوں سے آپ کے بزرگوں کے بارے میں سن رکھا تھا اور ایک حاجت کے پورا ہونے کیلئے ان کے دربار پر منّت مان لی تھی۔ ان کی دعا اور ربّ کریم کے کرم سے میری مراد بَر آئی ہے۔ تب اس نے میرے ہاتھ میں کچھ رقم تھماتے ہوئے کہا ''یہ تھوڑا سا نذرانہ ہے جو میں آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں''۔ یہ کہہ کر وہ تو سھرال موڑ پر اتر گیا اور میں نے مسبب الاسباب کے کرم کا شکر ادا کیا، جس نے میرا سفر آسان بنا دیا۔

فرمایا......! میں نماز، روزہ، اوراد و وظائف، نوافل، صدقہ و خیرات اور دیگر تمام امور خیر کا ثواب روزانہ سرکار دو عالم ﷺ کی روح مقدسہ کو پیش کرتا ہوں۔ میری ذات، میری زندگی، میرا ایمان غرض میرا سب کچھ محبوب کریم ﷺ کے لئے ہی ہے۔

فرمایا......! مرشدِ کامل، فنافی اللہ، باقی باللہ اور صاحب تصرّف ہوتا ہے وہ یُحیی اور یُمیت کی مانند مارتا اور زندہ کرتا ہے۔ یعنی مردہ دل کو زندہ اور نفس کو مار دیتا ہے گویا وہ سنگ پارس ہوتا ہے۔ اور اس کی نظر مرید کے حق میں کسوٹی ہوتی ہے۔ وہ اس کے مقدّر کو بدل دینے کا مجاز ہوتا ہے۔ جس طرح ایک رنگساز کپڑوں کو عمدہ رنگ میں رنگتا ہے، اسی طرح مرشدِ کامل بھی اپنے مرید کو معرفتِ خداوندی کے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔

فرمایا......! سورج کا کام روشنی دینا ہے۔ یہ روشنی جس چیز پر پڑ رہی ہے اس پر منحصر ہے کہ

وہ روشنی سے کیا اکتساب کرتی ہے۔ روشنی اگر شیشہ پر پڑتی ہے تو وہ چمک اٹھتا ہے اور انسان اس میں اپنا چہرہ دیکھ لیتا ہے۔ وہی روشنی جب کالے پتھر پر پڑتی ہے تو اس پر اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ پیر کا فرض تو معرفتِ خداوندی کا شعور و ادراک عطا کرنا ہے، اب اس کا دارومدار تو مرید کی باطنی صلاحیت پر ہے کہ وہ کیا کچھ اخذ کر سکتی ہے۔

فرمایا......! شیخِ طریقت کی یہ علامت ہوتی ہے کہ وہ عالمِ روحانیت کی سیر کرتا ہے۔ مقام فنا فی اللہ میں اس پر استغراق کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ وہ محبت الٰہی میں اپنی ہستی کو مٹا دیتا ہے۔ مگر کچھ لوگ حصولِ دنیا کی خاطر ذکرِ الٰہی میں شب و روز مصروف رہتے ہیں۔ یہ ذکر محبتِ خداوندی کے حصول کیلئے نہیں، نمود و نمائش کے لئے ہوتا ہے۔ اس ریاضت سے وہ لوگوں میں متعارف تو ہو جاتے ہیں، لیکن اللہ رب العزت کی معرفت حاصل نہیں کر سکتے۔

فرمایا......! نسبت ایک عظیم حقیقت ہے، نسبت ایک محکم اساس اور مضبوط ستون ہے۔ اسلامی معاشرہ کا قیام اور بقاء بھی نسبتوں کی پاسداری سے وابستہ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نبیوں، رسولوں، ولیوں اور دیگر شعائر کے ادب و احترام کا حکم دیا ہے۔ خداوند کریم نے قرآن پاک میں اپنے محبوب کریم ﷺ سے نسبت رکھنے والے شہر مکہ اور غازیوں سے نسبت رکھنے والے گھوڑوں کی گرد کی قسم یاد فرمائی ہے۔ اس لئے جس چیز کو بھی حضور ﷺ سے تعلق کی نسبت حاصل ہے، اس کی تکریم واجب ہے۔ کیونکہ یہی حکمِ خداوندی ہے اور اسی پر صحابہ کرام کا عمل رہا ہے۔

فرمایا......! انسان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ برائی کا بدلہ بُرائی سے دے۔ انسان کو بلندی سے پستی کی طرف نہیں آنا چاہیے۔ اپنا وقار بہرحال برقرار رکھنا چاہیے۔ راہِ حق میں مصائب کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرنا چاہیے کہ یہی انبیاء علیھم السلام کا اُسوہ ہے۔ اس موضوع پر شیخ سعدی کی ایک حکایت تمثیلاً پیش کی جا سکتی ہے کہ ایک بزرگ رات بھر درد کی وجہ سے سو نہ سکے۔ ان کے ساتھ ان کی چھ سالہ بچی بھی تھی۔ اسے باپ کی شدتِ تکلیف میں کراہنے کی وجہ سے نیند نہ آئی۔ وہ صبح معصومانہ انداز میں اپنے والد سے پوچھنے لگی ''ابا جان! رات بھر کس چیز نے آپ کو جگائے رکھا۔ آپ آرام سے سو نہ سکے اور کراہتے رہے۔''

باپ نے جواب دیا کہ ''کل ایک کتے نے مجھے پنڈلی پر کاٹ لیا تھا، جس کی تکلیف سے میں رات کو نہ سو سکا'' تب بچی نے سوال کیا ''ابا جان کتے نے آپ کو کاٹا تھا تو کیا آپ کے دانت نہیں تھے؟''

بزرگ اس معصومانہ سوال پر ہنس پڑے اور فرمانے لگے۔ ''بیٹا! دانت تو میرے بھی تھے، لیکن انسان کو اپنے مرتبے اور مقام سے اتنا بھی تو نہیں گرنا چاہیے کہ وہ کتے کے ساتھ مل کر کتا بن جائے۔''

فرمایا...... ! سماع کے بارے میں اہل ایمان میں اختلاف نہیں۔ اس کے سننے والوں کے بارے میں فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ وہ صاحب علم اور ہدایت یافتہ ہیں۔ سماع سے انسان کی قوّتِ یقین متاثر ہوتی ہے۔ جب دل میں سماع کا نزول ہوتا ہے تو لطیف احساسات و کیفیات کو مہمیز ملتی ہے اور آنکھوں سے ترشّح ہونے لگتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۝

ترجمہ:۔ (اس کلام کے اثر سے) ان لوگوں کی جلدوں کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں، جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

فرمایا...... ! نماز فجر کی سنتیں ہر حال میں ادا کرنی چاہئیں۔ پہلی رکعت میں سورہ الم نشرح اور دوسری رکعت میں سورہ الم ترکیف پڑھنے سے بواسیر کی تکلیف رفع ہو جاتی ہے۔

فرمایا...... ! فلفل سیاہ 2-1/2 تولہ، باریک پیس کر ایک چھٹانک شہد میں ملا کر انگلی کے پورے سے تین مرتبہ چاٹ لی جائے تو کالی کھانسی کیلئے مجرّب ہے۔

انٹرویو

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ سے جناب محمد امیر اعوان،

ایڈیٹر روزنامہ پاکستان ٹائمز کا ایک یادگار اور فکر انگیز انٹرویو

بشکریہ

روزنامہ اِمروز 12 جولائی 1990ء

ہر دور میں ہمارے عمل ہی ہمارے حکمران ہوتے ہیں

سلسلہ چشتیہ کو منقطع کہنے اور سوچنے والے کم علم اور تنگ دل ہیں

سوال: آپ کے نزدیک مختلف مکاتبِ فکر کے باہمی اختلافات کی وجہ کیا ہے اور باہم اتحاد کی کوئی صورت موجود ہے؟

جواب: یہ بات تو واضح ہے کہ متصادم نظریات سارے کے سارے درست نہیں ہو سکتے ہیں، کیونکہ اجتماعِ اضداد ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح مختلف نظریات کا غلط ہونا بھی مسلّم نہیں ہے۔ اس لئے جملہ متصادم نظریات کا نہ اجتماع ممکن ہے اور نہ ہی اِرتفاع ممکن ہے۔ لازماً متصادم نظریات خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں، ایک درست اور باقی غلط ہوں گے۔ اس درست اور نادرست کی حدِ فاصل کو معلوم کرنے کے لئے بلند حوصلہ کی ضرورت ہے۔ تنگ دلی کو نظر انداز کر کے متدیّن محققین اور فلسفۂ اسلام کے ماہر عارفین کی آرا کا گہری نظر سے مطالعہ ضروری ہے۔

> **چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ اور سہروردیہ، چاروں راستے درست ہیں اور ایک منزل تک پہنچاتے ہیں**

جب بھی کسی مکتبۂ فکر نے اپنے اسلاف کی کاوشِ فکر کو نظر انداز کر کے اپنی سوچ مسلط کرنے کی کوشش کی تو نتیجہ وہی نکلا جو آج ہمارے سامنے ہے۔ اگر آج بھی ہر گروہ تعصب اور فساد کو برطرف کر کے نیک نیتی اور اخلاص سے اپنے اسلاف کے نظریات کا مطالعہ کرے تو اتحاد و اتفاق ممکن ہے اور اختلاف کے قلع قمع کی

منزل ایک قدم بھی دور نہیں۔

سوال: ملک میں بے کیفی و اضطراب کا، صوبے اور مرکز کے اختلاف کے علاوہ کوئی اور بھی سبب ہو سکتا ہے۔؟

جواب: حکمرانوں کا آپس میں تصادم ملک و قوم کے شیرازے کو تار تار کر دیتا ہے۔ امن و سکون، صلح و آشتی، عداوت و بے گانگی، اختلاف اور بے کیفی کے روپ میں ڈھل جاتی ہے۔ لیکن اس تصادم کا سبب، خود قوم اور ملک کے افراد کے کردار و اعمال ہیں۔ بقول عارف

شامتِ اعمال ما صورت نادر گرفت

حدیث پاک میں سرور کائنات ﷺ نے اس کا حل یوں ارشاد فرمایا ہے کہ ''عُمَّالُنَا اَعْمَالُنَا''۔ یعنی ہمارے عمل ہی ہمارے حکمران ہیں۔ ہمارے اعمال و کردار اگر غلط ہوئے تو ظالم حکمران ہم پر مسلط ہوں گے۔ ملک میں افراتفری کے لئے جس طرح حکمران اپنے غلط کردار کی وجہ سے عوام کے لئے پریشانی کا باعث ہیں، اسی طرح قوم بھی بیزاری اور ابتری کے حالات میں برابر کی شریک ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے سیدۃ ام سلمہؓ کے گھر میں حضرت سیدنا علیؓ سے ملاقات کی تھی

سوال: مسالک اربعہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی میں سے جس طرح آپ حنفی کو ترجیح دیتے ہیں، تو سلاسل اربعہ چشتی، قادری، نقشبندی اور سہروردی میں سے کس کو ترجیح حاصل ہے؟

جواب: کوئی بھی سلسلہ اپنے عزائم اور مقاصد کے اعتبار سے دوسرے پر فائق نہیں ہے۔ سب کا مقصد اور منزل ایک ہی ہے۔ جیسا کہ ''مراۃ العاشقین'' میں حضرت خواجہ شمس العارفین سیالویؒ نے فرمایا کہ سارے سلاسل کا مقصود ایک ہے اور اپنی عظمت کے اعتبار سے سبھی ایک معیار پر ہیں۔ البتہ جس نے جس سلسلے سے اکتساب فیض کیا ہوگا وہ اسی کے گیت گائے گا۔ قادری حضرات بارگاہِ قادریت سے فیض لے کر پیر بغداد کو ''غوثِ اعظم'' کہتے ہیں تو چشتی حضرات بھی اپنے شیخ کے دروازے سے عرفان و آگاہی کی خیرات لے کر

اپنے شیخ کو غوثِ اعظم کہتے ہیں۔ جس بھی سلسلہ سے کسی منسلک انسان نے دوسرے سلسلہ کے خلاف لمحہ بھر کے لئے سوچا تو سوائے محرومی کے اور کچھ نہ پایا۔

سوال: بعض علماء نے سلسلہ چشتیہ کو منقطع قرار دیا، جیسے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی کتاب قراۃ العین میں لکھا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کی تحقیق کیا ہے؟

دین کو شودا اور مفلس کے روپ میں پیش کر کے اس کے لئے دستِ سوال دراز کرنا، خداوند تعالیٰ کی غیرت کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے

جواب: سلسلہ چشتیہ کو اس بنا پر منقطع کہنا کہ حضرت حسن بصریؒ کی حضرت سیدنا علیؓ سے ملاقات ثابت نہیں، بالکل لغو بات ہے۔ کیونکہ حضرت حسن بصریؒ نے 180 صحابہ کرام کی زیارت کی ہے اور ان میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں۔ حضرت جلال الدّین سیوطیؒ نے ان احادیث کا بھی ذکر کیا ہے جو حضرت حسن بصریؒ نے حضرت سیدنا علیؓ سے روایت کیں۔ نیز حضرت حسن بصریؒ نے ام المومنین سیّدہ ام سلمہؓ کے گھر میں حضرت علیؓ سے ملاقات کی۔ اس لئے سلسلہ چشتیہ کو منقطع کہنا مطالعہ کی کمی اور تنگ دلی کے سوا کچھ نہیں۔

سوال: قرآن پاک کے اردو تراجم اور تفاسیر میں سے آپ کس ترجمہ اور تفسیر کو مبنی بر تحقیق تصور کرتے ہیں اور کن علماء و مشائخ کی تحریروں سے آپ متاثر ہیں؟

ہر مرید کا پیر ہی اس کے لئے غوث اعظم ہوتا ہے

جواب: قرآن پاک کے اردو تراجم میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلویؒ کا ترجمہ ''کنزالایمان'' اور اردو تفاسیر میں حضرت پیر محمد کرم شاہؒ کی تفسیر ''ضیاء القرآن'' جامعیت اور تحریر کی لطافت اور اصطلاحات کے نکھار اور تحقیق و تدقیق کے لحاظ سے اپنا جواب آپ ہیں۔

مختلف موضوعات پر علماء و مشائخ کی بے شمار کتابیں موجود ہیں۔ مضمون کی بلندی اور مسائل کی تحقیق کے اعتبار سے ہر کتاب منفرد ہے اور قاری کو ہر کتاب جو کسی بھی

موضوع پر لکھی گئی ہو، متاثر کئے بغیر نہیں چھوڑتی۔ لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ، اور حضور شیخ الاسلام محمد قمر الدین سیالوی کی مختلف موضوعات اور مسائل پر لکھی ہوئی کتابیں آفاقی شہرت رکھتی ہیں۔ اگر تعصب سے بالاتر ہو کر ان دونوں حضرات کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو قاری کو وہ کچھ حاصل ہو سکتا ہے، جسے سب کچھ کہتے ہیں۔

سوال: آپ اپنے دارالعلوم کیلئے کیا ذرائع آمدن رکھتے ہیں اور اس سلسلہ میں اخبارات و جرائد اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے تعاون کی اپیل کیوں نہیں کرتے؟

جواب: جملہ علوم و فنون خصوصاً علوم دینیہ، خداوند تعالیٰ کی امانت ہیں۔ ان کی حفاظت اور نشر و اشاعت کے لئے خلوص نیت سے تگ و دو کرنا، اللہ رب العزت کے کرم کی ضمانت ہے۔ اپنے قریبی، بے لوث اور مخلص دوست احباب اور وابستگانِ عقیدت کو دعوتِ عمل دینا علوم دینیہ کی عزت و حرمت کے خلاف نہیں۔ لیکن دین کو شودا، مفلس بے کس اور گداگر کے روپ میں پیش کر کے اس کے لئے دست سوال دراز کرنا، خدا کی غیرت کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ حضرت امام مالکؒ کا فرمان ہے کہ لوگ علم کے دروازے پر سائل بن کر آئیں، علم لوگوں کے دروازوں پر سوالی بن کر نہ جائے۔

سوال: جمعیت علمائے پاکستان میں آپ کس دھڑے کو ترجیح دیں گے اور کیوں؟

جواب: موجودہ دور کی سیاست اگرچہ عوام کے لئے ملکی ضرورت ہے مگر اس سلسلہ میں کسی مصلحت کے تحت کسی سیاسی فریق کی حمایت کرنے کی مجھے ضرورت نہیں، بلکہ اپنے قائد، اپنے رہنما اور اپنے شیخ طریقت کے عظیم جانشین، صاحبِ سجادہ آستانہ عالیہ سیال شریف کے حکم کی تعمیل کی ضرورت ہے، جو میرے لئے حرفِ آخر ہے۔ چونکہ امیر شریعت نائب شیخ الاسلام خواجہ محمد حمید الدین سیالوی مدظلہ العالی، مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں، اس لئے میں اپنے دل میں مولانا موصوف کیلئے جذبہ ہمدردی پاتا ہوں۔

سوال: قوم کے نام کوئی پیغام؟

جواب: امتِ مسلمہ اگر اقوامِ عالم میں سرخرو ہونا چاہتی ہے تو اپنی پیشانی کو داغِ سجدہ سے اور دلوں کو عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے آشنا کر لے۔

رہیں تو راہ میں تیری، مریں تو چاہ میں تیری
سوا اس کے دعا کوئی نہ اپنا مدّعا کوئی

یا فارسی زبان میں پیغام یہ ہے۔

بآں گروہ کہ از ساغرِ وفا مستند
زِما سلام رسانید ہرکجا ہستند

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ

کے

چند پسندیدہ اشعار

اند کے پیشِ تو گفتم غمِ دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیاراست

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

نام بدنام ہے ناحق شبِ تنہائی کا
یہ بھی ایک رخ ہے تری انجمن آرائی کا

دل بہ محبوبِ حجازی بستہ ایم
زیں جہت بایک دگر پیوستہ ایم

دل اگر درد آشنا نہ ہوا
ہے برابر ہوا ہوا نہ ہوا

عشق آمد ز در گفت سلام' علیک
عقل بیروں شد ز سرگفت سلام' علیک

پھول ہی پھول نہیں باعثِ تزئینِ بہار
کچھ تو کانٹوں کا بھی حصہ ہے گلستانوں میں

زقیدِ دو جہاں آزاد باشم
اگر تو ہمنشینِ بندہ باشی

مزاج پوچھ کے رگ رگ میں بجلیاں بھر دیں
وہ آئے تھے مرے دل کی لگی بجھانے کو

بادشاہوں سے ترے در کے گدا اچھے ہیں
تخت والوں سے بھی اچھے ہیں ترے خاک نشیں

دل ضبط ، جگر ضبط ، زباں ضبط ، فغاں ضبط
سب سوزِ نہاں ضبط ، سب سازِ عیاں ضبط

اے خضر زندگی زحیات النبی طلب
کابِ حیات تشنہ جام محمد ﷺ است

تمنا میری کتنی مختصر ہے
محبت ہوں محبت چاہتا ہوں

کرم تیرا اے بادِ بہاراں
ہر شاخ زخمی ہر پھول پارہ

تیر پہ تیر کھا کے جی
خونِ جگر کے گھونٹ پی

اُف نہ کر لبوں کو سی
عشق ہے دل لگی نہیں

بے شک سہی ، بجا سہی کعبہ کی عظمتیں
لیکن کوئی تو چیز ترا نقشِ پا بھی ہے

بلبل ہمہ تن خوں شد و گل شد ہمہ تن چاک
اے وائے بہارے اگر ایں است بہارے

خدا گواہ کہ لٹ جاؤں گا اگر میں کبھی
تجھے گنوا کے ترا در بھی گنوا بیٹھا

چیست می دانی ے گل گوں مصفیٰ جوہرے
حسن را پروردگارے عشق را پیغمبرے

سالہا اندر جہاں گردیدہ ام
نم بچشمِ منعماں کم دیدہ ام

وہاں وہاں ابھی رقصاں ہے بوئے عنبر وگل
جہاں جہاں سے چمن میں بہار گزری ہے

تو بندگی چو گدایاں بشرطِ مزد مکن
کہ دوست خود روشِ بندہ پروری داند

مباش در پے آزار ہرچہ خواہی کن
کہ در طریقتِ ما غیر ازیں گنا ہے نیست

عقل الجھی رہی دلیلوں میں
عشق کے فیصلے اٹل نکلے

اپنی پلکوں سے درِ یار پہ دستک دینا
اونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایہ گیا

آسماں سجدہ کند ہر زمینے کہ در او
یک دو کس بایک دونفس بنشیند

زُہدت بچہ کار آید گر راندۂ درگاہی
کُفرت چہ زیاں دارد گر نیک سرانجامے

فانی بلائے مرگ سے غم کیجئے غلط
اب جستجوئے راحتِ دنیا نہ کیجئے

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی ہے

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی
کہ یک دم با خدابودن بہ از ملکِ سلیمانی

از منطق و از حکمت جز عشق نہ فہمیدم
چندانکہ نظر کردم شبہا بہ کتاب اندر

خوا ہم کہ ہمیشہ در رضائے تو زیم
خاکے شوم و بزیرِ پائے تو زیم
مقصودِ منِ خستہ ز کونین توئی
از بہرِ تو میرم و ز برائے توزیم

حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کے تین طبع زاد اشعار

نالہ ناقبول کرلوں گا
دل کو اپنے ملول کرلوں گا
جس کی پاداش ہو تری رحمت
میں کوئی ایسی بھول کرلوں گا

پرسشِ اعمال پر آنسو نکل آئے عزیزؔ
میں رہا خاموش لیکن ترجمانی ہوگئی

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ

مشاہیر کی نظر میں

حضرت صاحبزادہ محمد ہاشم منگھیروی مدظلہم
چشتیاں شریف

نحمدہٗ و نصلی و نسلم علی رسولہِ الکریم بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک مردِ حق آشنا و بادہ وحدت سے سرشار، جسے حق تعالیٰ نے اپنے شیخ کریم کی محبت کا جذبہ صادق وافر عطا فرمایا تھا۔

رہ دیر تختہءِ گل زجبین سجدہ ریزم
کہ نیازِ من نگنجد بدو رکعت نمازے

اپنے گھر کفری، وادیِ سُون سکیسر سے عصر کے بعد روانہ ہوتا ہے اور صبح کی نماز، سیال شریف میں، ذاتِ حق تعالیٰ کی بے حجاب جلوہ گریوں کو اپنے دامنِ دل میں سمیٹ کر ادا کرتا ہے۔ اس ہستی کو جسے اپنے شیخ کے حسن کی جلوہ سامانیوں نے یوں بے خود بنا رکھا تھا اور جس کے سامنے زمین کی طنابوں کو یوں لپیٹ دیا گیا تھا اور جسے عشق کی یہ قوت نصیب ہوئی تھی کہ

تیشہ بہ سنگ زد ایں چہ مقام گفتگو ست
عشق بدوش می کشد ایں ہمہ کو ہسار را

اُسے وادی سون والے حضرت میاں عبدالعزیزؒ کے نامِ گرامی سے جانتے ہیں اور جو حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ کے جدِّ امجد ہیں۔ جنہوں نے اعلیٰ حضرت پیر سیال خواجہ شمس الدین شمس العارفین رحمتہ اللہ علیہ سے پیمانِ وفا یوں باندھ رکھا تھا کہ جس کی پختگی کی سند حضور شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ نے صاحبزادہ عزیز احمدؒ کو، جب انہوں نے تجدید بیعت کے لئے عرض کیا تو ان الفاظ میں عنایت فرمائی تھی، کہ ''آپ کو تجدیدِ بیعت کی ضرورت نہیں۔ آپ کے جدِّ امجد نے حضور خواجہ شمس العارفین رحمتہ اللہ علیہ سے جو بیعت کی تھی وہ اتنی مضبوط ہے کہ آپ کی سات پشتوں تک نئی بیعت کی حاجت نہیں۔''

حضرت میاں عبدالعزیزؒ کے جانشین حضرت میاں عبدالحمیدؒ نے اسی صداقت و

عقیدت کے ساتھ اس رشتۂ وفا کو نباہا۔ اس بنا پر حضور شیخ الاسلامؒ نے ان کے وصال پر پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے یہ پیغامِ محبت ان کے ہاتھوں ارسال فرمایا کہ ''میاں صاحب جب حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضری نصیب ہو تو ہمیں بھی یاد رکھنا'' اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ''میاں صاحب اولیائے متقدِ مین کی آخری کڑی تھے جو آج ہم سے رخصت ہو گئے۔''

مذکورہ دونوں حضرات نے سیال شریف کے ساتھ اپنا تعلقِ غلامی یوں استوار رکھا کہ ؎

احمد تو عاشقی بہ مشیخت تُراچہ کار
عاشق باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

ان کا لگایا ہوا شجرِ وفا صاحبزادہ عزیز احمدؒ کی صورت میں بار آور ہوا۔ جن کی تربیت حضرت میاں عبدالحمیدؒ نے اِس نہج پر کی کہ ماتھا بھی چوما تو یہ کہہ کر کہ عزیز احمد یہ نہ سمجھنا کہ میں نے تمہیں بیٹا ہونے کی وجہ سے چوما ہے بلکہ میں نے تو صرف اپنے شیخ کی سنت ادا کی ہے۔ اس انکشاف میں حضرت میاں صاحبؒ نے اپنے بیٹے کے ساتھ پیش آنے والے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ جب دارالعلوم ضیاءِ شمس الاسلام سیال شریف کے سالانہ جلسہ میں حضور شیخ الاسلامؒ نے دورانِ تقریر میں اظہارِ عجز کے طور پر یہ شعر پڑھا۔ ؎

نہ گلم نہ برگِ سبزم نہ درختِ سایہ دارم
ہمہ حیر تم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا

تو جواب میں صاحبزادہ عزیز احمدؒ نے، جو اس جلسہ میں سٹیج سیکرٹری تھے، یوں عرض کیا۔

تو گلی تو برگِ سبزی تو درختِ سایہ داری
ہمہ حیر تم کہ گفتی بچہ کار کشت مارا

اس جراتِ عشق کو شیخ کریم نے شرفِ قبولیت بخشا اور ان کی پیشانی کا بوسہ لے کر فرمایا کہ دونوں شعر خوب ہیں لیکن زیادہ صحیح وہی ہے جو میں نے کہا ہے۔

حضرت میاں عبدالحمیدؒ نے، صاحبزادہ صاحبؒ کو جب دارالعلوم سیال شریف میں بحیثیت صدر مدرس خدمات انجام دینے کیلئے روانہ کیا، تو یہ کہہ کر کہ ایک عزیز احمد تو کیا،

ہزاروں عزیز احمد پیر سیال کے قدموں پر قربان ہوں۔ساتھ ہی درسِ نیاز یوں دیا کہ ''عزیز احمد! خیال رکھنا سیال شریف عرش سے نازک تر مقام ہے، کہیں کوئی بے ادبی نہ کر بیٹھنا۔''

ابتدائی تعلیم اپنے والدِ گرامی سے حاصل کر کے دورہ حدیث شریف، شیخ الحدیث مولانا سردار احمدؒ کے پاس فیصل آباد میں مکمل کیا۔ظاہری تعلیم کے ساتھ باطنی تربیت شہبازِ لامکاں حضور شیخ الاسلام رحمتہ اللہ علیہ کی نگاہِ کیمیا اثر کے تحت پائی اور غیرتِ عشق میں یوں عروج پایا کہ کسی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا ''ہر شخص کا غوث اعظم وہی ہوتا ہے جس سے اُسے خیرات ملے۔ ہمیں خیرات پیر سیال کے در اقدس سے ملی ہے۔ ہمارے غوثِ اعظم تو پیر سیال ہی ہیں۔''

اس غیرتِ عشق نے وہ باطنی مقام اور قوتِ تصرف عطا کی، جس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے، جس کا راوی آپ کا ایک مرید فتح محمد نامی ساکن شکر کوٹ ہے۔وہ روایت کرتا ہے کہ اس کا آنا جانا راولپنڈی کے ایک باکمال درویش کے پاس تھا۔وہ بزرگ اس کے حال پر کمال توجہ فرماتے تھے۔انہوں نے فتح محمد سے کہا کہ کسی اور شیخ کے مرید کو ہم اپنا بنانا چاہیں تو پہلے خود اس کے شیخ سے اجازت لینے کی کوشش کرتے ہیں۔اگر وہ رضامند نہ ہو تو حضور غوث پاک بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں گزارش کرتے ہیں۔لیکن تمہارا شیخ کچھ ایسا طاقت والا ہے کہ ہر دو طرح سے کوششِ بسیار کے باوجود، میں تمہیں اس سے لینے میں ناکام رہا ہوں۔

ظاہر و باطن کی ان قوتوں سے آراستہ ہو کر اُس ہستی، جس کی شان قرآنِ کریم میں یوں بیان کی گئی **هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله و لو کره المشرکون٥** کا مظہرِ اتم بن کر، تحریر و تقریر کے ذریعے ہزار مسائل و مشکلات کے باوجود وادی سُون سکیسر میں دیو بندیت کی بدعقیدگی ختم کرنے کی بہت موثر تحریک چلائی۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش حق نے جس کو دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

اس شانِ درویشی کا اندازہ ایک واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ موضع کھوڑہ میں مقامی انتظامیہ نے عظمتِ مصطفےٰ کانفرنس میں آپ کے بیان پر پابندی لگادی۔ لیکن آپ وقتِ مقررہ پر وہاں پہنچ گئے اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تین گھنٹے تقریر کی۔ واپسی پر گفری کے دیوبندیوں نے کہا کہ حکومت نے ان کے خطاب پر پابندی عائد کردی تھی وہ کیسے خطاب کر سکتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔'' پیر سیال کا غلام جہاں جاتا ہے، حکومت وہاں اسی کی ہوتی ہے۔ ظاہری حکومت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔''

انتقال سے کچھ عرصہ پہلے ایک تقریر میں اپنی حیاتِ سرمدی کی طرف اس شعر سے اشارہ فرمایا۔

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی ، صبحِ دوامِ زندگی

ایمان وایقان اور عشق ومحبت کے نیرِ تاباں کے نور سے بدعقیدگی اور فسق وفجور کی تاریکیوں کو دور کرتا ہوا یہ مردِ حق آگاہ **فی مقعد صدقٍ عند ملیکٍ مقتدر ہ** کے مقام پر فائز ہوا اور ''نَمْ کَنَوْمَةِ الْعُرُوس'' کا مژدۂ جانفزا سن کر ابدی وصال پا گیا۔

ایسی ہی اَن مِٹ ہستیوں کے بارے میں خواجہ حافظ شیرازی نے فرمایا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما

آخر میں خدائے کریم ورحیم سے دُعا ہے کہ وہ آپؒ کے فرزندارجمند جناب حامد عزیز حمیدی کو پیر سیال غریب نواز کی غلامی میں، اپنے اسلاف کے ظاہر و باطن کا وارث وامین بنا کر اسی جراتِ رندانہ کے ساتھ جہالت وگمراہی کی تاریکیوں اور ظلمتوں کو دور کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے، جو اُن کے اسلاف کا شیوہ تھی۔

صحبتِ پیرِ رُومؒ سے مجھ پر ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سربجیب ، ایک کلیمؑ سربکف

حضرت صاحبزادہ محمد حامد عزیز حمیدی
مکان شریف، کفری

میرے والدِ گرامی رحمۃ اللہ علیہ انتہائی خود دار، ملنسار، پیکرِ اخلاق اور مجسمہ شرم وحیا تھے۔ اس جوہرِ لطیف میں، جسے عشق رسول کہتے ہیں، اپنی مثال آپ تھے۔ ایک دفعہ عشاء کی نماز کے بعد روضہءِ اقدس کے باہر چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ اچانک چاند بادلوں کی اوٹ سے نکلا۔ یہ منظر دیکھ کر طبیعت میں کیف پیدا ہوا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کیفیت میں فاضل بریلویؒ کا یہ شعر بار بار پڑھتے ؎

قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی
چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی ﷺ

آپ جب بھی کہیں تشریف لے جاتے تبلیغ کے سلسلہ کو مقدم رکھتے۔ عشقِ رسول، اصلاح عقائد اور اصلاح اعمال آپ کے خطبات کے پسندیدہ موضوعات تھے۔

ملنساری کا یہ عالم تھا کہ عام لوگوں کو بھی نہایت عاجزی سے ملتے اور علماء کے تو ہاتھ بھی چوم لیتے تھے۔ شاگردوں کو نیچے بیٹھے ہوئے دیکھتے تو انہیں چارپائی یا کرسی پر بیٹھنے کے لئے فرماتے۔

حضور قبلہ خواجہ فخر الدّین رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر جب میاں سلطان کھوڑہ والے اور ملک گل زمان شہید کے ورثاء کے درمیان صلح کرائی تو میاں سلطان کے بھتیجے ملک صفدر نے کچھ نذرانہ پیش کرنا چاہا۔ آپ نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے معذرت کر لی کہ میں نے پیر سیال کے حکم کی تعمیل کی ہے، ان کے طفیل اللہ نے بہت کچھ دیا ہوا ہے۔ یہ چیز مشائخ کے معمول کے خلاف ہے۔

سیال شریف جب خلفاء کی تربیت کی بات ہوئی تو قبلہ خواجہ فخر الدّینؒ نے حضور شیخ الاسلامؒ سے عرض کیا کہ حضرت میاں عبدالحمید صاحب نے عزیز احمد صاحب کی بہت

اچھی تربیت کی ہے۔ حضور شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ تربیت اچھی ہے مگر مٹی بھی زرخیز ہے جس نے تربیت قبول کی ہے۔

دورانِ سبق ایک دفعہ فرمایا! مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا چاہیے۔ ایک دن ہال میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دو آدمی باہر نکلے۔ میرے ایک ہاتھ میں پانی کا جگ تھا۔ میں نے دوسرے ہاتھ سے مصافحہ کیا تو نصیحت فرمائی کہ جگ ہاتھ سے رکھ دینا چاہئے تھا تاکہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جا سکتا۔

ملک نعیم خان اور ملک تنویر سلطان کا الیکشن تھا۔ سیال شریف سے حکم تھا کہ تنویر سلطان کی مدد کی جائے۔ الیکشن سے ایک روز قبل حضرت صاحبزادہ نصیر الدینؒ نے حکم دیا کہ ملک نعیم خان کی حمایت کا اعلان کریں۔ گو آپ اس سے قبل سیال شریف کے حکم پر ہی ملک تنویر سلطان کے ساتھ تعاون کر رہے تھے لیکن دوبارہ حکم ملنے پر ملک نعیم خان کی مدد کا اعلان فرما دیا۔ فرمایا! ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ آستانِ شیخ سے جو حکم ملے گا اس کی تعمیل کریں گے۔ پیر کے حکم کے سامنے اپنی مرضی اور ارادہ نہیں رکھا جا سکتا۔

صاحبزادہ محمد رفیع الدّین معظمی
پرنسپل (ر) گورنمنٹ کالج بھلوال

بندۂ ناچیز۔۔۔ادارۂ تصنیف وتالیف مکان شریف کُفری (خوشاب) کے اراکین ومنتظمین کا بیحد ممنون ہے کہ ان گرانقدر شخصیات نے، اس ناچیز کو حضرت صاحبزادہ عزیزا رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں تاثرات کے عنوان سے، کچھ لکھنے کے لئے، مشاہیر، مشائخ، علماء و زعماء اور قابل قدر شخصیات کی حیثیت میں شمار کے لائق سمجھا ہے۔ یہ میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔اس عزت افزائی کے لیے ادارے کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

یہ محض کسر نفسی نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ دربار عالیہ مکان شریف کُفری کے اس خانوادے کی علمی وروحانی اور اخلاقی اقدار کی عظمت اور علمی وروحانی مقام کو کما حقہ، سمجھنا، میرے فہم وادراک سے ماوراء ہے۔ برادرِ مکرّم جناب صاحبزادہ محمد مسعود احمد صاحب ذیقدر ایسوسی ایٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج آف کامرس سرگودھا اور مکری ومحترمی جناب صاحبزادہ محمد حامد عزیز حمیدی سجادہ نشین دربار حمیدیہ، عزیزیہ مکان شریف کُفری کا تحریری حکم سرآنکھوں پر، اس کی تعمیل میں اپنے ذاتی تاثرات (جو یقیناً اِن شخصیات کے مقام ارفع واعلیٰ سے بہت کم درجہ پر ہوں گے) ضبطِ تحریر میں لا رہا ہوں۔

مکان شریف کفری کے اس روحانی خانوادے سے میرا تعارف تقریباً پچاس سالوں پر محیط ہے۔جس کی ابتدا حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ کے والدِ گرامی حضرت قبلہ میاں عبدالحمیدؒ سے ہوئی۔حضرت قبلہ میاں صاحبؒ سے مجھے محبت ملتی تھی۔ اس لیے مجھے اُن سے چاہت ہونے لگی۔ میں کچھ بڑا ہوا، سمجھ بھی بڑھی۔میاں صاحبؒ کی منکسر المزاجی، تواضع، شخصی شرافت، خاندانی نجابت، علمی وقار دیکھ کر مجھے اُن سے عقیدت ہوگئی اور ملاقات کے وقت جب وہ علوِ مرتبت کے باوجود اس عاجز کی دست بوسی فرماتے تو ندامت کے ساتھ ان کا احترام بھی پیدا ہوگیا۔ میں ذرا اور بڑا ہوا، شعور میں کچھ پختگی آئی، اس مقام

پر پہنچا جہاں لوگ اپنے آئیڈیل کا انتخاب کرتے ہیں تو میں نے حضرت قبلہ میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا انتخاب کر لیا۔ میں برملا کہتا ہوں کہ حضرت میاں صاحبؒ رہ و رسمِ طریقت میں میرا انتخاب ہیں۔ اُن کے شب و روز کے معمولات، اٹھنے بیٹھنے کا انداز، طریقہِ گفتگو، ان کی سادگی، کسر نفسی، تواضع، مہمان نوازی، دلداری اور دل نوازی، میں نے انہی میں دیکھی اور اس تمام طرزِ عمل کا میری طبیعت پر بہت اثر ہے۔ روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے باوجود حضرت میاں صاحبؒ کو اپنے آپ پر بڑا ضبط تھا۔ وہ کیا کچھ تھے؟ کبھی ظاہر نہیں ہونے دیا تھا اور میں اسے ہی انسانیت کی معراج سمجھتا ہوں۔ کیونکہ آدمی جو کچھ ہو اس سے کم نظر آئے یہ اس سے بہتر ہے کہ جو کچھ ہو اس سے بڑھ کر نظر آئے، یہ سفلہ پن کی علامت ہے۔ خوش قسمتی سے ایک دو موقعوں پر آپ حضورؒ نے اپنے قلبی احوال سے اس بندہ عاجز کو آگاہ فرمایا تھا۔ مگر چونکہ میں اس مقام کا ادراک نہیں کر سکتا تھا، اس لئے صرف سامع ہی رہا اور اس نحیف و کمزور نستعلیق انسان کو حیرت سے تکتا رہا۔ اپنے بے بضاعتی پر آج بھی حسرت ہے۔ فرشتوں سے ہمکلام ہونے والا انسان مجھ سے ہمکلام ہے، میں اس وقت اس کو سمجھ ہی نہ سکا! افسوس!

حضرت قبلہ میاں صاحبؒ کے وصال کے بعد اُن کے اکلوتے صاحبزادے، جناب علاّمہ صاحبزادہ عزیز احمدؒ مسند آرائے خانقاہِ حمیدیہ ہوئے۔ ترتیب کے لحاظ سے آپ اِس خانقاہ کے تیسرے عظیم المرتبت جانشین بنے۔ اکلوتے صاحبزادے ہونے کے ناطے قبلہ میاں صاحبؒ نے آپ کی تعلیم و تربیت پر بھرپور توجہ دی، بلکہ میاں صاحبؒ کی مکمل توجہ کے واحد وارث تھے۔ اللہ کے فضل و کرم اور پیر سیال کی باطنی توجہ کے باعث ظاہری وسائل کی بھی کوئی کمی نہیں تھی، اس لیے تعلیم و تربیّت کے تمام مراحل نہایت خوش اسلوبی سے طے ہوئے۔ قرآن پاک کی تعلیم گھر ہی میں رہ کر فاضل حفاظ کرام سے مکمل کی۔ درس نظامی کی تعلیم کے لیے آپ کچھ عرصہ معظم آباد شریف بھی تشریف فرما رہے اور وہیں میرے برادر بزرگ حضرت صاحبزادہ غلام حمید الدّین احمد مدّ ظلہٗ کے ہمدرس رہے۔ اس زمانے میں اگرچہ میں بھی جامعہ معظمیہ میں زیرِ تعلیم تھا مگر میں ابتدائی کتب میں تھا اور یہ دونوں حضرات

غالباً صرف ونحو سے گزر کر منطق کے طالب علم تھے۔

معظم آباد سے فارغ ہو کر تکمیلِ دورۂ حدیث کے لیے حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار احمدؒ کے درس جامعہ رضویہ فیصل آباد میں تشریف لے گئے۔ اس زمانے میں حضرت مولانا سردار احمدؒ کے پایے کا کوئی عالم دین قرب و جوار میں موجود نہیں تھا۔ طلباء کو آج بھی اُن کی ذاتِ گرامی اور اُن کا شاگرد ہونے پر فخر ہے۔ ایک بار لاہور جاتے ہوئے مجھے بھی حضرت مولانا کی زیارت نصیب ہوئی اور اُن سے شرفِ ہمکلامی حاصل ہوا۔ رات کا قیام حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ کے کمرے میں تھا۔ آپ کے چند اور ہمدرس بھی وہاں آ گئے اور علمی باتیں ہوتی رہیں۔ حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ کے فاضل ہونے اور مختلف مسائل پر آپ کی گرفت کا اندازہ مجھے وہیں ہوا۔ آپ کا زورِ استدلال، فی البدیہہ حاضر جوابی واقعی حیران کن تھی۔ کسی دوست نے حیات النبی ﷺ کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ یہ مسئلہ چند ادق مسائل میں سے ایک ہے جس کا ادراک وہی کر سکتا ہے جس کا قلب صاف، ذہن سلیم اور طبع مستقیم ہو۔ فرمایا بعض علما نے فرمایا ہے کہ انبیاء کرام جب اس دار فانی سے عالم برزخ میں منتقل ہو جاتے ہیں ''یکون حالھم کحال الملا ئکۃ'' ان کا حال ملائکہ جیسا ہو جاتا ہے اور اُن کی ارواحِ مبارکہ کو جسم کی طاقت دے دی جاتی ہے۔ وہ جہاں چاہیں جا سکتے ہیں اور جونسی صورت پسند فرمائیں اس میں جا سکتے ہیں۔ جیسے جبریل علیہ السلام، جو حضور علیہ السلام کے پاس حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں تشریف فرما ہوتے۔

دیگر بعض علماء کا موقف ہے کہ انبیاء کرام اپنے مزارات میں زندہ ہوتے ہیں وہ نمازیں ادا کرتے ہیں اور باقی انسانی کام بھی۔ اس موقف پر آیات اور احادیث کی شہادت موجود ہے۔ فرمایا کہ آیت '' واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا'' معراج شریف کی رات بیت المقدس میں نازل ہوئی اور اسی طرح آیت '' وَ لَا تَحسبَنَّ الَّذِین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربّھم یُرزقون فرِحِین بمآ اتٰھُمُ اللہ مِنْ فضلہ '' عام شہدا کے بارے میں ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انبیاء کرام پر اللہ کا فضل کس درجہ ہوگا کیونکہ بہر حال انبیاء کرام شہدا سے بدرجہا افضل و اعلیٰ ہیں۔

اسی طرح حضور علیہ السلام کی حدیث پاک ہے۔''اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ''فِی قُبُوْرِھِمْ'' (انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہوتے ہیں)اوراس موضوع پر ایک دوسری حدیث پاک ہے،''اِنَّ اللہ حَرَّمَ عَلَی الْاَرضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ'' زمین انبیاءِ کرام کے بدن کو نہیں کھا سکتی۔

فرمایا صاحبِ مواہب نے جو کبار محدثین میں سے ہیں اور حضور نبی کریم کے عاشقوں میں سے ہیں اور صاحبِ تفسیرِ مظہری نے حضور کے خصائص کے باب میں لکھا ہے کہ ''انہ حیّ'' فی قبرہ''.

آپ اپنی قبر مبارکہ میں زندہ ہیں۔وہاں وہ اذان اور اقامت کے ساتھ باجماعت نمازیں ادا فرماتے ہیں اور غالباً اسی واسطے کہا گیا ہے کہ حضور نبی کریم کی ازواج مطہرات پر عدّت نہیں ہے۔

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ سانگلہ ہل اور فیصل آباد سے درس وتدریس سے فارغ ہوکر مکان شریف کُفری تشریف لائے۔جوانی کا عالم،علم کی فراوانی،وادیِ سُون کی فضاؤں میں قال اللہ اور قال الرّسول کی صدائیں گونجیں۔دیوبندیّت کے بڑھتے ہوئے عفرِیت کا سر کچلنے کے لیے کسی جواں ہمت،پرجوش مبلّغ کی ضرورت تھی جو آپ نے پوری کردی۔خاموش لہروں میں اضطراب پیدا ہوا۔درس وتدریس کا اہتمام کیا۔پہلی بار آپ کے دور میں سپیکر نصب کیا گیا اور قصیدہ بردہ شریف کی تلاوت نشر کی گئی۔پرجوش مقرر اور کامیاب مدرّس کی حیثیت سے آپ کی شہرت ہوئی۔آستانہ عالیہ سیال شریف سے حکم نامہ پہنچ گیا۔آپ کی خدمات بطور صدرُ المدرّسین دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف کے لئے لی گئیں۔بڑا نازک مسئلہ تھا۔''استادانہ ناز''اور''مریدانہ نیاز''ہر دو کو اکٹھے چلانا نہایت مشکل بلکہ کٹھن مرحلہ تھا۔خدمت قبول تو کرلی مگر ہمیشہ احتیاط کا پہلو تھامے رہے۔انداز یہی برقرار رکھا کہ پڑھانے نہیں بلکہ پڑھنے کے لیے آئے ہیں۔اسی سوچ اور انکساری نے آپ کو کامیابی بخشی اور حضرت شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمر الحق والدّینؒ ہمیشہ آپ سے خوش اور راضی رہے۔

آستانہ عالیہ سیال شریف پر علمی محافل میں، حضور شیخ الاسلامؒ، اکثر آپ کو طلب فرما لیتے تھے اور آپ کی رائے کو بہت اہمیت دیتے اور خوش ہوتے تھے۔ یہ مناظر اب کہاں دیکھنے کو ملتے ہیں۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ مکان شریف کُفری کے خانقاہی ماحول میں، حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ نے ایک نئی روح پھونکی۔ موجودہ نئے ماحول کی اُٹھان میں آپ کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ صاحبزادہ حامد عزیز صاحب کو، جو اس خانقاہ کے اب جانشین ہیں، بنا بنایا نظام الاوقات، دینی مدرسہ، اور خانقاہی ماحول کے رسم و رواج ورثہ میں ملے ہیں۔ اس لیے وہ اسی نہج پر پورے ماحول کو بڑی خوش اسلوبی سے چلا رہے ہیں۔ وہ اپنے پیش رو ہر سہ حضرات کے صحیح وارث اور جانشین ہیں اور وہ ان روایات کے امین ہیں، جنہیں ان کے دادا حضور اور والد گرامی نے قائم کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میری التجا ہے کہ وہ اس خانقاہِ عالیہ کو ہمیشہ سلامت رکھے۔ آمین

حضرت ابوالحسن سیّد مراتب علی شاہ
سجادہ نشین آستانہ عالیہ سلہو کے شریف

اس کائناتِ رنگ و بو میں بڑی بڑی عظیم شخصیات آئیں اور اپنا اپنا مقررہ وقت گزار کر راہیِ ملکِ عدم ہوئیں۔ مادرِ گیتی نے بڑے بڑے عظیم فلسفی اور سیاست دان، اعلیٰ پایہ کے محقق اور ادیب، بڑے بڑے فصیح اللّسان مفسّر اور مقرر، رنکتہ شناس ونکتہ داں علمائے کرام، عظیم روحانی تاجدار اور اولیائے کرام پیدا کیے۔ ان میں سے بعض تو وہ تھے جن کی عظمتوں اور صلاحیتوں کا لوہا اُن کی زندگی میں تو اس جہان نے مانا، مگر وفات کے بعد اُن کا نام صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ مگر بعض عظیم شخصیات ایسی بھی گزری ہیں، جن کی ظاہری حیات میں بھی اس جہاں نے اُن سے فائدہ اٹھایا اور اُن کے بعد نہ صرف یہ کہ اُن کے علمی و روحانی کارناموں کو یاد رکھا گیا، بلکہ اُن کے مزارات سے بھی خلق خدا فائدہ اٹھا رہی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ کا شمار بھی ہم ایسی ہی عظیم شخصیات میں کر سکتے ہیں، جن کی ظاہری زندگی میں عامۃ النّاس اُن سے مستفید ہوتے رہے اور وصال کے بعد بھی فیوض و بَرکات کا سلسلہ جاری ہے۔

آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، ایک کائنات تھے، ایک بلند پایہ محقق اور محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک روشن دل صوفی بھی تھے۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ محمد قمر الدّین سیالویؒ کے ساتھ روحانی نسبت نے اُنہیں آسمانِ روحانیت کا ایک دَرخشاں اور روشن ستارہ بنا دیا تھا۔ آپ دُنیاوی عزّ وجاہ سے بے نیاز تھے۔ آپ کی ذات والا صفات میں خلوص وایثار، پیار و محبت اور اعمال واخلاقِ حَسَنہ کا ایک جہاں آباد تھا۔ آپ وفا شعاری، اولوالعزمی، حق گوئی اور جواں ہمّتی کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے۔ ظاہری تصنع، بناوٹ اور نمود ونمائش کے برعکس دُرویشانہ وضع قطع کے حامل انسان تھے۔ ہمیشہ سادگی کو پسند کرتے۔ ایک سادہ تہبند، سادہ سی ایک قمیض اور سادہ سی ایک پاپوش، روشن اور متحرک

آنکھیں، جن پر ایک عام اور سادہ سی عینک بجی ہوتی، یہ تھی اس مردقلندر کی ظاہری حالت۔

اُن کا تعلق ایک عظیم رُوحانی اور علمی خانوادے سے تھا۔ آپ کے دادا قدوۃُ السّالکین حضرت میاں عبدالعزیزؒ المتوفی ۱۳۴۵ھ، وادیِ سُون ضلع خوشاب کے ایک عظیم روحانی مرکز خانقاہ عالیہ مکان شریف کے بانی اور غوثِ زماں حضرت خواجہ محمد شمس الحق و الدّین سیالوی کے محبوب خلیفہ تھے۔ اُن کے علمی و روحانی کمالات سے اک جہاں فیض یاب ہوا۔ آپ کے والد گرامی حضرت میاں عبدالحمیدؒ المتوفی ۱۳۹۷ھ، بھی ایک بلند درجہ عالمِ دین اور عظیم صوفی بزرگ تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد دورۂ حدیث شریف کیلئے اپنے دور کے عظیم علمی مرکز دارالعلوم جامعہ رضویہ مظہر اسلام لائل پور میں داخل ہوئے۔ آپ نے اپنی علمی قابلیت اور جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ کے باعث طلباء دورہ حدیث شریف میں ایک نمایاں مقام حاصل کر لیا اور بہت جلد محدثِ اعظم حضرت مولانا سردار احمدؒ کے منظورِ نظر ہو گئے۔ مولانا آپ کی بہت قدر کرتے۔ حدیث شریف کی جملہ کتابوں کو پڑھنے میں آپ ایک منفرد اور جداگانہ مقام رکھتے تھے۔ خاص طور پر ترمذی شریف اور مسلم شریف کی عبارتیں پڑھنا آپ کے ذمہ تھا۔ اس کی اہمیت کو تو وہی جان سکتا ہے جو اس فن کا ماہر ہو۔ آپ علمِ صَرف ونَحو، فقہ واصول، اصولِ تفسیر وحدیث، جُملہ درسیات میں قابل اور ذہین ترین طلباء میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کی انہیں صلاحیتوں کی بنا پر خطبات جمعہ کے دوران مولاناؒ نہ صرف آپ کی تعریف کیا کرتے بلکہ فتویٰ نویسی کا کام بھی آپ کے سپرد کر دیا۔ آپ جو فتویٰ تحریر فرماتے مدلّل اور فقہِ حنفی کے عین مطابق ہوتا۔ مولاناؒ فتویٰ پڑھ کر بغیر کسی ترمیم وتنسیخ کے تصدیق فرما کر دستخط ثبت فرما دیا کرتے، آپ پر بہت خوش ہوتے اور خصوصی دعاؤں سے نوازتے۔ تقریر وبیان میں آپ کو جو ملکہ حاصل تھا وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ علم کی تدریس میں بھی آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ آپ ایک کامیاب مدرس بھی تھے۔ آپ کی انہیں خصوصیات کی بنا پر تعلیم وتدریس سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مولانا سردار احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کو سانگلہ ہل کے اہل سنت کے اصرار پر تدریسی فرائض سرانجام دینے کے لیے بطور صدر مدرس تعیّنات فرمایا۔

سمن آباد (فیصل آباد) جامع مسجد میں بھی آپ نے عرصہ بارہ سال تک خطابت کے فرائض انجام دیئے۔ آپ کے بیانات میں دلائل کی بھرمار ہوتی۔ مخالفین بھی انگشت بدنداں رہ جاتے۔ آپ کی تقاریر کے اثرات آج بھی اس علاقہ میں موجود ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام والمسلمین خواجہ محمد قمر الدینؒ نے جب دارالعلوم ضیاءِ شمس الاسلام سیال شریف کی نشاۃِ ثانیہ کا کام شروع کیا تو دارالعلوم کے صدر مدرس کے عہدہ کیلئے آپ کے علاوہ کوئی اور موزوں شخصیت نظر نہ آئی۔ چنانچہ شیخ الاسلام غریب نواز کے فرمان کے مطابق آپ سال ہا سال تک دارالعلوم میں صدر مدرس کے عہدہ پر فائز رہ کر اپنے علمی و روحانی کمالات سے طالبانِ دین کو فیض یاب کرتے رہے۔ دنیائے علم وفن کی ایک کثیر تعداد کو آپ کا تلمیذ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

ان تمام مصروفیات کے ساتھ ساتھ آپ خانقاہِ عالیہ مکان شریف پر علاقہ کے لوگوں کی روحانی تربیت کے فرائض بھی بطریقِ احسن انجام دیتے رہے۔ خانقاہ میں آنے والے امیر وغریب، شاہ وگدا اور عوام وخواص آپ کے فیضانِ نظر سے برابر مستفیض ہوتے رہے۔

آپ کے تمام اوصاف وکمالات کا احاطہ کیا جانا ایک مشکل بلکہ ناممکن امر ہے۔

۱۹۹۵ء میں آپ واصل بحق ہو گئے اور جاتے جاتے یہ پیغام دے گئے۔ ؎

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہو جس کی حسرت وغم اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم

اللہ تعالیٰ آپ کی جانِ پاک پر رحم فرمائے اور اعلیٰ علیین میں آپکو اپنا قرب عطا فرمائے

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اشرف سیالوی
سرگودھا

حضرت میاں عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ کی بندہ پر عنایت بے غایت تھی اور اسی کا ہی نتیجہ تھا کہ بندہ عید کی تعطیلات پر گھر حاضری دینے کی بجائے مکان شریف پر حاضر ہو جاتا تھا۔ ایک موقعہ پر جب حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں عزیز احمد کیطرف سانگلہ ہل خط لکھ چکا ہوں کہ عید پر گھر آئیں، لیکن تمہارے آ جانے کے بعد اب خلا پُر ہو گیا ہے، وہ نہ بھی آئے تو اداسی اور پریشانی نہیں ہو گی۔

جب حضرت صاحبزادہ عزیز احمد علیہ الرحمۃ تعمیل حکم کے تحت حاضر خدمت ہو گئے، تو دائیں بغل میں انہیں اور بائیں بغل میں مجھے لیکر باہم ہمارے ماتھے ملائے اور فرمایا کہ عزیز احمد یہ نہ سمجھنا کہ میں عبدالحمید کا اکیلا بیٹا ہوں، یہ بھی تیرا بھائی ہے اور اگر تم دونوں بھائی بھائی بن کر رہو گے تو قبر میں بھی میرے دل کو ٹھنڈک اور مسّرت و راحت حاصل ہو گی۔

حضرت صاحبزادہ صاحب قدس سرہٗ نے اس حکم کی کما حقہٗ تعمیل فرمائی۔ زبانی بھی ہمیشہ بھائی کے لفظ سے ہی یاد فرماتے اور عملی طور پر بھی بھائی چارے اور اخوت کا حق ادا فرماتے رہے۔ بندہ کے عزیزوں کو بھی اپنا عزیز ہی سمجھا بلکہ مجھ سے بھی بڑھ کر۔ میں بچوں کو گود میں لینے اور کندھوں پر سوار کرنے وغیرہ کے معاملہ میں زیادہ وسیع الظرف نہیں تھا، لیکن میری کوتاہیوں کی تلافی وہ فرماتے رہتے تھے۔ بندہ کو جب سیال شریف میں تدریس کا شرف حاصل ہوا تو ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ عزیزم غلام فرید الدّین کو گود میں لئے ہوئے ہیں، ہاتھ مبارک میں کھیر کی پلیٹ ہے اور ایک ہی چمچ ہے۔ اسی کیساتھ اس کو بھی کھلاتے ہیں اور پھر اسی چمچ کے ساتھ اپنے منہ میں کھیر ڈالتے ہیں اور یہ پرواہ نہیں کہ اسکو تو ایک نو خیز بچے کا لعاب لگ گیا ہے اور میں صاحبزادہ بھی ہوں وقت کا ممتاز عالم بھی ہوں اور صدر

المدرسین بھی۔

میں جب دورۂ حدیث شریف کیلئے جامعہ رضویہ فیصل آباد میں حضرت محدث اعظم شیخ الحدیث مولانا سردار احمد رحمتہ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو اس وقت حضرت صاحبزادہ عزیز احمد رحمتہ اللہ علیہ، سانگلہ ہل میں مَسندِ تدریس پر فائز تھے اور خداداد استعداد و صلاحیت اور اعلیٰ اخلاق اور بلند نگاہی کی بدولت لوگوں میں کیا عوام اور کیا خواص، سب کے ہاں آپ کو قبولیتِ عامہ حاصل تھی۔ ہر ایک آپ کو عزت وقدر کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اس دوران بندہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو بڑی محبت و شفقت سے پیش آتے۔ آنے پر استقبال کیلئے اور جانے پر الوادع کیلئے اسٹیشن تک تشریف لاتے۔ طلباء اور دیگر احباب بھی ہمراہ ہوتے، حالانکہ میں ادنیٰ سا طالبعلم تھا اور اس اعزاز واکرام کے بالکل لائق نہیں تھا۔ مجھے فیصل آباد کا پانی موافق نہ آیا۔ طبیعت خراب رہنے لگی تو بارہا سانگلہ ہل بلوایا اور حکیم محمد بشیر مرحوم سے علاج معالجہ کروایا اور ہمیشہ دواؤں کا خرچ اپنی جیب سے ادا فرماتے۔ آپ مدنی مسجد فیصل آباد میں جمعہ پڑھاتے تھے۔ لوگ آپ کے عالمانہ اور ادیبانہ انداز خطاب سے مسحور تھے، مگر بوجوہ آپ خطابت کا سلسلہ برقرار رکھنے میں دقت محسوس کرنے لگے تو میری خطابت کا وہاں بندوبست کیا اور اپنے مخلصین اور نیازمندوں کو میرے بارے میں خصوصی طور پر تلقین فرمائی اور ہر ممکن سہولت کا خیال رکھنے کا پابند فرمایا۔ وقتاً فوقتاً ان کو تنبیہ فرماتے رہتے تھے تاکہ میرے مزاج کے خلاف کوئی حرکت ان سے سرزد نہ ہونے پائے۔

جب بندہ نے سلانوالی شہر میں ضیاءُ العلوم جامعہ شمسیہ رضویہ کے نام سے مدرسہ قائم کیا تو خود بھی بارہا قدم رنجہ فرمایا اور حضرت خواجہ غلام فخرالدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی تکلیف دیتے کہ آپ کے تشریف لے جانے سے اس کی دلجوئی بھی ہوگی اور عزت افزائی بھی۔ وہ بھی کرم نوازی فرماتے اور فراخدلی کے ساتھ وقت عنایت کرتے۔ ایک دو بار رات کو قیام فرما کر سعادت و برکت کے حصول کا موقعہ بخشا۔ ایسے ہی ایک موقعہ پر آپ کی معیت میں سلانوالی کے قریب بڑی نہر پر سیر و تفریح کیلئے گئے۔ نمازِ مغرب کا وقت ہوگیا تو

وہیں باجماعت نماز ادا کرنے کا پروگرام بن گیا۔ ایک مولانا ساتھ تھے، جن کو امامت کا شوق بھی تھا اور اپنی آواز کے متعلق حسنِ ظن بھی کمال درجہ تھا۔ ہم چاہتے تھے حضرت خواجہ صاحب کی اقتداء کا شرف حاصل کر لیں، اس لئے ان کو عرض کر رہے تھے۔ آپ نے قدرے تامّل سے کام لیا تو وہ مولانا فوراً مصلائے امامت پر مسلط ہو گئے۔ بس قرأت شروع فرمانے کی دیر تھی کہ حضرت صاحبزادہ صاحب کا ضبط وتحمل جواب دے گیا اور از سرنو وضو کرنے لگے۔ جب تک امام موصوف نے سلام پھیر کہ ہمیں اس امتحان سے نجات نہ دلائی آپ وضو فرماتے رہے اور پھر اطمینان وسکون سے اپنی نماز الگ پڑھ لی۔ استفسار پر فرمایا کہ جب ان کی قرأت کا آغاز ہی نماز شکن بلکہ وضو شکن تھا تو میں کیا کرتا؟ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ نماز تو میری بھی ٹوٹتے ٹوٹتے ہی بچی اور بڑی مشکل سے اس امتحان میں کامیابی حاصل کی۔

بندہ خانقاہی ماحول کی نزاکتوں اور تقاضوں سے کما حقہٗ آشنا نہ تھا اور نہ ہی اس معیار پر پورا اتر سکتا تھا جو آستانوں پر خدام کیلئے لازم امر ہے۔ لہذا کوئی نہ کوئی مسئلہ میری وجہ سے کھڑا ہو جانا معمول کی بات تھی اور اسکو سلجھانا اور رفع دفع کرنا آپ اپنا فرض سمجھتے تھے اور کما حقہٗ اس کو نبھاتے بھی تھے۔ میری طبیعت کا ہیجان اور ناتراشیدگی آئے روز انتظامیہ سے الجھتی اور مسائل کو جنم دیتی اور حضرت صاحبزادہ صاحب اپنی خداداد ذہانت وفطانت اور متانت وسنجیدگی سے ان مسائل کو حل فرماتے رہتے تھے۔ اس طرح کافی عرصہ حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی قائم کردہ باہمی اخوت میری دستگیری کرتی رہی اور سیال شریف میں ہم دونوں بھائیوں کو مل کر دار العلوم کی خدمت کرنے کا سنہری موقعہ نصیب رہا۔

لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ جب میری طرف سے برادرانہ تعلق کا امتحان تھا تو بندہ اس امتحان میں کامیاب نہ ہو سکا۔ تفصیل اس اِجمال کی یہ ہے کہ حضور شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین قدس سرہ العزیز نے اپنے پیرخانہ کے حکم کی تعمیل میں نواب زادہ محمد ذاکر قریشی مرحوم کے حق میں ساہیوال میں جلسہ کرنے کا پروگرام بنالیا جبکہ وہ پاکستان پیپلز پارٹی کی طرف سے قومی اسمبلی کے امیدوار تھے۔ گو ذاتی طور پر انتہائی شریف انسان اور عام

زمینداروں سے بالکل جُداگانہ سرِشت اور طبیعت کے مالک تھے۔لیکن جلسہ کی صورت میں پی پی پی کی بحیثیت جماعت تائید وحمایت کا تاثر دیا جا سکتا تھا، جبکہ یہ تاثر آپ کے جمعیت علماء پاکستان کے سابق صدر ہونے والے اعزاز کے خلاف تھا اور آستانہ عالیہ سیال شریف کے سجادہ نشین، عظیم عالمِ دین اور شیخ الاسلام کے منصب جلیل کے بھی مناسب اور شایانِ شان نہیں تھا۔ بندہ نے بہت انتظار کیا کہ کوئی آستانہ عالیہ اور حضور شیخ الاسلام کا مخلص آپ کو اس غلط تاثر سے بچنے کی طرف متوجہ کرے اور آپ کو جلسہ کے مفاسد پر غور کرنے کا مشورہ دے۔لیکن جب کافی انتظار کے باوجود ایسا کوئی مخلص آگے آتا نظر نہ آیا تو بندہ نے حضرت صاحبزادہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو بتلائے اور اعتماد میں لئے بغیر اس سلسلہ میں ایک عریضہ لکھ کر حضور شیخ الاسلام قدس سرہ کی خدمت میں پیش کر دیا، جس پر آپ نے بندہ کو فرمایا کہ ''جلسہ میں قریشی صاحب کی حمایت کا اعلان، میں اپنے پیر کے حکم کی تعمیل میں کر رہا ہوں پیپلز پارٹی سے مجھے قطعاً کوئی سروکار نہیں۔آپ نے خط لکھ کر اس اقدام پر گویا میری جواب طلبی کی ہے۔''

اُس وقت جب ہماری یہ باہمی بات چیت ہونے لگی حضرت خواجہ غلام فخر الدینؒ، صاحبزادہ صاحبؒ اور بہت سے افراد موجود تھے۔ عریضہ کے متعلق آپ کا یہ ردِعمل میرے لئے بالکل خلاف توقع تھا۔ میں نے عرض کیا کہ خانہ زاد کی کیا مجال جو جواب طلبی کرے۔ میں نے اخلاص سے مشورہ عرض کیا ہے اور چونکہ مُرید اور نیازمند روحانی فرزند ہوتا ہے، اس تعلق ونسبت کی بنا پر میں نے عریضہ لکھا۔ میری گزارش کو قبول نہ فرمائیں تو آپ مالک ہیں۔

اِن باتوں سے میں اِسقدر شکستہ خاطر ہوا کہ دارالعلوم سے اجازت لینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ چار پانچ گھنٹے گزرے تو حضور شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز اور آپ کے صاحبزادگان مع حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ اور چند دیگر احباب، میری دارالعلوم والی رہائش گاہ پر تشریف لائے۔ میں باہر نکلا تو حضور شیخ الاسلام نے فرمایا میں معذرت کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ مجھ سے یہ الفاظ ایک عزیز اور بچہ سمجھتے ہوئے سرزد ہو گئے تھے اور مجھے اس

پر دلی صدمہ اور دکھ ہوا ہے، میں معافی چاہتا ہوں۔ میں ابھی کچھ عرض کرنے ہی والا تھا کہ ساتھ آنے والوں میں سے ایک صاحب نے فرما دیا معذرت کی ضرورت ہی کیا ہے اور قبول نہیں کرتا تو کیا ہے؟۔ان سے میں نے عرض کیا، میری مجال نہیں کہ حضور سے معذرت اور معافی منگواؤں یہ تو آپ کی تواضع وانکساری اور ذرہ نوازی و بندہ پروری کا تقاضا ہے۔البتہ آپ اتنا جارحانہ انداز کیوں اپنا رہے ہیں؟ میں اس واقعہ کے بعد بھی دارالعلوم سے رخصتی کے ارادہ پر قائم رہا۔ یہ معاملہ حضرت صاحبزادہ صاحب جیسے نیاز کیش اور عقید تمند کیلئے اور بندہ کے ساتھ والدِ گرامی کی طرف سے قائم کردہ اخوت اور برادرانہ تعلق والی شخصیت کیلئے انتہائی پریشان کن اور تکلیف دہ بن گیا۔ان کو تقریباً یقین ہو گیا تھا کہ میں اب دارالعلوم میں تدریسی خدمات انجام کیلئے قطعاً آمادہ نہیں ہوں گا اور باہمی رفاقت بھی قائم نہیں رہ سکے گی۔ان کو میرے الڑھ پن اور ناتراشیدگی کے اس مزاج کا مشاہدہ کرنے کا اس سے پہلے موقعہ نہیں ملا تھا۔میری طرف سے رُودِ رعایت اور نرمی کی توقع بھی زیادہ نہ تھی اور دوسری جانب جو عظیم ہستی تھی اور آپ کے خاندان کے جو افراد تھے ان کو مزید عرض معروض کر کے اس الجھاؤ کو سلجھانے کی ہمت بھی اپنے اندر نہیں پاتے تھے۔ بہرکیف ان کا اضطراب واضطرار اور بے چینی و بیقراری حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ چند دن اسی حالت میں گزر گئے تو بندہ کی درسگاہ میں تشریف لائے اور مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا یہ حدیث شریف صحیح ہے؟

مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّداً فَلْیَتَبَوَّ اءَ مَقْعَدَہ' مِنَ النَّار

تو میں نے عرض کیا بالکل صحیح ہے۔فرمانے لگے مجھے رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے صحیح ہونے میں شک وشبہ نہیں تھا، صرف اس لئے پوچھا ہے کہ آپ کو اطمینان دلا سکوں کہ میں جو کہنے والا ہوں وہ اس فرمانِ رسالت کو مدِ نظر رکھ کر عرض کرنے والا ہوں، جس میں ذرہ بھر کمی بیشی کی گنجائش نہیں سمجھتا۔

آپ کو معلوم ہے کہ میں کس قدر پریشان ہوں! اسی پریشانی کے عالم میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ والا

جاہ میں آپ بھی حاضر ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق فرمایا کہ اِن سے دعا کراؤ۔ میں نے عرض کیا کہ یہ ہمیں اور دارالعلوم کو چھوڑ رہے ہیں اور کوچ کرنے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا ''نہیں! اُنہیں یہیں رہنا چاہیے اور آپ ان کو میری طرف سے کہہ دیں کہ اگر سیال شریف کا دارالعلوم چھوڑنے پر کوئی ضرر و نقصان پہنچ گیا تو پھر مجھے گلہ نہ دینا۔'' یہ آپ کا ارشاد ہے اور آپ پر جھوٹ باندھنا جتنا سنگین جرم ہے وہ اس حدیث پاک سے ظاہر ہے۔ اور بندہ کو اس کا پورا پورا علم ہے اس سے زیادہ میں آپ کو کیا تسلی کرا سکتا ہوں۔

آپ کے، سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پہنچائے گئے اس فرمان کے بعد بندہ کیلئے کوئی گنجائش باقی نہ رہ گئی تھی۔ لہٰذا فوری طور پر جس ردِ عمل کے اظہار کا ارادہ تھا وہ ملتوی کرنا پڑا۔ آپ کے خلوص اور برادرانہ شفقت اور خیر خواہی و ہمدردی کا اعلےٰ نمونہ بھی سامنے آیا اور آپ کی بارگاہِ رسالت میں قبولیت اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم گستری بھی سامنے آئی کہ دیدار ابد قرار کے ذریعے ان کو پریشانی اور بیقراری سے نجات بخشی اور ان کے ذریعے بندہ کو بھی بارگاہِ اقدس میں یاد کئے جانے کا شرف حاصل ہو گیا۔............**فللّٰہ الحمد و الشکر**

لیکن زیادہ عرصہ دارالعلوم کی خدمت سرانجام نہ دے سکا۔ اس فرمان پر عملدر آمد کی سعادت زیادہ عرصہ کیلئے حاصل نہ کر سکا۔ آپ کی خواہش و مرضی کے برعکس دارالعلوم سے چھٹی کر لی اور جامعہ نظامیّہ (لاہور) چلا گیا۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ' کی طرف سے متعدد حضرات آپ کے مکرمت نامہ کیساتھ تشریف لاتے رہے، لیکن بندہ معذرت کرتا رہا اور دو سال کا عرصہ بیت گیا۔ تب حضرت صاحبزادہ نصیرالدّین مرحومؒ کو آپ نے بھیجا تو واپس سیال شریف حاضر ہو گیا۔ جب حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ' سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو فرمانے لگے اچھا ہوا واپس آ گئے ہو، ورنہ اب تو رشک حسد کی حدوں کو چھونے لگا تھا اور یہ شعر زبان مبارک پر جاری تھا۔

غنی روزِ سیاہ پیرِ کنعاں را تماشا کن — کہ نورِ دیدہ اَش روشن کند چشمِ زلیخا را

رشک اور حسد تک کے الفاظ سُنے تو حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کی زبانی سیّدِ انس و جاں ﷺ کا سنا ہوا وہ فرمان ذہن میں گردش کرنے لگا کہ اگر سیال شریف کے دارالعلوم کو چھوڑنے سے تمہیں کوئی نقصان پہنچ گیا تو پھر مجھے گلہ نہ دینا۔ اللہ کریم کے کریم نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور اُن کے اس کریم امتی کے حِلم و حوصلہ اور بُردباری اور درگزر پر اور حسد کے تقاضوں سے بچانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اِن کریموں کی کرم نوازی پر ان کا بھی شکریہ ادا کیا۔

بہر کیف عرض یہ کرنا تھا کہ اپنے پیرانِ عظام کے ہاں آپ کو بڑی قبولیت اور پذیرائی نصیب تھی اور وہ حد درجہ آپ پر مہربان تھے۔ اکثر اوقات حضرت شیخ الاسلامؒ دارالعلوم میں تشریف رکھتے اور ان کو میزبانی اور خدمت کا وافر موقعہ میسر آتا رہتا تھا اور آپ کی طرف سے ان کی روحانی تربیت اور علمی ترقی کا سامان و اہتمام ہوتا رہتا تھا۔

حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کو حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار احمد قدس سرہ العزیز کے ہاں بھی انتہائی پذیرائی حاصل تھی۔ وہ بھی آپ کی تربیت میں خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ ایک دفعہ ان کی معیت میں ایک جلسہ پر جانے کا موقعہ ملا تو دیکھا کہ آپ کی آمد پر تو بڑا استقبال بھی کیا اور نعرے بھی بڑے لگائے۔ لیکن واپسی پر نہ سواری کا بندوبست کیا نہ الوادع کرنے کیلئے جلسہ کے منتظمین آگے آئے۔ چنانچہ آپ کو پا پیادہ واپس آنا پڑا۔ یہ صورتحال حضرت صاحبزادہ صاحبؒ جیسے خانقاہی ماحول کے پروردہ اور ان اخلاق و اطوار کے عادی کیلئے بڑی تکلیف دہ ثابت ہوئی۔ جب حضرت شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ اپنے مکان پر پہنچے تو دوسرے لوگوں کو باہر نکال دیا اور حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کو سامنے بٹھا کر اپنی زبان مبارک باہر نکال کر فرمانے لگے صاحبزادہ صاحب! دیکھیں یہ کہیں گھس تو نہیں گئی؟ آپ ہکا بکا رہ گئے کہ اتنی بڑی اور رکھ رکھاؤ والی شخصیت اس طرح کا طرزِ عمل کیونکر اپنا رہی ہے؟

آپ فرمانے لگے، آپ راستے میں سوچتے آرہے تھے کہ ان لوگوں نے بے اعتنائی اور لاپرواہی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کی یہ تھوڑی ہمت ہے کہ سٹیج بنایا، شامیانے لگائے، اشتہار نکالے اور مُنادی کرائی۔ ہم نے زبان سے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم

کی تعریف کر دی تو ہماری زبان گھس تو نہیں گئی۔ رات گزری تو صبح پھر آپ کو بلوا لیا گیا۔ آپ پریشان ہو گئے کہ پتہ نہیں اب کے پھر سرزنش تو نہیں ہوتی۔ حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا! صاحبزادہ صاحب سویرے سویرے ایک صاحب آئے ان کی بچی کا نکاح تھا، ہمیں نکاح پڑھانے کے لئے لے گئے۔ اتنے ہزار مجھے دیئے اور اتنے دارالعلوم کیلئے دے دیئے۔ جبکہ صرف پانچ دس منٹ صرف ہوئے۔ رزق دینے والا اللہ تعالےٰ ہے۔ نظر اس پر رکھنی چاہئے وہ کسی نہ کسی طرف سے عطا فرماتا رہتا ہے۔

ایسے مُربی اور مشفق اساتذہ کی تربیت اور والدِ گرامی کی شانِ استغنا کا اثر تھا کہ آپ نے تدریس و خطابت اور تقاریر کو کبھی بھی ذریعۂ معاش نہیں بنایا۔ رضائے خداوند تعالےٰ اور رضائے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہمہ وقت پیشِ نظر رہی اور غیبی خزائن سے آپ کی ضروریات کا بندوبست ہوتا رہا۔ اگرچہ آپ تھوڑا عرصہ بقید حیات رہے لیکن بہت سے تعمیری کام سرانجام دے گئے، جنکی وسیع آمدنی والوں سے بھی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

صاحبزادہ محمد واجد عزیز
مکان شریف، گفری (خوشاب)

میرے والدِ گرامی حضرت صاحبزادہ عزیز احمد رحمتہ اللہ علیہ بڑے مشفق اور مہربان تھے۔ میرا بچپن تھا، میں دیکھتا کہ ابا حضور کے پاس علاقہ بھر سے لوگ حاضر ہوتے۔ اپنی دکھ بھری کہانی سناتے اور آپ ایک جملے میں دکھیوں کے دکھ دور فرما دیتے۔ لوگ جب آتے تو ان کی آنکھوں میں آنسو ہوتے اور واپس جاتے تو ان کے چہرے پر مسکراہٹ نظر آتی اور وہ خوش خوش دکھائی دیتے۔

آپؒ علاقہ میں مذہبی محافل میں تشریف لے جاتے تو مجھے بھی ساتھ حاضری کا موقع ملتا۔ آپؒ لوگوں کے سامنے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و عظمت بیان کرتے تو ان کے دِلوں میں عشقِ رسول کی لہر دوڑ جاتی اور لوگ ہمیشہ کے لئے غلامیِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن اپنے ہاتھوں میں تھام لیتے۔

ابا حضور شریعت کی پابندی کی تلقین فرماتے تھے۔ خصوصاً نماز کی ادائیگی پر بہت زور دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ جمعہ پڑھانے کے لئے موضع جاہلر تشریف لے جا رہے تھے۔ جمعرات کو نمازِ عصر کے بعد مکان شریف سے روانہ ہوئے۔ ملک نور حسین صاحب کے ٹرک پر سفر فرما رہے تھے۔ جب گفری چوک میں پہنچے تو ایک نوجوان نے حاضر ہو کر سلام پیش کیا اور ساتھ جانے کی درخواست کی۔ آپ نے اُسے ہمراہ لے لیا۔ کھوائی بنگلہ سے ذرا آگے پانی کا ایک نالہ گذرتا ہے، وہاں پہنچے تو نمازِ مغرب کے لئے رک گئے۔ کچھ ساتھی وضو کرنے لگے۔ وہ نوجوان ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا! وضو کر لیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ کپڑے ناپاک ہیں اس لئے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ آپ نے فرمایا! کوئی بات نہیں، آج تم وضو کر کے اِنہی کپڑوں سے نماز ادا کر لو۔ اس نے وضو کیا تو آپ نے اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے یہ آنکھیں کیوں بنائی ہیں؟ اس

نے عرض کیا، دیکھنے کے لئے۔ آپ نے پوچھا، یہ کان کیوں بنائے ہیں؟ اس نے عرض کیا سننے کے لئے۔ پھر فرمایا، ہاتھ کس لئے بنائے گئے؟ عرض کیا کہ پکڑنے کے لئے۔ آپ نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سوال کیا کہ یہ کس لئے بنائی گئی؟ اس نے عرض کیا کہ مجھے تو معلوم نہیں، آپ ہی فرما دیں۔ آپ نے فرمایا کہ پیشانی اللہ کریم نے اس لئے انسان کو عطا کی ہے کہ اس کی بارگاہ میں جھک کر حقِ بندگی ادا کرتی رہے۔ آپ کے اس ارشاد کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ وہ پانچ وقت کا نمازی بن گیا۔

یہ تھے میرے ابا حضور، جو ایک ارشاد سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہِ راست پر لے آتے۔ اللہ کریم آپؒ کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں اپنی اور اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔

صاحبزادہ محمد مکرّم الدین معظمی
معظم آباد شریف، سرگودھا

جن اوصاف کا وجود ایک قافلہ سالار کے لئے لازم ہوتا ہے، وہ بدرجہِ اتم حضرت سیّدی صاحبزادہ عزیز احمدؒ کے سراپا میں بچپن سے ہی موجود تھے۔عہدِ طفولیت میں گرمی کا موسم، اس ناچیز کو اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ مکان شریف پر گزارنے کا موقع میسّر ہوتا۔حضرت صاحبزادہ صاحبؒ ازراہِ شفقت مجھے اپنے ساتھ رکھتے۔یوں ہمارا اٹھنا، بیٹھنا، چلنا پھرنا ایک ساتھ ہوتا تھا۔سیر وتفریح کے لئے بھی اکٹھے جایا کرتے تھے۔میری عمر آپ سے تقریباً سات آٹھ سال کم تھی۔حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کے لڑکپن کے اوصافِ حمیدہ، جو بخوبی مجھے یاد ہیں، ان کا ذکر ضروری سمجھ رہا ہوں۔

عام طور پر کھیلتے ہوئے بے تکلفی کچھ زیادہ ہوتی ہے اور بلا حجاب گالیوں کے تبادلے بھی ہوتے رہتے ہیں، لیکن مجھے یاد نہیں کہ کبھی آپ کی زبان سے اسطرح کے ناشائستہ کلمات نکلے ہوں یا آپ نے کسی ساتھی سے جھگڑا کیا ہو۔اکثر سنجیدہ اور خاموش رہتے تھے۔لڑکپن کے دنوں میں ایک مرتبہ میرا منہ کھول کر اپنا لعابِ دہن ڈال دیا۔اس دور میں تو میں نے اس فعل کو کھیل کا حصہ سمجھا، لیکن دراصل یہ بہت بڑی مہربانی تھی، جس کا احساس بعد میں مجھے ہوا اور اس کا اثر آج بھی محسوس کرتا ہوں۔اوقاتِ تفریح میں میٹھے انداز میں تربیت فرما لیتے۔اکٹھے چلتے ہوئے اگر کوئی ساتھی پیچھے دیکھتا تو منع کرتے اور فرماتے کہ چلتے ہوئے پیچھے ہرگز نہ دیکھنا چاہیے۔ناگزیر صورت میں پوری طرح مڑ کر دیکھنے میں قباحت نہیں۔چلتے ہوئے آپ کا انداز بڑا باوقار ہوتا تھا۔دائیں، بائیں یا پیچھے دیکھنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ راستہ چلتے ہوئے اگرچہ ماں یا بہن ہی کیوں نہ مل جائے، اُسے بلانا چاہیے نہ اس کے پاس رکنا چاہیے۔کیونکہ یہ بھی محلِ تہمت ہے اور حدیث پاک کی رُو سے محلِ تہمت سے بھی بچنا لازم ہے۔آپ کی تربیت کا انداز اس قدر نرالا تھا کہ ہر شخص بطیبِ خاطر نصیحت

قبول کر لیتا۔ اجنبی شخص بھی حاضر ہوتا تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔

مہمان نواز بہت تھے، مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانا پسند فرماتے تھے۔ اس سنتِ ابراہیمی کو آپ نے ہمیشہ زندہ رکھا۔ مہمانوں سے محبت اور ان کی خدمت کا ولولہ تو اپنے عظیم باپ کی اعلیٰ تربیت نے بچپن ہی میں آپ کو عطا کر دیا تھا۔ مہمان کا بستر خود درست کرتے، اس کے پاس بیٹھ کر پیار بھری گفتگو سے اپنائیت کا احساس اجاگر کرتے تھے۔

حسنِ خَلق کو لیجئے یا حسنِ خُلق کو، محبت، مودّت، مروّت کو دیکھئے یا لطافت، سخاوت اور فصاحت و بلاغت کو، ہر وصف میں آپ یکتائے روزگار اور فرید العصر تھے۔ درویشوں کی صف میں بیٹھتے تو درویشِ کامل نظر آتے۔ دنیاداروں کے مجمع میں جاتے تو دنیا دار بھی اس بے تاج بادشاہ اور مردِ جسّور وغیور کو ایڑیاں اٹھا اٹھا کر دیکھتے۔ علما، فضلا اور خطبا کی محفل میں قدم رنجہ فرماتے تو آپ کی سَطوت کے سامنے سب کے سر خم نظر آتے۔ آپ کے قدومِ میمنت لزوم نے وادیِ سُون کے لوگوں کی تقدیر کا رخ بدل دیا۔ نجدیّت و وہابیّت کی تاریکی، جو اَطراف و اَکناف سے وادیِ سُون پر مسلّط ہو چکی تھی، آپ کے نعرۂ مستانہ سے اپنا بوریا بستر لپیٹ کر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئی۔ ہر طرف یا رسول اللہ کے فلک شگاف نعروں کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ ہر دل عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی منزل نظر آتا ہے۔ اور ہر آنکھ فراقِ نبی میں پُرنم نظر آتی ہے۔ آپ کے جانشین قبلہ صاحبزادہ محمد حامد عزیز صاحب کی قیادت میں ۱۲ ربیع الاوّل کو پوری سج دھج سے جلوس نکالا جاتا ہے۔ یہ جملہ حسین مناظر اسی مردِ قلندر کی شبانہ روز کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ آپ کی کامیابی کا راز جذبہ کی صداقت، گفتار و کردار کی ہم آہنگی، خلقِ خدا سے پُرخلوص روابط، بلند ہمتی، وسعتِ قلبی، سادگیِ طبع، کردار کی بلندی اور تواضع وانکساری جیسی اعلیٰ صفات میں مضمر نظر آتا ہے۔ ہر پہلو سے آپ کامل و اکمل اور ہر جہت سے مکمل دکھائی دیتے ہیں۔ تبھی تو خلقِ خدا پروانہ وار اس شمع حسن و ادا پر گرتی پڑتی تھی۔

در دست نہ تیر است نہ بر دوش کماں است
ایں سادگی ہست کہ بسمل دو جہاں است

یوں تو ہر انسان کی آپ کے دل میں جگہ تھی۔ ہر ایک سے محبت فرماتے تھے، لیکن جن شخصیات سے آپ نے ٹوٹ کر محبت کی ان میں حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ، محدثِ اعظم مولانا محمد سردار احمدؒ اور آپ کے والد گرامی حضرت میاں عبدالحمیدؒ قابلِ ذکر ہیں۔ ان نفوسِ قدسیہ کے ساتھ آپ غیر معمولی عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ اسی خلوص و عقیدت کی بنا پر مذکورہ حضرات بھی آپ کے قدر دان تھے۔

یوں تو ہر باپ کو اپنی اولاد عزیز ہوتی ہے، لیکن حضرت باوا جی صاحبؒ کو صاحبزادہ صاحبؒ سے بہت اُنس تھا۔ آپ اس خانوادۂ عالیہ کے بس ایک ہی چشم و چراغ تھے۔ علم و آگہی کا جو بیج عظیم باپ نے اپنے نورِ نظر میں بویا، اس کے لئے یہ مٹی غایت درجہ زرخیز ثابت ہوئی۔ آپ اقدارِ اسلاف کے محافظ و امین بن کر چمکے۔ اپنے مشائخِ عظام کی توجہات کا محور تھے اور ان کی عنایات بے غایات کے حصول سے اپنے والدِ گرامی کا نام روشن کیا۔ اپنے لاتعداد شاگرد پیدا کر کے اور تعلقاتِ عامہ کو فروغ دے کر علما و مشائخ اور عوام الناس میں خانقاہِ عالیہ مکان شریف کو خوب متعارف کرایا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے والد گرامی کی خدمت و ادب اور اطاعت و فرمانبرداری میں اپنی نظیر آپ تھے۔ یہ محبت و عقیدت ان کے ہر عمل سے اظہار پاتی تھی۔ حضرت باوا جی صاحبؒ کو جب خط تحریر کرتے تو سرنامہ سے پہلے عربی کا ایک شعر ضرور لکھتے جو اس باطنی کشش کا غماز ہے، جو وہ والد گرامی کے لئے اپنے دل میں رکھتے تھے۔

وَلَيْسَ يَفُوْتُنَا اِنْ عِشْتَ خَيْرٌ
كَفَانَا اَنْ يَّطُوْلَ لَكَ الْبَقَاءُ

ترجمہ: آپ زندہ و سلامت ہیں تو ہمیں خیر ہی خیر ہے۔ ہماری مراد یہی ہے کہ آپ سلامت تا قیامت رہیں۔

آخر میں ان نسبتوں کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں، جو مجھے حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کے ساتھ حاصل ہیں اور جن پر مجھے تادمِ واپسیں ناز رہے گا۔ آپ بیک وقت میرے ماموں، دوست، استاد اور مربی و محسن ہیں۔ سب سے پہلے آپ رشتہ میں میرے شفیق و

مہربان ماموں ہوئے۔ پھر مل کر کھیلنے اور رہنے کی وجہ سے میرے دوست بنے۔ 1959ء میں مجھے آپ کے حلقہ تلمذ میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ تعلیم و تعلّم کے ساتھ ساتھ آپ نے میری تربیت کا بھی خیال رکھا۔ میری ضروریات کا خیال رکھ کر میرے مربی و محسن ٹھہرے۔ وہ تو سراپا احسان و مروّت تھے۔ مجھے اپنی کوتاہ دامنی کا خیال آتا ہے تو حسرت و ندامت محسوس ہوتی ہے۔

اللہ کریم آپ کے فیوض و برکات، آپ کے جانشین والا شان حضرت صاحبزادہ حامد عزیز حمیدی کے ذریعے ہمیشہ جاری و ساری رکھے۔ الحمد اللہ صاحبزادہ صاحب موصوف اپنے والدگرامی کے مشن کو حیاتِ جاودانی بخشنے کے لئے سرگرمِ عمل ہیں۔

حضرت قاضی محمد فضل رسول حیدر رضوی
سجادہ نشین آستانہ عالیہ محدث اعظمؒ، فیصل آباد

دین اسلام! اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، حیات بعد الموت، یوم قیامت، محبت، حق پرستی، نیکی، سچائی، کردار کی مضبوطی اور زندگی کی ہر اچھی چیز کو اپنانے پر زور دیتا ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اسلام کے پاکیزہ اصولوں پر عمل پیرا ہو کر حیاتِ جاودانی کا تاج پہننے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے عیش و آرام اور اپنی ہر خواہش و تمنا کو خالقِ حقیقی کی رضا مندی کے لئے قربان کر دیتے ہیں۔ اور ہر وقت اللہ وحدہٗ لاشریک کی خوشنودی کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ ایسے ہی ستودہ صفات لوگوں میں سے ایک حضرت صاحبزادہ عزیز احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ مکان شریف تھے۔

صاحبزادہ صاحبؒ خلد آشیاں سے میرے مراسم دیرینہ تھے۔ ان کا زمانہء متعلمی، پھر معلم، پھر خطیب تادمِ آخر میرے سامنے ہے۔ صاحبزادہ عزیز احمدؒ انتہائی خدا پرست اور ایمان وایقان کی توانائی سے لبریز تھے۔ اُن کا سینہ عشقِ الٰہی اور محبتِ رسول سے معمور تھا۔

حضرت صاحبزادہ عزیز احمد رحمتہ اللہ علیہ زمانہء طالب علمی ہی سے پابندِ صوم وصلوٰۃ تھے۔ سچائی وسادگی، مذہب ومسلک سے از حد محبت، دوستوں سے وفا ان کا طرہء امتیاز تھا۔ صاحبزادہ صاحب نے سیّدی واَبی حضور محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد رحمتہ اللہ علیہ سے شرفِ تلمّذ حاصل کیا اور آستانہِ عالیہ مکان شریف کے زیبِ سجادہ اور روحانی طور پر اعلیٰ درجہ پر فائز رہے۔ آپ بہترین اور نڈر خطیب، محنتِ شاقہ سے پڑھانے والے مدرس اور بااخلاق شیخِ طریقت تھے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی، تبلیغِ دین اور تعلیمِ دین میں صرف کی۔ طویل عرصہ فیصل آباد، سانگلہ ہل اور گکھڑی شریف میں وہ خطابت اور قرآن وحدیث کے درس وتدریس میں مشغول رہے اور یہ سلسلہ زندگی کے

آخری لمحات تک جاری رہا۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ عزّ وجل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے حضرت صاحبزادہ صاحب کی خدمتِ دین کو قبول فرمائے اور دارالجنان میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین! بجاہِ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سُلطان فیاض الحسن
دربار حضرت سلطان باہو، جھنگ

علم ایک ایسا نور ہے جس کا فیضان ابدالآباد تک جاری رہتا ہے۔ جب علم اور عرفان یکجا ہو جاتے ہیں، تب انسان کمال پر پہنچتا ہے۔

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ، اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ گلشنِ چشتیہ میں ایک بہار تھے۔ وادیِ سُون میں حقانیت کے علمبردار تھے۔ لیکن افسوس، وہ بہت جلد ہم سے بچھڑ گئے۔ ابھی مذہبِ اسلام، مسلکِ اہل سنت اور اہلِ علاقہ کو ان کی بہت ضرورت تھی۔ لیکن قانونِ قدرت اٹل ہے اور تقدیر کے سامنے کسی کا بس نہیں چلتا۔ جو نقصان، ہم سے جُدا ہو کر، آپؒ کر گئے ہیں، اس کی تلافی ممکن نہیں۔ اللہ کریم بطفیلِ حبیبِ مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کے جانشین صاحبزادہ محمد حامد عزیز صاحب کو آپ کا علمی وروحانی مشن جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مفتی ظفر علی نعمانی
ناظم دارالعلوم امجدیہ، کراچی

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ شیخ الحدیث مولانا حضرت سردار احمدؒ سے فارغ التحصیل تھے اور سیال شریف سے حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالویؒ سے مرید اور خلیفہ تھے۔ مختلف مدارس میں بحیثیت صدر مدرس دینی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ہمارے ساتھ سانگلہ ہل میں، جبکہ وہ وہاں صدر مُدرس تھے، بڑے اچھے تعلقات تھے۔ تدریس کے معاملہ میں یکتائے زمانہ تھے۔ خلوص اور نیک نیتی انتہا سے زیادہ تھی۔ بسا اوقات اپنے سے چھوٹے علماء کو اس محبت اور پیار سے ملتے تھے جیسے اپنے بزرگوں کیساتھ کوئی ملتا ہے۔ رحمدل اتنے تھے کہ طلباء کے اوپر کسی قسم کی سختی کو رَوا نہیں رکھتے تھے۔ سانگلہ ہل چھوڑنے کے بعد سیال شریف اور پھر مکان شریف (کُفری) چلے گئے اپنے والد ماجد کی جگہ پر، انکے وصال کے بعد مسند نشین ہوئے اور اصولی طور پر وہاں کے سارے معاملات نہایت خوش اسلوبی کیساتھ سنبھال لئے۔ والد ماجد کی کمی کو متعلقین میں محسوس نہیں ہونے دیا۔ سیال شریف کی درگاہ سے بھی انکے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ حضرت خواجہ قمر الدین رحمتہ اللہ علیہ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ سیال شریف کی پوری درگاہ میں انکی بہت عزت کی جاتی تھی۔

آپ دارالعلوم ضیاءِ شمس الاسلام سیال شریف میں بحیثیت شیخ الحدیث وصدر مدرس رہے اور ہر ایک کی خدمت اسکے مرتبہ کے مطابق سرانجام دی، جو آپکا خاصہ ہے۔ میرے ساتھ انکے اچھے دیرینہ تعلقات تھے۔ سانگلہ ہل میں برادرانہ تعلقات تھے اور مکان شریف پر جب بھی حاضر ہوا نہایت محبت واحترام کیساتھ ملتے تھے۔ سانگلہ ہل کی زندگی میں ہمارے اور انکے درمیان علمی معاملات اور دوسرے انتظامی معاملات کے بارے میں اتنے زیادہ واقعات ہیں کہ اس مختصر سے وقت میں لکھنے کی گنجائش نہیں۔ ہم دعا کرتے

ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضور اکرم کے صدقہ میں انکے فیوض و برکات کو جاری رکھے اور انکے صاحبزادہ کو صحیح طور پر انکے نقشِ قدم پر چلنے اور شریعتِ مطہرہ پر عمل کرنیکی توفیق عطا فرمائے اور انکے فیوض و برکات سے مریدین اور علاقہ کے لوگوں کو مستفیض فرمائے (آمین)

سیّد محمد ذاکر حسین شاہ
ممبر اسلامی نظریاتی کونسل، راولپنڈی

آستانہ قدسیہ سیال شریف کے عرس مبارک پر پہلی دفعہ حضرت علامہ صاجزادہ عزیز احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو تقریر کرتے دیکھا تو وہ مجھے لکھنوی لباس مین حسین شہزادے محسوس ہوئے۔ پھر ان کا طرز تدریس دیکھا تو وہ بیک وقت مجھے ایک فلسفی اور ایک سچے اور سُچے صوفی دکھائی دیئے۔

وہ بڑے فنکارانہ انداز سے دلائل کے دریا انتہائی سادہ الفاظ میں بہار ہے تھے۔ انکے منتہی شاگردوں سے بات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ منطق اور فلسفہ آپ کا خصوصی موضوع ہیں۔ مگر آپ جامع العلوم ہیں اور جس فن پر بھی گفتگو فرما رہے ہوتے ہیں، حقِ تحقیق ادا کردیتے ہیں۔

آپ ایک روحانی مرکز کے سجادہ نشین تھے۔ علم و عمل کے ماہ جبین تھے، لیکن آپکی طبیعت میں تصنع اور تکلف نام کی کوئی چیز نہیں تھی، اہلِ علم کا غرور انکے قرب و جوار سے ہوکر نہیں گزرا تھا، مگر ان سے گفتگو کرنے والا ان کی وسعت علمی سے ضرور مسحور ہوتا تھا۔

میرے نزدیک ان کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ وہ اپنے مرجعِ عشق، آستانہ قدسیہ سیال شریف سے اٹوٹ محبت کرتے تھے اور حضور شیخ الاسلام امامِ عصرِ حاضر خواجہ علامہ حافظ محمد قمر الدّین رحمۃ اللہ علیہ کی آپ پر خصوصی نظرِ کرم اور نگاہِ عاطفت تھی۔ آپ اپنے شیخِ کامل کی محفلِ اقدس میں نفس گُم کردہ بیٹھتے تھے۔ عقل کی دنیا کی حیثیت ثانوی ہوتی اور عشق کی دنیا کی بہاریں ہوتیں۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

شیخ الحدیث حضرت محمد حسن حقانی اشرفی
کراچی

حضرت صاحبزادہ عزیز احمد سیالویؒ کا نام بار ہا سنا تھا۔ ان کے شاگردِ رشید مولانا غلام قمر الدّین سیالوی صاحب ان کے علم وفضل اور اخلاق حسنہ کی بہت تعریف کرتے تھے۔ دور افتادہ ایک گاؤں، مکان شریف گفری ضلع خوشاب، پہاڑی علاقہ، موسم نسبتاً گرمیوں میں بھی ٹھنڈا، مگر جی چاہتا تھا کہ وہاں تک بادہ پیائی کی جائے اور زیارت حاصل کر کے بنفسِ نفیس دیکھ لیا جائے۔ سو جوہر آباد میرا رشتے کی ہمشیرہ کے ہاں جانا ہوا۔ جامع مسجد غوثیہ کے امام غالباً مولانا جان محمد صاحب نے اپنا ایک طالب علم دیا۔ جمعہ کا دن تھا۔ صبح روانہ ہو کر بارہ بجے کے قریب مقامِ مقصود پر پہنچا۔

میں نے دیکھا کہ فقر و درویشی کا پیکر، سادہ لباس میں استقبال کیلئے موجود ہے۔ جمعہ پڑھانے کا اصرار کیا۔ میں عجب مخمصے میں تھا کہ ایک ایسا شخص جو بیعت کے حوالے سے شیخ الاسلام خواجہ قمر الدّین سیالویؒ کا مرید، جو مولانا معین الدّین اجمیریؒ کے شاگرد اور وہ حکیم برکات احمد ٹونکی کے شاگرد، گویا تین واسطوں سے علوم عقلیہ کے امام فضل حق تک پہنچ گئے۔ اور دوسری طرف بیعت کے حوالے سے چشتی سلسلے میں تین چار واسطوں سے خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ تک جو چشتیوں کے جدامجد ہیں، تو تیسری طرف محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمدؒ کے شاگرد اور قادری جذبے کے حامل۔ محدث اعظم پاکستان، صدر الشریعہ مولانا امجد علی کے شاگرد، جن کا سلسلہ علوم عقلیہ کا دو واسطوں سے علامہ فضل حق خیر آبادی تک۔ اور حدیث میں عالی شان سند کے حامل اور وہ محدث اعظم پاکستان جو مرید و خلیفہ مجاز حجتہ الاسلام ہے۔ گویا اس طرف سے صرف دو واسطوں سے اعلیٰ حضرت احمد رضا خانؒ تک۔ غرض بیعت کا سلسلہ ہو یا شاگرد ہونے کا، سند چشتی کا سلسلہ ہو یا درویش اور فقیری کا، اتنے تمام مفتخر اور محترم واسطوں والا شخص اس حقیر سراپا تقصیر کا استقبال

کرر ہا ہے۔ جمعہ کی نماز پڑھوار ہا ہے۔ کھانا اپنے ساتھ کھلا رہا ہے۔ بحیثیت مہمان تعظیم کر رہا ہے۔ یہ سب کچھ چند ساعتوں میں میرے ذہن وقلب میں انقلاب پیدا کر گیا اور بہت کچھ پالیا اور یقین ہو گیا کہ گدڑیوں میں لعل چھپے ہوتے ہیں۔

مجھے تو وہ بہت اچھے لگے، پسند آئے، حسنِ اخلاق نے متاثر کیا۔ ان کی مہمان نوازی سے بہت ہی محظوظ ہوا۔ گرمی کے باوجود جون کے مہینے میں وہاں موسم خوشگوار تھا۔ میرا ململ کا کُرتا تھا، لحاف اور کمبل لا کے دیا۔ چار پائی پر بستر بچھوایا۔ مجھے تھوڑی دیر گرم ہونے کا موقعہ دیا اور جب میں وہاں سے چلا تو جسم بھی گرم تھا اور روح بھی گرم۔

یہ تھی ایک چھوٹی سے ملاقات صاحبزادہ عزیز احمدؒ سے اور یہ ہے میری داستان، اتنی دیر میں کیسا پایا کیا بتاؤں؟ بس ہمہ صفت موصوف تھے، یادگارِ اسلاف تھے، رشکِ علما تھے، معاصرین میں کئی اعتبار سے ممتاز تھے، اور کیا کیا تھے، کچھ اور رہتا تو مزید پتہ چلتا کہ پھر نیاز ہی حاصل نہیں ہوا اور وہ وصالِ حق کے راہی، ہم سے جدا ہو کر وہاں پہنچ گئے۔ وصل حق کی لذت پائی، ہم فراقِ ہجر میں یہاں تڑپتے رہے۔ جب یاد آتے ہیں، تصور میں سماتے ہیں تو ایک موہنی صورت اپنا جلوہ دکھا دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو جوار رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے۔ جہاں جہاں سے فیض ملا ہے پالیا ہے، اس کے صدقے میں جنت میں ممتاز مقام عطا فرمائے کہ دیکھو یہ چشتی بھی ہے، قادری بھی ہے، دیکھو یہ علم معقول ومنقول میں خلاصہ علم وعقل کا خوشہ چیں ہے۔ ان کی قبر پُر انوار پر رحمتوں کی بارش ہو۔ قبر میں انوار وتجلیات کی روشنی ہو۔ قبر باغِ جنت ہو۔ کل میدان قیامت میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہو اور اپنے بڑوں کی نظرِ رحمت حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فضل، یہ سب کچھ انشاء اللہ انہیں حاصل ہوگا اور ملے گا۔

این دعا از من و جملہ جہاں آمین باد

شیخ الحدیث ابوالفتح محمد نصر اللہ خان افغانی

کراچی

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم۔ اللھم اغفر وارحم وانت خیر الرحمین و بعد جناب صاحبزادہ عزیز احمدؒ مرحوم کامل، ہمہ خواہ، دیدہ زیب و ہمہ دوست خطیب تھے۔ لائل پور میں انکے مسجد والے مقتدیان انکو دل و جان سے چاہتے تھے۔ جب وہ چھٹی پر ہوتے تھے تو مسجد کے سیکرٹری اور آپ کے مقتدی میرے پاس آ کر کہتے تھے کہ جناب صاحبزادہ صاحب کی غیابت میں لوگوں کی تسلی و تشفی کسی دیگر عالم و خطیب سے نہیں ہوتی، ہوائے آپ کے۔ منت وسماجت کرتے تھے اور مجھے لیجاتے تھے۔ جامعہ رضویہ سے گزرتے ہوئے صاحبزادہ صاحب سے جب کبھی آمنا سامنا ہوتا تو شوق و محبت سے ملتے تھے اور محبت کا اظہار فرماتے تھے۔ گفتگو میں ادب و شیرینی تھی۔ سیرت و کردار میں زیبائش و شائستگی تھی۔ صورت کے اچھے تھے تو سیرت کی دیدہ زیب اعلیٰ شخصیت رکھتے تھے۔ خَلق کے لحاظ سے آراستہ و پیراستہ تھے اور خُلق و خصلت کے لحاظ سے شائستہ تھے۔ عالِم و عامِل تھے۔ کامل و فاضل تھے۔ میرے دل میں ان سے ملاقات کا شوق زیادہ تھا، پر میری گوشہ نشینی......................................رحمتہ اللہ علیہ

پروفیسر ڈاکٹر صاحبزادہ معین نظامی

یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

حضرت علاّمہ صاحبزادہ عزیز احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے فاضلِ اجل اور صوفیِ بے بدل تھے۔ وہ علمِ شریعت میں درجۂ کمال پر فائز تھے اور میدانِ معرفت و طریقت کے شاہ سوار تھے۔ ان کی ذاتِ والا صفات شریعت و طریقت کا بہترین امتزج تھی۔ یہ وہ قابلِ رشک وصف ہے جو روز بہ روز کم سے کمتر ہوتا جاتا ہے۔ انہوں نے طویل عرصہ ظاہری علوم کے حصول اور پھر ان کی تدریس میں صرف کیا۔ ساتھ ہی وہ مدتوں تحصیلِ معارف میں بھی مشغول رہے اور پھر چشتی نظامی سیالوی سلسلے کی فیوض و برکات بھی بانٹتے رہے۔

مجھے یہ سعادت حاصل رہی کہ میں نے آپؒ کو بہت قریب سے دیکھا اور کئی حوالوں سے دلی طور پر ان سے متاثر بھی ہوا۔ ان میں نہایت اعلیٰ درجے کی انسانی، اخلاقی اور روحانی خوبیاں موجود تھیں۔ وہ اپنے والدِ ماجد حضرت میاں عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے پیرومرشد حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے احترام اور اطاعت میں بے مثال تھے۔ ان ہستیوں کے سامنے، انہوں نے اپنی ذات اور خواہشات کو معدوم کر رکھا تھا۔ اپنے بے پناہ علم و فضل کے باوجود، وہ ایک عام ارادت مند کی حیثیت سے آستانہ عالیہ سیال شریف پر مقیم رہ کر وہاں کے شیخ الجامعہ رہے اور ایک زمانہ آپ سے فیض یاب ہوا۔ سیال شریف میں سالہا سال قیام کے دوران میں وہ لمحہ بھر بھی کسی کیلئے بارِ خاطر نہیں بنے۔ یہ ایک کڑی آزمائش تھی، جس میں اللہ تعالیٰ نے انہیں سرخرو کیا:۔

حاصلِ عمر نثارِ رہِ یاری کردم
شادم از زندگیِ خویش کہ کاری کردم

خانقاہِ مکان شریف، کُفری کے حضرات نے خانقاہِ معظمیہ، معظم آباد سے ہمیشہ عقیدت و محبت کا اظہار کیا اور قریبی رشتہ داری کے باوجود خانوادۂ معظم آباد سے ایسا تعلق

برقرار رکھا جس میں نیاز مندی کا عنصر غالب تھا۔ وفا شعاری کی یہ روش حضرت صاحبزادہ عزیز احمد مغفور نے بھی کمال جاں نثاری سے اپنائی اور اس خاندان کے ہر چھوٹے بڑے فرد کا اکرام ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ ناقابلِ یقین حد تک عقیدت و احترام کا یہ تعلق بلاشبہ انتہائی قابلِ ستائش ہے۔

حضرت صاحبزادہ عزیز احمد رحمۃ اللہ علیہ صحیح معنوں میں ایک معاشرتی مصلح تھے۔ معاشرے کے ہر طبقے کے لوگوں سے اُن کے براہِ راست تعلقات استوار تھے۔ وہ ہر سطح کے لوگوں کو خوشیوں اور غموں میں بہت اہتمام سے شریک ہوتے رہے۔ بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کام کتنے حوصلے کا متقاضی ہے۔ آفریں اُن پر کہ وہ خود بھی اس مشکل ذمہ داری کے نبھانے میں کامیاب رہے اور اب ان کے خلف الرشید جناب صاحبزادہ حامد عزیز صاحب بھی بڑی پامردی سے اس سنّتِ کریمانہ پر عمل پیرا ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

لاہور

حضرت صاحبزادہ عزیز احمد رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ میرا پہلا تعارف ابا جی قبلہ کے ہمراہ بچپن میں ہوا۔ صاحبزادہ صاحبؒ ان کے بہت اچھے دوست اور قابل احترام حلقہ احباب میں شامل تھے۔ دونوں بزرگوں کی یہ باہمی رفاقت، محبت اور موانست دو حوالوں سے پروان چڑھی تھی۔ ایک یہ کہ دونوں استاد بھائی تھے۔ صاحبزادہ عزیز احمدؒ نے جامعہ رضویہ فیصل آباد میں محدثِ اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد رحمتہ اللہ علیہ سے دورہ حدیث کرنے کے بعد انکی خدمت میں انتظامی اور تحقیقی سرگرمیوں بالخصوص فتاویٰ نویسی میں کافی وقت گزارا۔ حسن اتفاق سے ابا جی قبلہؒ نے بھی حضرت شیخ الحدیثؒ سے حدیث شریف اور عقائد کی چند اہم کتب پڑھی تھیں۔ ابا جی کی شدید علمی طلب کو دیکھتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث رحمتہ اللہ خصوصی شفقت فرمایا کرتے تھے اور خلافِ معمول عصر کے بعد بھی انہیں پڑھایا کرتے تھے۔ حضرت صاحبزادہ صاحبؒ پر بھی چونکہ محدثِ اعظم کی خصوصی نظرِ کرم تھی، اس لیے دونوں میں دوستی کا یہ رشتہ یہیں سے مستحکم ہوا۔

انکے باہمی احترام و مودّت کی دوسری وجہ آستانہ عالیہ سیال شریف سے جذباتی وابستگی کی قدرِ مشترک تھی۔ جس دوران حضرت صاحبزادہ صاحبؒ دارالعلوم سیال شریف کے صدر مدرس تھے، اسی دوران ابا جی قبلہ وہاں عرس مبارک اور سالانہ جلسہ ہائے دستارِ فضلیت کے مواقع پر خطاب کی سعادت حاصل کرتے رہے۔ مجھے بھی ان کے ہمراہ ان مبارک تقریبات میں حاضر ہونے کا موقع ملتا رہا۔ بچپن میں ان حضرات کے ساتھ حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ کی دست بوسی کے سنہرے اور پرلطف لمحات نہ صرف مجھے آج تک یاد ہیں بلکہ میری زندگی کا قیمتی اثاثہ بھی ہیں۔ انہی یادگار حاضریوں

میں سے ایک حاضری وہ تھی جب حضور شیخ الاسلامؒ نے مجھے سالانہ جلسہ اور عرس مبارک کے موقع پر جمِ غفیر کے سامنے خطاب کا حکم فرمایا۔ میں نے حسبِ ارشاد موقع محل کی مناسبت سے حتی المقدور تقریر کی۔ آپ نے بے حد خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا، ابا جی کو مبارکباد دی اور مجھے اپنے دامنِ کرم میں سمیٹ کر بے پناہ محبت وشفقت سے نوازا۔

صاحبزادہ صاحبؒ کو میری علمی دلچسپیوں کا بخوبی ادراک تھا۔ چنانچہ رات کو جب قیام کیلئے ابا جی انکے ہاں ٹھہرتے تو وہ دار العلوم کے اساتذہ اور طلباء کی موجودگی میں مجھ سے فلسفہ، منطق، حدیث، عقائد اور تصوف کے مختلف موضوعات پر استفسار فرماتے۔ میرے جوابات سنتے اور خوش ہو کر دعاؤں سے نوازتے۔ اس دوران قبلہ شیخ الحدیث محمد اشرف سیالوی صاحب مدظلہ سے بھی تعارف ہوا، جو بعد میں خاصی قربت میں ڈھل گیا اور اب تک قائم ہے۔

ابا جی قبلہ کی وفات ہوئی تو صاحبزادہ صاحبؒ تعزیت کیلئے ہمارے گھر جھنگ تشریف لائے، میری ہمت بندھائی اور پدرانہ شفقت سے نوازا۔ آپ کی بعض کتب ابا جی کے کتب خانے میں بھی موجود تھیں۔ تفسیرِ عزیزی کے آخری دو جز وتو بہت بعد میں قاری غفور احمد چشتی کے ذریعے آپ نے طلب فرمائے جو میں نے خدمت میں پیش کر دیے۔ باہمی ملاقات کے علاوہ تبادلہ خیالات کا یہ سلسلہ تادمِ وصال جاری رہا۔ میرے لاہور قیام کے بعد جب دیت کا مسئلہ درپیش ہوا، میں نے جن علماء ومشائخ سے رابطہ کیا اور انہوں نے میرے موقف کی تائید کی، صاحبزادہ صاحبؒ بھی انہی میں سے تھے۔ انہوں نے باقاعدہ تحریری خط کے ذریعے میری تحقیق اور موقف کو سراہا۔

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ کا شمار حضرت پیر کرم شاہ الازہریؒ کی طرح سیال شریف کے ان نہایت بلند پایہ خلفاء اور معتمد مشائخ میں ہوتا ہے جنہوں نے بیک وقت علمی اور روحانی دنیا میں شاندار خدمات سرانجام دیں۔ حضور پیر سیال کے خلفاء میں ان دو حضرات نے ہر میدان میں یادگار نقوش ثبت کیے۔ نہایت متوازن زندگی گزاری۔ ان کے معمولات شریعت وطریقت کے باہمی ربط کا حسین امتزاج رہے۔ اپنے قابل فخر آباء کے

آستانوں کو مخلوق خدا کیلئے ہدایت اور آسودگی جیسی نعمتوں کے مضبوط مراکز کے طور پر اصلی حالت میں برقرار رکھا، ورنہ ہمارے ہاں آج بہت سے علمی آستانے اور روحانی خانوادے اِلّا ماشاء اللہ دولت، اقتدار اور دنیوی جاہ و منصب کے متلاشیوں کے تصرّف میں آ چکے ہیں۔

صاحبزادہ صاحبؒ پر دو نابغہ روزگار شخصیات، حضرت مولانا سردار احمد محدث اعظم پاکستانؒ اور شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمر الدین سیالویؒ کی تربیت کا خصوصی رنگ تھا۔ دونوں حضرات کی خدمات بلاشبہ عقائد حقہ کے احیاء اور بدعقیدگی کے بڑھتے ہوئے رجحانات میں عشق رسول ﷺ کی ترویج میں قابل رشک ہیں۔ بالخصوص حضرت خواجہ قمر الدینؒ کی ہمہ جہت علمی و روحانی اور سیاسی شخصیت کا فیضان انہوں نے کما حقہ' سمیٹا اور انہی خطوط پر تا حیات گامزن رہے۔ میں جب بھی دعوتی، تنظیمی اور تحریکی سلسلے میں وادی سُون گیا، آستانہ عالیہ مکان شریف حاضری کی سعادت حاصل کرتا رہا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ دور دراز مقامات پر واقع یہ روحانی آستانے دینی حمیّت اور مذہبی روایات کے خوبصورت تسلسل کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان روحانی سرچشموں کو امتِ مسلمہ کی حقیقی رہنمائی کیلئے شاد و آباد رکھے۔ ان مشائخ کے روحانی متوسلین، مریدین اور نسبی متعلقین کو دینی و دنیوی نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔ آج کے اس پُرفتن، مادی اور باطل سامراجی انتشار کے دور میں ایسی مضبوط جاندار اور غیر متزلزل شخصیات کے نقوشِ سیرت ہماری موجودہ اور آئندہ نسلوں کے ایمان و عمل میں دوام و تسلسل کی ضمانت ہیں۔

محترم صاحبزادہ پروفیسر مسعود احمد صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں جو علم و عمل کے سنہری نقوش کی آبیاری کرتے ہوئے اپنے محسن و مربی حضرات کی قرابت داری کا حق ادا کر رہے ہیں۔ حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ کی حیات و خدمات کو ضبطِ تحریر میں لا کر وہ بلاشبہ ایک قابل ستائش کارنامہ سرانجام دے رہے ہیں۔ اللہ پاک ان کی اس مخلصانہ کاوش کو متلاشیانِ حق کیلئے باعث خیر و برکت بنائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوۃ و التسلیم

پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی
ڈائریکٹر جنرل دعوۃ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

صاحبزادہ عزیز احمد کو رحمتہ اللہ علیہ لکھتے اور ان کے بارے میں تاثر کا اظہار کرتے ہوئے عجیب سا لگتا ہے۔ نصف صدی پہلے کے لمحات کی یاد تازہ کرتے ہوئے سب سے پہلا احساس تو زندگی کی بے ثباتی کا ہے۔ وہ میرے ہم عمر، ہمعصر اور ہم سبق تھے۔ میرے لئے ان کا ساتھ ایک نعمت غیر مترقبہ تھا۔ وہ کُفری کے شہری، ایک بڑے باپ کے بیٹے اور انتہائی ذہین طالب علم تھے۔ میں ایک غریب طالب علم تھا۔ کوہستان نمک کے دامن میں ایک چھوٹی سی بستی کا باسی تھا اور سارا پہاڑی سلسلہ طے کر کے ہفتے کی صبح کو اسباق شروع ہونے سے پہلے پہنچ جاتا تھا اور جمعرات کے پچھلے پہر رخت سفر باندھ کر شام کو گھر پہنچتا تھا۔ کبھی کبھی یہ سفر منقطع ہو جاتا کہ جمعرات کی شام صاحبزادہ عزیز احمد کی رفاقت میں ان کے پُرشکوہ مکان پر گزرتی۔ اکٹھے سبق دہراتے۔ کچھ دیر گپ شپ ہوتی۔ حضرت میاں عبدالحمیدؒ کی جمال آفریں شخصیت کی خدمت میں حاضری نصیب ہوتی۔ میرے والد میاں غلام محی الدینؒ کو میاں عبدالحمیدؒ سے خصوصی عقیدت تھی وہ کبھی کبھی مجھے ان سے مل کر بعض وظائف و اوراد کے بارے رہنمائی کے لئے کہتے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے خصوصی طور پر سورہ واقعہ کی ترکیب تلاوت کے بارے پوچھنے کو کہا تھا۔ میں نے احمد ندیم قاسمی کا نام یہیں سنا اور ان کے افسانوں کے ایک مجموعہ کو وہیں دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ مجموعہ قاسمی صاحب نے میاں صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

ہم دونوں مولانا خدا بخشؒ سے کافیہ اور شرح تہذیب پڑھتے تھے۔ مجھے کُفری لانے والے میرے استاد محترم مولانا خدا بخش صاحب سودھی والے تھے۔ میں نے ان سے ہدایۃ النحو اور مرقاۃ ختم کر کے شرح تہذیب شروع کی تھی کہ وہ رینجرز میں ملازم ہو گئے تھے۔ مولانا

کے صاحبزادے معین الدین صاحب منتہی کتابیں پڑھتے تھے۔ صاحبزادہ صاحب صبح تشریف لاتے اور اسباق پڑھ کر گھر چلے جاتے۔ انہیں بڑے میاں صاحب کی رہنمائی بھی حاصل تھی۔ مجھے سبق دہرانے اور بعض دقیق مسائل سمجھنے کی ضرورت ہوتی تو میں صاحبزادہ صاحب کے ہاں چلا جاتا۔ کُفری میں میرا قیام آٹھ نو ماہ کا ہے۔ شرح تہذیب اور کافیہ ختم ہو گئے۔ قطبی اور شرح جامی شروع کی تھی کہ بعض گھریلو مسائل کی وجہ سے مجھے چھوڑ کر جانا پڑا۔ اسکے بعد میں غربت کی مختلف راہوں پر چل نکلا اور عزیز احمد صاحب اپنے والد بزرگوار کی رہنمائی میں علمی منازل طے کرتے گئے۔ میں ان کی مدرّسانہ شہرت سنتا رہا اور شدید اشتیاق کے ساتھ صرف ایک مرتبہ انہیں ملنے کا اتفاق ہوا جب وہ سانگلہ ہل میں پڑھاتے تھے۔ اب ہم میں تھوڑا سا نظری اور فکری اختلاف تھا۔ لیکن اس دیرینہ رفاقت نے ہمیں کئی گھنٹے مسحور رکھا۔ میں چونکہ مستقل طور پر لاہور آباد ہو گیا اور پنجاب یونیورسٹی سے وابستگی کے نتیجے میں ایک نئی دنیا کا مکین تھا اس لئے شرف ملاقات سے محروم رہا، تاہم ان کے شاگردوں اور متوسلین کے ذریعہ ان کی خیریت و عافیت کا پتہ چلتا رہا۔ ان کی وفات کا بھی کافی عرصہ بعد پتہ چلا تو بچپن و طالبعلمی کی گہری میٹھی یادوں سے دل بھر آیا اللہ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے وہ ذہین، طبّاع، نکتہ سنج اور بہترین حافظہ کے مالک تھے۔ طالب علمی کے اس دور کا میرا تاثر یہ ہے کہ وہ ایک سنجیدہ اور دردمند طبیعت کے مالک تھے۔ مجھ میں تھوڑی سی لاپرواہی اور غفلت تھی۔ میں اکثر ان سے اپنے سبق کو تازہ کرتا تھا۔

البتہ ہم میں ایک قدر مشترک تھی اور وہ طبیعت کی اداسی تھی۔ ان کی سنجیدگی اور اداسی میں غالباً والدہ کی وفات کا دخل تھا، لیکن میری افتادِ طبع ہی ایسی تھی۔ میں اگرچہ کھیل کود میں وقت ضائع کرتا تھا اور مستقبل کے غیر یقینی ہونے اور کسی منصوبہ بندی کا شعور نہ ہونے کی وجہ سے ایک انجانے خوف میں مبتلا رہتا تھا، لیکن میرا رفیقِ درس محفوظ مستقبل کے ادراک کے باوجود ایک سنجیدہ اور منہمک طالب علم تھا۔ بارہ یا تیرہ برس کی عمریں کیا ہوتی ہیں، کھیل کود اور بے فکری، لیکن میرا دوست کم گو اور سنجیدہ تھا۔ نمازوں کا پابند، دینی ذوق کا

حامل، مطالعہ کا رسیا اور کتابوں کی شروح و حواشی اور ان کے دقیق نکات کی جستجو کرنے والا انسان تھا۔ بطور طالب علم وہ میرا رہنما تھا۔ میں کھیل کود میں وقت ضائع کرنے کے بعد اس امید میں رہتا کہ ابھی صاجزادہ عزیز احمد آئیگا اور میں اگلے سبق سے پہلے پچھلا سبق اس سے پوچھ کر یاد کرلوں گا۔ ان کے مکان پر ان کی رقابت میں گزرے ہوئے لمحات حیات مستعار کے یادگار لمحات ہیں۔ ان کے ساتھ تعلق زندگی کی ایک نعمت تھی۔

کہاں میں اور کہاں یہ نگہتِ گل
نسیمِ صبح تیری مہربانی

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْہُ وَارْحَمْہُ وَاجْعَلِ الْجَنَّۃَ مَثْوَاہُ O

پروفیسر ڈاکٹر منظور حسین سیالوی
گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

رُوئے گُل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

''اعترافِ عظمت کے لیے معترِف کا عظیم ہونا ضروری ہے'' اگر اس قول کو معیار بنایا جائے تو مجھے اپنے محسن و مربی اور مشفق استاد حضرت صاحبزادہ عزیز احمد رحمۃ اللہ علیہ کے تذکارِ عظمت کا قطعاً حق حاصل نہیں ہے۔ لیکن اگر نیت یہ ہو کہ عزت مآب اور عظمت پناہ بزرگوں کے ذکر سے عزت و عظمت کی خیرات حاصل کی جائے تو اس نیک نیتی پر اللہ تعالیٰ اس کے محبوب مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم اور غلامانِ بارگاہِ نبوی کو یقیناً پیار آئے گا۔ اسی سعادت کے حصول کیلئے بے ربط یادداشتوں کو ترتیب دینے کی کوشش کرنے چلا ہوں ورنہ۔

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

1970ء کا سن تھا۔ میں پہلی دفعہ اپنے ذاتی کام کے لیے سرگودھا جا رہا تھا کہ قسمت نے یاوری کی اور آستانہ عالیہ سیال شریف کی حاضری کا شرف ارزانی ہوا۔ حضور شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضری ہوئی۔ ان کی توجہ سے قلب کی ایسی کایا پلٹ ہوئی کہ کسی پیشگی منصوبہ بندی اور گھر والوں سے مشورہ کیے بغیر دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام میں گیارہویں جماعت میں داخلہ لے لیا۔ ایک تہائی صدی گزرنے کے بعد بھی میں یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ میں انہیں حسنِ کائنات کہوں یا کائناتِ حسن، جس کی تاثیر نے مجھے اسیر بنا لیا البتہ یہ احساس شدید ہے کہ ؎

نالہ بہرِ رہائی نکند مرغِ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

جب میں نے دارالعلوم میں داخلہ لیا تو ہر طالب علم سے خوف و احترام کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ایک نام تواتر سے سنا۔ ''صدر مدرس صاحب'' ہر طالب علم انہیں

دیکھ کر ٹوپی سنبھال لیتا۔ باادب کھڑا ہو جاتا۔ جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو جاتے طلباء بیٹھنا سوئے ادب خیال کرتے تھے۔ان کے رعب وجلال کے قصے زبان زدِ طلاّب تھے۔ان سے میرا پہلا تعارف ناگوار ماحول میں ہوا۔ ماحول کے تقدس اور آداب مدرسہ سے بے خبر دیہاتی، اکھڑ اور کھردرے (راقم) کا داخلے کے تین دن بعد ایک طالب علم سے جھگڑا ہو گیا۔فریق ثانی چونکہ مضروب تھا، اس نے صدر صاحب کے ہاں شکایت کر دی۔ چنانچہ بلاوا آ گیا۔ یہ فریضہ اکثر اخی المکرّم مولانا شرف الدین صاحب بجا لاتے تھے۔ جب حاضر ہوا تو آپ زیرلب مسکرانے لگے۔ میں ذرا سنجیدہ ہوا تو آپ کا تبسم ہنسنے میں بدل گیا۔ بارِ ندامت سے میری آنکھیں نہیں اٹھ رہی تھیں۔ بالآخر آپ نے میرا احدود اربعہ پوچھا۔اوراس نصیحت کے ساتھ واپس بھیج دیا کہ''اگر لڑنے کا شوق ہوتو مدّ مقابل کا انتخاب احتیاط سے کیا کرو۔ چھوٹے اور کمزور شفقت طلب ہوتے ہیں۔''اس واقعہ کے بعد خوف کی جگہ احترام نے لے لی اور قرب جوں جوں بڑھتا گیا احترام فزوں تر ہوتا گیا۔

آج جب میں اپنی سوچ کو مرکوز کرتا ہوں تو ان کے سراپا کے تیکھے، تازہ اور واضح نقوش کچھ اس طرح ابھرتے ہیں۔کھلا ہوا رنگ، سروقد، پرگوشت چہرہ، چوڑی چکلی پیشانی، جسم مائل بہ فربہی خوبصورت، مسجع اور قرینے دار داڑھی، موٹے شیشوں سے جھانکتی ہوئی چمکدار اور ذہین آنکھیں، حسن باطن کے ساتھ حسن ظاہر کا مجسمہ، سر پر کج کلاہی کا بانکپن، خوش لباس، خوش خوراک، حسّاس طبیعت، جمال وجلال کا حسین مرقع، طبیعت میں گداز اور لہجے میں سوز۔

جہاں تک آپ کے معمولات کا تعلق ہے۔ کھانے اور پہننے میں نفاست کا اعلیٰ معیار قائم فرمایا تھا۔ گرمیوں میں یخ ٹھنڈا دودھ سوڈا۔ سردیوں میں اعلیٰ سم کی چائے اور ہر موسم میں مطالعہ کا التزام۔ والی بال کھیلنے میں پابندی ضروری نہیں تھی البتہ سیر میں باقاعدگی تھی۔نسوار کے ساتھ اس نفاست اور اہتمام سے انصاف کرتے گویا حقِ نسوار ادا کر دیتے، حتیٰ کہ دیکھنے والے کے دل میں نسوار اور صاحبِ نسوار کی عقیدت پیدا ہو جاتی اور اس نسوار کو ''نسوار شریف'' کہنے کو جی کرتا۔

جہاں تک آپ کے خوش خصال اور حسن اطوار ہونے کا تعلق ہے۔تو مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ گفتگو دھیمی، سنجیدہ، پر مغز، مدلّل اور مختصر البتہ تفنّنِ طبع کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔قرآن مجید کی آیات، احادیث مبارکہ، اقوال صحابہ، حکایات صوفیاء، عربی، فارسی اور اردو کے اشعار کا استحضار، تحریر وتقریر کا دلکش اسلوب۔رفتار، گفتار اور کردار کی متانت، وابستگان آستانہ عالیہ سے محبت، مہمانوں کی ضیافت، میل جول میں اپنائیت، معمولات میں استقامت، علمی ثقاہت، پختہ خیالی، برق طبعی اور شعلہ مقالی۔اپنے شیخ سے جنوں کی حد تک محبت، پیرزادوں سے عشق کی حد تک مودّت، خاکساروں پر شفقت، طلباء پر والدین جیسی عنایت، بلا کا حافظہ اور ذہانت، برمحل اور برجستہ جواب۔لفظوں کے ہیر پھیر، کلمات کی تقدیم وتاخیر سے مزاح اور حسب خواہش معانی کا انشاء، زبان کی وسعت اور زبان پر قدرت، اسلوب کی ندرت اور معانی کی جدّت، ہر مصاحب دم بخود، ہمہ تن گوش، لذت سماع سے لطف اندوز، حسن تکلم پر سراپا سپاس۔

1979ء میں جب میری شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی تو میں نے حضور شیخ الاسلام رحمتہ اللہ علیہ کے علاوہ استادِ مکرّم علیہ الرحمتہ کو دعوت دی۔حضور نے بکمال بندہ نوازی شرف شمولیت بخشا۔مگر موصوف بوجوہ تشریف نہ لا سکے۔شادی کے بعد سیال شریف پر حاضر ہوا تو آپ نے مبارکباد اور دعا سے نوازا اور بڑی سنجیدگی سے فرمایا ''لالہ مجھے تیری شادی پر رشک آرہا ہے۔میں کوشش بسیار کے باوجود حضور کو اپنی شادی پر نہ لا سکا۔تیری شادی واقعی میری شادی سے بڑی ثابت ہوئی ہے ویسے بھی ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں۔''میں نے جرأت کر کے عرض کی ''ایک شادی اور کر لیں شاید یہ حسرت بھی پوری ہو جائے'' آپ بہت محظوظ ہوئے۔

استادمکرم صاحبزادہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی یہ خاص شفقت تھی کہ آپ مجھے گاہے گاہے ہمسفری کا شرف بخشتے۔فیصل آباد، سرگودھا، 74 چک، معظم آباد، مکان شریف اور راولپنڈی کے اسفار میں مجھے شرف ہمرکابی نصیب ہوا۔مگر راولپنڈی کا ایک سفر بڑا یادگار اور ایمان افروز ثابت ہوا۔اس کا پس منظر کچھ اس طرح ہے کہ دارالعلوم میں طلباء کے

درمیان لڑائی جھگڑے کا ایک ناخوشگوار واقعہ ہوا۔ میں اس واقعہ میں ملوث تھا۔ مگر میں نے اپنا جھوٹا بھرم قائم رکھنے کے لیے صدر مدرس صاحب کے سامنے اس واقعہ سے لاتعلقی کا اظہار کیا اور میں بری ہو گیا۔ اس غلطی پر میرا ضمیر مجھے برابر ملامت کرتا رہا۔ میں نے کئی بار سوچا کہ آپ کے سامنے اعتراف جرم کر کے اپنا اعتماد بحال کرلوں مگر حوصلہ نہ ہوا۔ چند دن بعد آپ کے ساتھ راولپنڈی جانا ہوا وہاں سے منگلا ڈیم اور کھڑی شریف چلے گئے۔ عارف کھڑی رحمتہ اللہ علیہ کے دربار پر دعا کے دوران مجھے بارہا خیال آیا کہ موقع ہے اعتراف جرم کر کے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرلوں مگر یارا نہ ہوا، البتہ وہاں کھڑے کھڑے دل ہی دل میں توبہ کی اور دعا مانگ کر واپس آ گیا۔ جب سیال شریف واپس پہنچے تو آپ نے فرمایا۔ ''لالہ مہربانی سفر بڑا خوش گوار رہا اور میاں محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے دربار سے واپسی پر تیرے بارے میں کوئی گلہ یا کدورت باقی نہیں رہی'' میں نے آپ کا شکریہ ادا کیا حضرت کے روحانی تصرف پر عقیدہ مزید پختہ ہو گیا۔

اپنے پیر خانے پر رہنا پل صراط سے گزرنے کے مترادف ہے۔ اس پل صراط سے جس کامیابی سے حضور صدر مدرس رحمتہ اللہ علیہ گزرے ہیں یہ ان کی کمال ذہانت اور بے مثال فطانت کی عکاسی کرتا ہے۔ اس پل صراط پر بڑے بڑے دانشور ایک آدھ قدم چل کر لڑکھڑائے اور منہ کے بل جا گرے۔ دراصل یہ راہ محبت ہے جہاں گامِ اولین پر سر قربان کرنا پڑتا ہے۔ ادب محبت کا پہلا قرینہ ہے جس کی نشاندہی کرتے ہوئے میر تقی میر نے کہا تھا۔

دور بیٹھا غبارِ میؔر اس سے
عشق بن یہ اَدب نہیں آتا

بتقاضائے بشریت وعدم تربیت کبھی دوران گفتگو صاحبزادگان حضرات کی لاابالیاں موضوع بحث بن جاتیں۔ آپ نے میری اصلاح ایک روز دوران سیر اس واقعہ سے کی۔ فرمایا کہ ایک دفعہ حضور خواجہ اللہ بخش کریم تونسوی رحمتہ اللہ علیہ کے متوسلین نے آپکے پاس صاحبزادگان حضرات کے غیر معتدل رویہ کی شکایت کی تو آپ نے ایک شعر میں ان کا

جواب دیا۔ وہ یہ ہے۔ ؎

آہوئے دشتِ معاصی را دو روزے سَر بدہ

تا بکے خواہد رَمید آخر شکار رحمت است

فارسی زبان میں معمولی شُد بُد کی بدولت شعر کا مفہوم سمجھ کر دل ہی دل میں توبہ کی اور آپ نے یہ کہہ کے موضوع بدل لیا کہ ''سمجھ آ گئی ہے'' عرض کی ''کچھ کچھ آ گئی ہے''

تحدیث نعمت کے طور پر یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ دارالعلوم میں قیام کے دوران مجھے آپ کے سر کی مالش اور جسم کو دبانے کے بے شمار مواقع ملے۔ سردیوں میں وقت دس بجے رات اور گرمیوں میں گیارہ بجے رات ہوتا۔ کبھی کبھار دن کو بھی یہ سعادت حاصل ہوتی۔ اس وقفے میں جب تک آپ کو نیند نہ آتی آپ مختلف موضوعات پر لب کشائی فرماتے۔ اس تخلیہ میں بعض اوقات ایسے اسرار و رموز، مشاہدات اور آپ بیتی کے ایسے واقعات سنائے جن کے بارے میں شاعر نے کہا تھا ؎

آں راز کہ درسینہ نہاں است نہ وعظ است

بر دار تواں گفت بہ منبر نتواں گفت

اور میں زندگی کے انہی لمحات کو حاصلِ زندگی سمجھتا ہوں جو بزرگان دین کی خدمت میں گزرے ہوں۔ ؎

یہ زندگی زندگی نہ سمجھو کہ زندگی سے مراد ہیں بس

وہ عمر رفتہ کی چند گھڑیاں جو انکی صحبت میں کٹ گئی تھیں

میں بے شمار کتابیں پڑھ کر اور وقت کثیر صرف کر کے بھی وہ کچھ حاصل نہ کر سکتا جو کہ میں نے ان بزرگ اساتذہ کی محبت میں تھوڑے سے وقت میں حاصل کیا۔ اب پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو یہی معدودے چند صحبتیں یادگار، باقی خواب و خیال ؎

صد حیف کہ در چشم زدن صحبت یار آخر شد

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

دارالعلوم سیال شریف سے بی۔اے کرنے کے بعد اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں داخلہ

لیا۔سیال شریف حاضری کے بعد محسن استاد سے شرف نیاز حاصل کیا۔تو آپ نے مجھے ایک رومال لانے کا حکم دیا جو سلسلہ عالیہ چشتیہ کے متعلقین استعمال کرتے ہیں اور ملتان کی معروف سوغات ہے۔ملتان کی کلاتھ مارکیٹوں کے بارے میں میری معلومات صفر تھیں۔ میں نے کسی آدمی سے پوچھا تو اس نے کینٹ کی طرف میری رہنمائی کی کہ وہاں بہت اچھی دکانیں ہیں۔وہاں پر بڑی دکانیں دیکھ کر حوصلہ ہوا کہ مقصود مل جائیگا مگر پتہ چلا کہ یہ مخصوص رومال شہر کی مخصوص دکانوں پر ہیں جن کی نشاندہی نہ ہوسکی۔میں نسبتاً ایک بڑے سٹور میں داخل ہوا جہاں امپورٹڈ اشیاء وافر مقدار میں تھیں۔میں نے اس دکاندار کو ایک بڑا رومال دکھانے کو کہا تو اس نے مجھے مفلر دکھا دیا۔رومال اور مفلر کا فرق تو میں تھوڑا بہت جانتا تھا لیکن رومال نہ پا کر مفلر خریدنے کا فیصلہ کرلیا اور اسے اچھی نسل کا مفلر دکھانے کو کہا اس نے پانچ سات مفلر میرے سامنے رکھ دیے اور پھر ان کے فضائل پر ایک تقریر شروع کر دی ابھی اس کی تقریر جاری تھی کہ میں نے حضور والا کے ذوق سلیم کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک مفلر کا انتخاب کیا اور اسے پیک کرنے کا کہا۔میں نے قریبی ڈاکخانہ سے بذریعہ پارسل آپ کو بھجوا دیا۔ آپ نے ازراہ نوازش ایک گرامی نامے سے نوازا،جس میں مطلوبہ رومال اور مفلر کا فرق واضح فرمایا اور مفلر کے رنگ اور کوالٹی کی تعریف کرتے ہوئے میری حقیر پیشکش کو قبولیت کی سند عطا فرمائی اور آخر میں دعائے خیر سے نوازتے ہوئے خط کا اختتام اس شعر پر کیا۔

قلیل ''مِنکَ یَکفِینِی وَلکِنْ. قَلِیْلُکَ لَایُقَالُ لَه' قَلِیل''

یہ گرامی نامہ میں نے تبرکاً سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ ولِلّٰہِ الحمد

آپ سلسلہ عالیہ چشتیہ سے منسلک ہونے کے ناطے سماع کا ذوق لطیف رکھتے تھے۔ایک دفعہ فیصل آباد کے سفر کے دوران ٹیکسی ڈرائیور سے فرمائش کر کے پنجابی کا یہ گیت کیسٹ تلاش کر کے سنا۔

لٹھے دی چادر اُتے سلیٹی رنگ ماہیا

آہستہ آواز میں سنتے جا رہے تھے اور نہایت انہماک سے تسبیح بھی کر رہے تھے۔جب گیت ختم ہوتا تو نئے سرے سے لگا دیتے۔میرے خیال میں آپ صرف موسیقی کی دھن سے محظوظ

ہو رہے تھے۔

ایک کامیاب مدرس اور مبلّغ وہی ہو سکتا ہے جو اپنے خیال کو طلباء و سامعین تک منتقل کرنے پر قادر ہو۔ میرے ممدوح کو متعلم اور سامع کے قلب و ذہن کے قریب ہو کر معنی و مفہوم کو دماغ کی راہ سے دل تک اتارنے اور ثبت کرنے پر کمال عبور حاصل تھا۔ فن تدریس ہو یا تفہیم یا انداز تحریر و تقریر آپ کا اسلوب نادر اور منفرد تھا۔ جس کے خالق وہ خود ہی تھے۔ شاید باقی شعبہ ہائے زندگی کی طرح اس میدان میں بھی اپنا تشخص ہر حال میں قائم کرنا چاہتے تھے بقول حضرت اقبال رحمتہ اللہ علیہ

تراش از شیشہِ خود جادۂ خویش
کہ راہِ دیگراں رفتن حرام است

کلّ مَن عَلیھا فان کے مصداق ہر زندہ کا انجام موت ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا! والد صاحب کی وفات کے بعد موت کا خوف ختم ہو گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ حضرت بابا جی رحمتہ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال کے بعد آپ کا شوق الی لقاء اللہ فزوں تر ہو گیا تھا۔ اور ''راضیاً مرضیا'' راجع الی ربہ ہوئے۔

استاد محترم کے وصال الی اللہ کو ایک حقیقت جان کر اس سے سمجھوتہ کر ہی لیا، مگر ایک داغ حسرت لحد میں بھی تازہ رہے گا کہ میں اپنی بے خبری کے باعث جنازے اور آخری دیدار کی سعادت سے محروم۔ لیکن ان کی باطنی توجہ اور فیضِ مسلسل کا اقرار نہ کرنا کفرانِ نعمت ہو گا۔

حضور استاد محترم رحمتہ اللہ علیہ کے تلامذہ اور متعلقین کا حلقہ بڑا وسیع ہے۔ ان کی دلداری اور راہنمائی کا فریضہ محترمی صاحبزادہ حامد عزیز سلمہٗ العزیز کے کندھوں پر ہے۔ اگر چہ خاندان کے بزرگوں کی روایات اور والد محترم کی تربیت نے مراحل زندگی آسان کر دیے ہیں، لیکن راہ سلوک پل صراط سے کم صبر آزما نہیں۔ عقیدتمندوں کی امیدیں، رشتہ داروں کی مجبوریاں، پیر خانے کے تقاضے ایسے نازک معاملات ہیں جہاں معمولی لغزش نتائج کے اعتبار سے بڑی سنگین ثابت ہوتی ہے۔ قدرت کی دستگیری، شیخ کی راہنمائی، مخلص،

مصاحبین سے مشاورت، خانقاہی روایات کا تسلسل، جذبہ خدمت خلق، دنیا و اہل دنیا سے استغناء، جذبہ ایثار و قربانی، فروغ علم و عمل کی تحریک، نمائشی کاروائیوں سے پرہیز، علماء کی قدر و منزلت، طلباء سے شفقت و محبت، خوشامدیوں سے احتراز، اولوالفضل کی فضلیت کا اعتراف، ایسی خوبیاں اگر کسی صاحب سجادہ میں موجود ہوں تو خانقاہی نظام معاشرے میں اپنا بھر پور مثبت کردار ادا کرسکتا ہے۔ گلستانِ تصوف پھر سے بہار آشنا ہوسکتا ہے اور اس پاکیزہ نظام کے خلاف بولنے والی زبان خاموش ہوسکتی ہیں۔ یہ میرا حسن ظن ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے کہ محترمی صاحبزادہ حامد عزیز صاحب مذکورہ تمام صفات بلکہ ان سے بھی زائد سے متصف ہیں۔ میں اپنے ممدوح اور اپنے مشترکہ مشائخ کے توسل سے دست بدعا ہوں کہ اللہ کریم ان کے درجات بلند فرمائے اور ملحق بالصالحین فرمائے۔

اللہ کریم صاحبزادہ حامد عزیز صاحب کو عمر خضر اور دینی استقامت عطا فرمائے۔ ان کے علم و عمل اور صحت میں برکت دے۔ مے خانۂ چشت مکان شریف تا قیامت آباد رہے۔ چمن چشت سدا بہار رہے زائرین مرادوں کے پھول سمیٹتے رہیں۔ نہ خوف خزاں ہو نہ تنگی داماں کا گلہ۔ آمین ''ورحم اللہ من قال آمینا''

پروفیسر سیّد احمد سعید ہمدانی
پرنسپل (ریٹائرڈ)

میں نے ۱۹۸۱ء میں جب نوشہرہ (وادی سُون) میں کالج کا بطور پرنسپل چارج لیا تو پہلے کچھ ہفتے تو کالج کی حالت کا جائزہ لینے میں صرف ہوئے، مگر پھر مجھے تنہائی محسوس ہونے لگی۔تب ایک صاحب نے مجھے صاحبزادہ عزیز احمد صاحب سے ملنے کا مشورہ دیا اور میں اُن کی جائے قیام (مکان شریف۔موضع کُفری) پر حاضر ہوا۔

بڑے تپاک سے ملے اور مشورہ دیا کہ میں اپنے علاقے میں تو آ گیا ہوں مگر مجھے گردوپیش سے باخبر اور چوکس رہنا پڑے گا۔اپنے والد رحمتہ اللہ علیہ کا ایک قول دُہرایا، فرمانے لگے: ''ہمارے باواجی فرمایا کرتے تھے کہ اگر آدمی یہاں چھپ کر کسی کوٹھڑی میں بھی جا بیٹھے تو یہ لوگ اُس کو کھینچ کر ایک بار تو ضرور میدان میں لے ہی آئیں گے۔''

میں نے ان کی یہ نصیحت پلّے باندھ لی اور پھر یہاں کے تمام سیاسی و معاشرتی جھمیلوں سے آزاد رہا۔۔۔۔کچھ لوگوں نے اس خول سے مجھے باہر بھی کھینچنا چاہا مگر میں ان سے الگ ہو کر مزے میں رہا۔یوں آزادگی کا یہ درس مجھے مکان شریف کی درگاہ سے ملا۔

بارہا میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہر بار میں وہاں سے کوئی نہ کوئی نصیحت پلّے باندھ کر لایا۔میں نے دیکھا کہ وہ ایک صاحبِ اذن اور بااختیار مرشد تھے۔ان کے پاس سے کچھ لوگ تو محض تعویذ لینے یا برکت کے حصول کے لئے آتے تھے مگر کچھ لوگ ان سے حکمت و معرفت سیکھنے کیلئے حاضر ہوتے تھے۔اگرچہ میں اُن کا باقاعدہ مرید نہ تھا مگر جب بھی ان کی خدمت میں پہنچا تو یہی خیال کیا کہ میں ایک مرشد کے سامنے بیٹھا ہوں ......
گو میں نے ان کی بیعت نہیں کر رکھی تھی مگر ان کے کسی بھی عمل و فعل اور علم و قول سے میں پھر بھی کچھ نہ کچھ ضرور سیکھتا تھا اور ان کی طرف سے اس پر کوئی قدغن نہیں تھی۔

ایک بار حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا واقعہ سنایا کہ باباؒ کے پاس اکثر

درویش آیا کرتے تھے اور اکثر لوگوں نے ان کے جانے کے بعد باباؒ کے منہ سے یہ بات سُنی کہ فرماتے تھے: ''ہیچ ندارد'' (کچھ نہیں رکھتا)۔ ایک دن کسی مرید نے پوچھ لیا۔ ''حضور کیا نہیں رکھتا؟ فرمایا!'' درد ندارد'' (درد نہیں رکھتا)۔

اس طرح کی کئی باتیں صاحبزادہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی مجھے یاد ہیں۔ مرشد ہونے کی سب سے بڑی نشانی بھی یہی ہوتی ہے کہ جو بات اسکے منہ سے نکلتی ہے وہ دل نشین ہو جاتی ہے۔

صوفی و مُرشد ہونے کے علاوہ وہ ایک مفتی بھی تھے۔ ایک عالم اور فقیہ۔ اپنے والد رحمتہ اللہ علیہ کے وصال پر یہاں سجادہ نشین ہونے سے پہلے وہ سیال شریف میں شیخ الجامعہ کے منصب پر فائز تھے جو ان کے جلیل القدر فاضلِ علم اور معلّم ہونے پر دال ہے۔ اہل سنت و جماعت کے مسلک کے مطابق کسی کو فتویٰ درکار ہوتا تھا تو مکان شریف کے مدرسہ و درگاہ کی طرف رجوع کر سکتا تھا۔

حیرت ہوتی ہے کہ وہ ایک بہت منجھے ہوئے مقرر اور واعظ بھی تھے۔ میں نے بارہا سنا کر وہ عوام کے مجمع میں بھی ایسے علمی نکات بآسانی بیان کر جاتے تھے جو علماء کے درسوں میں بھی بمشکل بیان کئے جاتے ہیں۔ ہر ایک کو معلوم ہے کہ وحدت الوجود دراصل ایک مشاہدے کا حال و مقام ہے اور علمی سطح پر اسکی تفہیم خاصی مشکل ہے مگر صاحبزادہ صاحبؒ اکثر باتوں ہی باتوں میں اس کے کسی نہ کسی پہلو کو اجاگر کر دیتے تھے۔ ایک بار کالج میں تشریف لائے اور ظہور و تخلیق کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب اُس ذاتِ مطلق نے اپنا ظہور چاہا تو جیسے پھول اپنے حُسن کے اظہار میں خود ہی خود سے کھل اٹھتا ہے اسی طرح اس نور کا ظہور ہوا، جس سے آگے کئی مظاہر ظہور میں آ گئے۔

میں ذاتی طور پر اس خیال سے مطمئن رہتا تھا کہ جب کبھی کوئی صوفی یا درویش میرے پاس آتا تو میں اسے ضرور صاحبزادہ صاحبؒ کے دربار میں لے جاتا، جہاں علم، ادب، درس اور تربیت کو یکجا دیکھا جا سکتا تھا اور یہ سب باتیں خود صاحب سجادہ کی صورت میں مجسّم نظر آتی تھیں۔ جو بھی آیا وہ ان سے مل کر خوش ہوا۔

ان کے جانے کے بعد یوں لگتا ہے جیسے ''آں قدح بشکست وآں ساقی نماند۔''
یہ تو ٹھیک ہے کہ اللہ کا امر کچھ اس طرح سے ہے، کام چلتا رہتا ہے مگر وہ جو کہا گیا ہے کہ موت العالم مؤت العالم۔ ایک عالم کی موت ایک جہان کی موت ہوتی ہے، تو حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کے ظاہری وجود کے یہاں سے اٹھ جانے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک محفل تھی جو اپنے اختتام کو پہنچی۔ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے۔ آمین

پروفیسر خورشید حسن خاور
صدر شعبہ عربی
گورنمنٹ گورڈن کالج راولپنڈی

اس دنیا میں بے شمار انسان آئے اور چلے گئے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ جانے والوں میں سے لاتعداد لوگ ایسے تھے جنہوں نے اپنی زندگی میں ناموری کے کئی جوہر دکھائے۔ ان میں بادشاہ بھی تھے اور بادشاہ گر بھی، رستم زمان بھی تھے اور مرد میدان بھی، فصیح اللسان بھی تھے اور جادو بیاں بھی، صاحب کمال بھی تھے اور صاحبِ جمال بھی، ان میں سے اکثر کے کارنامے اوراقِ کتب کی زینت بھی بنے لیکن ایک مخصوص علمی حلقہ کے سوا کوئی ان سے واقف نہیں ہے۔ جبکہ اس کرّۂ ارض پر چشمِ فلک نے کچھ ایسی ہستیوں کا نظارہ بھی کیا ہے کہ جن کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی بندگی، اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق واتباع اور مخلوقِ خدا کی بھلائی اور رُشد وہدایت سے عبارت تھی اور وہ

"اِنَّ صَلوٰتِي وَ نُسُكِيْ وَمَحْيَایَ وَ مَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِيْنَ"

پر کاربند تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندوں کو حیاتِ جاوداں عطا فرماتا ہے اور اُن کے کارنامے رہتی دنیا تک یاد رکھے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے خاص دوستوں کے زمرے میں شامل کر کے اپنا مقرب بنالیتا ہے اور پھر مخلوق کے دلوں میں بھی اُن کی محبت ڈال دیتا ہے اور یوں وہ کبھی بھی بھلائے نہیں جاتے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما

اُنہی نامور ہستیوں میں سے ایک ہستی میرے استادِ گرامی حضرت صاحبزادہ علامہ عزیز احمد رحمتہ اللہ علیہ کی تھی، جنہوں نے اپنی حیات مستعار میں نہ صرف بندگانِ خدا کی رشدوہدایت کا فریضہ سرانجام دیا بلکہ ہزاروں متلاشیانِ علم کو زیورِ علم سے آراستہ کیا۔

یوں تو ہر استاد کا اپنا علمی مرتبہ اور اندازِ تدریس ہوتا ہے لیکن علم و فضل اور تدریس کا جو کامل ملکہ آپ کو حاصل تھا، اُس کی شان ہی کچھ اور تھی۔ آستانہ عالیہ سیال شریف میں واقع عظیم اور قدیم علمی درسگاہ دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام کے در و دیوار آج بھی آپ کی تدریسی جلالت کی گواہی دے رہے ہیں۔ اپنے شیخ کے مقدس آستان پر صدرالمدرسین کے اہم عہدہ پر کئی سال متمکن رہنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ آپ حضور شیخ الاسلام والمسلمین رحمتہ اللہ علیہ کے کوئی عام مرید نہ تھے بلکہ آپ تو مرادِ شیخ تھے، کیونکہ حضور شیخ الاسلام و المسلمین رحمتہ اللہ علیہ نے قبلہ استاذی المکرمؒ کو اس عہدۂ جلیلہ پر فائز کرنے کے لیے آپ کے والدِ گرامیؒ کو اپنے دستِ مبارک سے حکم نامہ لکھا تھا۔

راقم الحروف کو تعلیم کے دوران میں تقریباً آٹھ سال آپ کے زیرِ سایہ حاضری کا شرف حاصل رہا۔ جن میں سے چار سال باقاعدہ طور پر آپ سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔ جب کہ یہی عرصہ میرے اور میرے ساتھیوں کے حصولِ علوم دینیہ کا ماحاصل ہے۔ آپ فقط استاد ہی نہ تھے، استادگر بھی تھے۔ آپ کے پڑھانے کا انداز اتنا جامع اور شاندار ہوتا کہ متعلقہ درس کے جملہ پہلو طالب علموں پر عیاں ہو جاتے اور کئی طلباء کو آپ کی تدریسی تقریر زبانی یاد ہو جاتی تھی۔

آپ تمام علوم و فنون کے ماہر تھے۔ تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، صرف، نحو، معانی، منطق، فلسفہ، علمِ کلام غرضیکہ آپ ہر فن پر دسترس رکھتے تھے۔ فن تدریس میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ علوم و فنون پر کامل دسترس کے باوجود ہر سبق کا پڑھانے سے قبل مطالعہ ضرور فرماتے اور تدریس کے دوران میں اہم مقامات کی خوب خوب وضاحت فرماتے۔ جب کہ فہمائش کا انداز اتنا دل کش اور حسین ہوتا کہ گویا کوئی چیز گھول کر پلا دی جائے اور یہی کسی تقریر کا کمال ہوتا ہے کہ سامع کہہ اٹھے۔ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے جانا گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

آپ اپنے شاگردوں پر خصوصی شفقت اور مہربانی بھی فرماتے تھے۔ ہر ایک کی

کردار سازی پر خصوصی توجہ فرماتے نیز اُن کے گھریلو احوال اور پریشانیوں وغیرہ کا بھی علم اور معلومات حاصل کرتے اور پھر ہر ایک کے حال کے مناسب مالی مدد اور تعاون بھی فرماتے ۔ یہ تعاون اور شفقت فقط طلباء تک ہی محدود نہ تھی بلکہ آستانہ عالیہ سیال شریف کے خدّام اور وہاں کے باسیوں میں سے جو بھی آپ کے ہاں آتا جاتا اس سے بھی خاص تعلق رکھتے ۔ آپ کے پاس آنے والوں میں مہار شریف کے حضرت خواجہ عبدالرحیم صاحبؒ (یاد رہے کہ حضرت خواجہ موصوف حضور پیر پٹھان رحمتہ اللہ علیہ کے شیخ طریقت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد اطہار میں سے تھے، آپ اکثر قبلہ استاذی المکرّم کے حلقہء درس میں طلباء کے ساتھ بیٹھے رہتے اور تمام اسباق کا سماع فرماتے) سے لیکر آستان پاک کے لنگر کے خدّام اور چرواہے تک ہوتے لیکن اُن میں ہر ایک آپ کی بارگاہ سے خوش خوش واپس جاتا ۔ اخلاق کا یہ عالم کہ کبھی کسی شاگرد کو بھی تُو کہہ کر مخاطب نہیں فرمایا، بلکہ ہر ایک کو ''آپ'' کہہ کر مخاطب فرماتے ۔ اگر کسی طالب علم کی سرزنش بھی فرمائی تو اس انداز سے کہ اس کی عزّتِ نفس کو مجروح نہیں ہونے دیا ۔ یہی وجہ ہے کہ آج آپ کے تلامذہ زندگی کے مختلف شعبہ جات میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور ہر ایک کو آپ کا شاگرد ہونے پر فخر ہے ۔

مجھ پر آپ کی بے پناہ مہربانیوں اور عنایتوں میں سے ایک عظیم مہربانی وہ ہے جو مجھے پوری زندگی یاد رہے گی اور جس کی وجہ سے میں اپنی تعلیم مکمل کرنے میں کامیاب ہوا ۔ میٹرک کا امتحان نمایاں نمبروں سے پاس کرنے کے بعد میں نے حضور شیخ الاسلام و المسلمین رحمتہ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی حضرت خواجہ بدرالدین رحمتہ اللہ علیہ، کہ جن کی خدمتِ اقدس میں بندہ اکثر حاضر رہتا تھا، سے ٹیوب ویل آپریٹر کی سرکاری اسامی پر بھرتی کے لیے عرض کیا ۔ آپ نے اپنے ایک عقیدتمند، ملک محمد اکرم اعوان جو سرگودھا کے معروف وکیل تھے، کو میرے سرٹیفکیٹ کی فوٹو کاپی دے کر حکم دیا کہ اگلے جمعہ پر جب آئیں تو عزیز موصوف کی سرکاری نوکری کے آرڈر لے کر آئیں ۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا، ملک صاحب اگلے جمعہ پر جب سیال شریف آئے تو میرے ٹیوب ویل آپریٹر کے آرڈر لے کر آئے ۔ آپ

نے مجھے بہ خوشی وہ آرڈر عطا فرمائے۔ قبلہ استاذی المکرّم عزیز احمد رحمتہ اللہ علیہ اُن دنوں فیصل آباد جمعہ پڑھانے تشریف لے جاتے تھے اور اُسی شام واپس تشریف لایا کرتے تھے۔ کسی طالب علم نے یا ملک محمد اکرم اعوان صاحب نے خود ہی استاذی المکرّم کو میری سرکاری ملازمت کا ذکر کر دیا۔ آپ نے آتے ہی ہوسٹل سے مجھے بلوایا اور فرمایا کہ ''بیٹا! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ سرکاری ٹیوب ویل پر آپریٹر لگ گئے ہیں۔'' میں نے عرض کی ''جی ہاں جناب'' فرمایا! ''آرڈر مجھے بھی تو دکھاؤ۔'' میں بڑی خوشی سے بھاگم بھاگ اپنے کمرے میں گیا اور اپنے بکسے میں سے وہ آرڈر نکال کر لایا جنہیں میں نے دو تین لفافوں میں محفوظ کر کے چند گھنٹے پہلے رکھا تھا۔ جب آپ کی خدمت میں پیش کیا تو قبلہ استاذی المکرّم نے آرڈر پکڑتے ہی اُن کے ٹکڑے کر دیئے اور ساتھ والی انگیٹھی میں ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ''اس نوکری سے جتنی تنخواہ تجھے ملنی تھی وہ ہر ماہ کے آخر میں مجھ سے آ کر لے لیا کرنا اور تعلیم مکمل ہونے تک آئندہ کبھی نوکری کا خیال بھی دل میں نہ لانا۔'' بس وہ دن میری زندگی کا قیمتی دن بن گیا۔ جب مجھے گورنمنٹ کالج میں لیکچررشپ مل گئی اور قبلہ والد صاحب کُفری مکان شریف مبارکباد کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بچے کو مزید خیر و برکت سے نوازے گا انشاءاللہ۔

میں سمجھتا ہوں کہ آج میں جو کچھ بھی ہوں بزرگانِ دین کی نظرِ کرم اور اپنے عظیم استاد کی وجہ سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبرِ انور پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے آمین!

میجر (ر) محمد اسلم خان سیالوی

لاہور

استاذ العلماء، صدر المدرّسین، عارفِ زماں، عزیزِ جہاں حضرت صاحبزادہ عزیز احمد قدس سرہٗ العزیز ایک عہد ساز اور نادرِ روزگار شخصیت کے حامل تھے۔ آپ کے ہمہ جہت اوصاف میں اعلیٰ درجہ کی علمیّت، اکمل درجہ کی عقیدت وارادت اور احسن درجہ کی دعوت و ارشاد سرِ فہرست ہیں۔ آستانہ عالیہ سیال شریف سے آپ کی وابستگی والہانہ بھی تھی اور غیر مشروط بھی۔ پیر سیال لجپال غریب نوازؒ کی غلامی آپ کو ورثہ میں ملی اور ہمیشہ آپ کا قیمتی اثاثہ رہی۔ شمسؒ وقمرؒ کی غلامی پر آپ ہمیشہ نازاں وفرحاں رہے اور مسندِ دعوت وارشاد کو بجا طور پر آپ کے فقر وغناء پر فخر وناز رہے گا۔ آپ نے دعوت وارشاد کے لیے تدریس و خطابت کو ذریعہ بنایا اور اِس میں آستانہ مقدسہ سیال شریف کی اولیت وفضلیت کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔

پائے اُو محکم فتد در کوئے دوست

عہدِ قمریؒ میں جب دارالعلوم ضیاءِ شمس الاسلام سیال شریف کو موجودہ کیمپس میں جدت اور وسعت کے ساتھ دوبارہ منظّم کیا گیا، تو آپ اِس کے اوّلین صدر المدرّسین منتخب ہوئے۔ درحقیقت یہ ہمارے شیخ کریم حضور شیخ الاسلام حضرت خواجہ حافظ محمد قمر الحق والدِینؒ کا حُسنِ انتخاب تھا جو ہمارے ممدوح کے لیے ہمیشہ طرّہ امتیاز رہے گا۔

راقم الحروف کو اِسی دوران میں آپ سے تلمّذ کا شرف حاصل ہوا اور یوں آپ کی سادہ مگر پُر وقار شخصیت کو قریب سے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ منطق پڑھاتے تھے اور دورانِ درس یوں لگتا تھا کہ کلام اور بلاغ نے مجتمع ہو کر آپ کا سراپا اوڑھ لیا ہے۔ سَتّر کی دہائی کے ابتدائی چھ سال آپ کی باقاعدہ شاگردی نصیب رہی۔ بعدازاں بھی جب کبھی حاضری نصیب ہوئی سیال شریف یا مکان شریف ہر دو جگہ پر آپ کی خصوصی

شفقت وعنایت کا وافر حصہ نصیب ہوتا رہا۔ دارالعلوم سیال شریف میں آپ کی بے لوث خدمات کا ایک زرّیں باب رقم ہے۔

دارالعلوم کے دوران قیام میں نمازِ عصر کے بعد آستانہ عالیہ کی روزانہ حاضری آپ کا معمول رہی، جس سے حد درجہ تعظیم وعقیدت مترشح ہوتی تھی۔

ہمارے شیخ کریم حضور شیخ الاسلام غریب نوازؒ نے آپ کو ایک منفرد اعزاز سے یوں نوازا کہ آپ کو اپنے وصیّت نامہ میں اپنے صاحبزادگان عالیشان کی مُشاورت کے منصب جلیلہ کے لئے منتخب فرمایا ؎

شہِ محمود نازد بر ایازیش
سریرِ فخر داند خاکِ کوئے

ملک محمد اکرم خان اعوان ۔
ایڈووکیٹ ہائی کورٹ، لاہور

میرے مُحسن ، میرے کرم فرما حضرت صاحبزادہ عزیز احمد رحمتہ اللہ علیہ ، پیکرِ اخلاق، علم و عمل اور حسن و خوبی ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم روحانی اقدار کے حامل بھی تھے۔ ہر قسم کے رنج والم اور درد وغم کا علاج چشمِ زدن میں فرما دیتے تھے۔

سب سے پہلے میں آپ کے بارے میں ایک تازہ واقعہ قارئین کی نذر کرتا ہوں۔ میں چند ماہ سے اپنی حماقت کی وجہ سے ذہنی کرب، روحانی تکلیف اور شدید پریشانی میں مبتلا تھا، جس کا اظہار میں نے مکان شریف پر حاضر ہو کر آپ کے مزار کا غلاف تھام کر کر دیا۔ اگلے روز لاہور، خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ ''میں فلاں مقام سے ابھی آ رہا ہوں اور میں نے تمام وَٹ نکال دیئے ہیں۔'' (میں نے تمہارا کام کر دیا ہے) میں نے جواباً عرض کیا کہ اللہ آپ کو خوش رکھے، آپ کی عمر دراز ہو۔ آپ نے بہت احسان کیا ہے۔ یہ کہتے ہوئے میری آنکھ کھل گئی۔ میں آپ کے کرم پر بہت خوش ہوا اور میری تشفی ہوگئی کہ مجھے کیوں غم ہو، جبکہ آپ میرے غم گسار ہیں۔

1968/69ء کی بات ہے۔ میرے پاس میرے ایک قریبی رشتہ دار ملک محمد ابراہیم ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہیں عرصہ دراز سے خونی بواسیر کی شدید تکلیف تھی، جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہتے تھے۔ حضرت صاحبزادہ صاحبؒ ایک شب میرے پاس مہمان تھے۔ ملک صاحب کی خستہ حالت دیکھ کر آپ کو ترس آیا۔ انہیں فرمایا کہ وضو کر کے اِس ترتیب سے دو نفل ادا کریں۔ ملک صاحب صبح اُٹھے تو ان کی دیرینہ بیماری انہیں داغِ مفارقت دے چکی تھی۔ بہت خوش تھے اور اکثر آپ کی کرامت کا ذکر کیا کرتے تھے۔

سرگودھا کے ایک سول جج میرے دوست تھے۔ انہیں ایک دن میرے ساتھ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ ''اس بیچارے پر بڑی مصیبت آنے والی ہے۔'' یہ سن کر میں پریشان

ہو گیا اور دُعا کے لئے ملتمس ہوا۔ فرمانے لگے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز و کارساز ہے۔ چنانچہ چند دن بعد جج صاحب کو نوکری سے فارغ کر دیا گیا۔ میں انہیں لے کر مکان شریف پر حضرت باوا جی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے دیوان حافظ سے فال نکال کر فرمایا کہ ابھی ان کی قسمت میں رونا دھونا باقی ہے۔ وہ تا حال ملازمت پر بحال نہیں ہو سکے۔

حضرت باوا جی صاحبؒ کو آپ سے بے پناہ محبت تھی۔ آپ کی جدائی سے پریشان ہو جاتے تھے فرمایا کرتے کہ ''اگر عزیز احمد ساتھ والے کمرے میں موجود رہے اور آنکھوں کے سامنے نہ بھی آئے تو بھی یک گو نہ اطمینان رہتا ہے۔'' حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کو بھی اپنے والدِ گرامی سے بے حد اُنس اور محبت تھی۔ ایام علالت میں دوا اور غذا اپنے ہاتھوں سے دیتے اور ہمہ وقت حاضر باش رہتے تھے۔ آپ کے سامنے چارپائی پر ہرگز نہ بیٹھتے تھے، کسی دیوار کی اوٹ میں چارپائی ڈال کر تشریف رکھتے کہ بے ادبی نہ ہو۔

آپ کا ذہن بہت منظم تھا۔ وادیِ سُون میں میلاد شریف کے جلوس کی ابتدا آپ نے کی۔ آہستہ آہستہ جلوس میں اسقدر ترقی ہوئی کہ میلاد کے دن لوگوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر جلوس کی صورت میں نظر آتا تھا۔

حضور شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ آپ پر بہت مہربان تھے۔ جب خواجہ سیالویؒ جمعیت علمائے پاکستان کے صدر تھے اور گوجرانوالہ میں ایک بڑے جلوس کی قیادت کر رہے تھے، تو صاحبزادہ صاحبؒ بھی جلوس میں شرکت کیلئے گوجرانوالہ تشریف لے گئے۔ جب حضور سیالویؒ کی نظر آپ پر پڑی تو بہت خوش ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ ''آپ میرے لئے اتنی تکلیف اٹھا کر سرگودھا سے یہاں پہنچے ہیں'' پھر آپ نے دُعا سے نوازا۔

ایک مرتبہ امیر شریعت حضرت خواجہ محمد حمید الدین سیالوی مدظلہم سجادہ نشین سیال شریف دورانِ ولی عہدی حج کر کے واپس آئے تو فیصل آباد ایئر پورٹ پر اترے۔ بہت سے لوگ استقبال کے لئے حاضر تھے۔ میں بھی حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کی معیت میں موجود تھا۔ صاحبزادہ صاحبؒ جب حضرت امیرِ شریعت کی دست بوسی کے لئے آگے بڑھے تو آپ نے انہیں سینے سے لگاتے ہوئے سر پر بوسہ دیا۔ یہ سعادت مجمع بھر میں صرف

صاجزادہ صاحبؒ کے نصیب میں آئی۔

حضور پیر سیال کی ساری اولاد، صاجزادہ صاحبؒ پر غایت درجہ مہربان اور راضی رہی۔اس نعمتِ سرمدی کے حصول کے لئے آپ بھی ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

پروفیسر حافظ محمد منیر چشتی
یونیورسٹی آف سرگودھا

1971ء کا وُہ دن مجھے ابھی تک یاد ہے جس روز میری مُلاقات ایک ایسی شخصیت سے ہوئی جو بڑی سحر آفرین، دل نشین اور عرفانی و وجدانی اثرات سے مُرصع تھی۔ جن کے دیکھنے سے پریشانیوں اور غموں کے بادل از خود چھٹ جاتے تھے۔ یہ وُہ ماہ و سال تھے جب میں دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف میں نویں کلاس میں داخل ہونے کیلئے اپنے والدِ گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپؒ نے جس محبت و شفقت کا اظہار فرمایا وہ دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اترتی چلی گئی۔

1971ء سے 1976ء تک کا عرصہ آپؒ کے زیرِ سایہ گزارنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس دوران میں آپ سے براہِ راست اکتسابِ علم کا موقع بھی ملا۔ منطق اور اُصولِ فقہ کی کتابیں آپؒ سے پڑھیں۔ سمجھانے کا طریقہ اس قدر موثر اور عام فہم ہوتا کہ غبی طالبعلم بھی سمجھے بغیر نہ رہ سکتا۔

جب آپؒ، سمن آباد، فیصل آباد کی مرکزی جامع مسجد میں جُمعہ پڑھایا کرتے تھے تو آپؒ مُجھے بھی کسی نہ کسی جُمعہ کو ساتھ لے جاتے۔ دورانِ سفر، آدابِ سفر کو حد درجہ ملحوظِ خاطر رکھتے۔ ہم سفروں کیلئے سامانِ راحت مہیا کرنے کی کوشش فرماتے اور اِس اَمر کا عملی نمونہ پیش فرماتے کہ

راحت بدل رساں کہ ہمیں مشرب است و بس

مُجھے آپؒ کے پندو نصائح سے بھرپور دو گرامی نامے ابھی تک یاد ہیں جن میں میری راہنمائی اور دل جوئی انتہائی موثر انداز میں فرمائی۔ آپؒ کے نوکِ قلم سے نکلے ہوئے الفاظ بعینہٖ یوں ہیں ''راقم کو آپ کے عزائم کی تکمیل سے اُنس ہے۔ خدا کریم آپ کی مساعی کو اور میری دعاؤں کو قبول فرمائے۔ آپ مزاج اور شخصیت میں ایک پُر وزن وقار کو

رہنے کا رواج دیں۔ آپ کا مستقبل نہ صرف تعلیم سے روشن ہوگا بلکہ اس کیلئے بہت کچھ اور بھی ہونا ضروری ہے۔'' دوسرا مکتوبِ گرامی مجھے اُس وقت موصول ہوا جب میں بطور لیکچرار گورنمنٹ ڈگری کالج راجن پور اپنے تدریسی فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ میرے عریضے کے جواب میں تسلی و تشفی دیتے ہوئے یُوں تحریر فرمایا۔

'' خدا کریم آں عزیز کو سکونِ قلب عطا فرمائے اور حالات موافق فرما دے۔ زندگی کے مراحل ایسے بھی ہوتے ہیں۔ انجام بخیر ہو تو ان حالات کو کچھ بھی اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ خدا کرے آپ جلد اپنے ضلع میں منتقل ہوں۔ رات کو اکیس مرتبہ '' سورۃ والضحیٰ '' پڑھ لیا کریں۔'' آپؒ کی یہ تحریریں کتنی پُر مغز اور حکمت بھری ہیں جن سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے متعلقین کے ساتھ والہانہ محبت رکھتے تھے اور تعمیر انسانیت کو اپنا فرضِ اوّلین سمجھتے تھے۔

اپنے قبلہ باوا جی علیہ الرحمتہ کے وصال کے بعد جب سجادگی کے منصب پر فائز ہوئے تو اپنے کریمانہ رویّہ کے پیش نظر لوگوں کے دلوں کو موہ لیا۔ لوگ آپؒ کے گرویدہ ہوتے چلے گئے۔ حلقہء ارادتمندان وسیع تر ہوتا گیا۔ اپنے رُوحانی فیض کو عام کیا۔ ان فیوض و برکات سے مُجھے بھی محروم نہ رکھا۔ ایک حاضری کے موقع پر آپؒ نے کمال شفقت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے '' دلائل الخیرات شریف '' اور دیگر اوراد و وظائف کی اجازت مرحمت فرمائی جو آپؒ کی عالی ظرفی اور فیض رسانی کی ایک درخشندہ مثال ہے۔ فی الحقیقت جب بھی آستانہ عالیہ مکان شریف (کُھری) حاضری ہوتی تو آپؒ اپنے بے پایاں لطف و کرم کی انتہا فرما دیتے تھے۔ ایک عظیم انسان کے یہی باتیں شایانِ شان ہوتی ہیں۔

آپؒ کے خصائلِ حمیدہ اور امتیازی درجات اُس وقت اُبھر کر سامنے آئے جب آپؒ نے دار العلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف میں بطور صدر المدرّسین فرائض سرانجام دینا شروع کیے۔ اس منصبِ عالی پر فائز ہو کر آپؒ نے عملاً یہ ثابت کیا کہ وُہ حُسنِ تدریس اور جامع تربیت میں درجہ ءِ کمال کو پہنچے ہوئے ہیں۔ جہاں آپؒ ایک طرف حدیث و تفسیر اور فقہ و منطق میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، وہاں فلسفہ و حکمت اور منطق کی گتھیوں کو سُلجھانے

میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ درسِ نظامی کے عُلوم کی بڑی بڑی ماہر ہستیاں گزری ہیں لیکن مضمون پر دسترس بسا اوقات میدانِ تدریس میں آ کر دھندلانے لگتی ہے، لیکن آپ کی انفرادیت یہ تھی کہ اگر وہ حدیث وتفسیر سمجھا رہے ہوتے تو طلبہ پر زیرِ بحث مضمون اظہر من الشمس ہوتا چلا جاتا۔ اسی طرح فقہ ومنطق کو اذہان میں اتارنے کا کمال ملکہ حاصل تھا۔ علاوہ ازیں وہ فلسفہ وحکمت کی پیچیدہ عبارات کو اس طرح آسان اور عام فہم انداز میں سمجھاتے کہ تشنگانِ علم کی پیاس باقی نہ رہتی تھی ۔ گویا آپؒ ایسے چاہِ علم تھے جن کے گرد سیراب ہونیوالوں کا اجتماع رہتا تھا۔ اخلاص وشفقت آپؒ میں فطری طور پر ارزانی تھا۔ آپؒ ایسے خلیق اور مُشفق تھے کہ طلبہ آپؒ کی ذات میں ایک خاص اپنائیت محسوس کرتے تھے۔ تلامذہ کے ساتھ آپؒ کا رویہ روایت اور دستور سے الگ سہی لیکن وُہ ایک بڑی ہستی کے شایانِ شان ضرور تھا۔ تصوّف اور معرفت کے مسائل اور منازل سے پوری طرح باخبر تھے۔ بایں وجہ ان کے حقائق مکمّل واکمل طریقہ سے آپؒ کی شخصیت میں راسخ تھے۔ تحمل وبُردباری، عجز وانکساری اور محبت ووفا شعاری آپؒ کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ آپؒ پیکرِ تسلیم ورضا بھی تھے۔ دراصل اُن کی مَن کی دنیا آباد تھی اور دِل کا دِیا روشن تھا۔ صاحبِ ثروت ہو کر بھی آپؒ علامہ اقبالؒ کے مردِ قلندر تھے اور یہ عطا تھی حق باری تعالٰی کی اور نظرِ عنایت تھی پیر و مُرشد کی، جن کے احکام کی بجا آوری میں وہ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں فرماتے تھے۔

اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہونے کے باوجود آپؒ کی تربیّت اس انداز میں کی گئی کہ اس کے نقوش آپؒ کی شخصیت پر بہت گہرے تھے۔ آپؒ نے اپنی خاندانی نجابت کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اپنے قول وفعل سے اس میں اور اضافہ کیا۔ اپنے باواجی رحمتہ اللہ علیہ کے حکم سے اُن کے وصال تک اپنے پیر ومُرشد حضور شیخ الاسلام رحمتہ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ پر رہ کر نیاز مندانہ طریقہ سے اُن فرائض کو بجالاتے رہے جو انہیں تفویض کیے گئے تھے۔ ان میں دارالعلوم میں تدریسی اُمور کو سرانجام دینا سرِ فہرست تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپؒ دارالعلوم کے انتظام کو بطریقِ اَحسن چلانے میں بھی کوشاں رہے۔ نیز طلبہ کی کردار

سازی میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تا کہ وہ اچھے انسان بن کر عملی زندگی میں قدم رکھیں۔

اس علمی مرکز کے اساتذہ کے ساتھ ان کے منصب اور علم کے مطابق معاملات طے فرماتے، جس سے "کَلِّم النَّاس عَلٰی قدْرِ عُقُولِهِمْ" کے جلوے عیاں طور پر دکھائی دیتے تھے۔ طبیعت بے حد نفیس تھی۔ لباس و طعام میں نفاست و نظافت کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ نشست و برخاست ہو یا آدابِ محفل کے لوازمات، آپؒ ہمہ وقت ترتیبی اُمور کو پیشِ نظر رکھتے۔ گفتگو میں سلاست و روانی اور فصاحت و بلاغت حدِّ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ آپؒ شُستہ اور مزاح بھری گفتگو سے محفل کو کشتِ زعفران بنا دیتے تھے، جس سے "اَلْمِزَاحُ فِي الْكَلامِ كَالْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ" کے تقاضے واضح طور پر محسوس ہوتے تھے۔ یہی وہ اوصافِ حَسنہ ہیں جن کی وجہ سے آپؒ کو دیگر مقتدر شخصیتوں پر عظمت و برتری حاصل تھی۔

زُہد و عبادت اور تقویٰ و طہارت میں بھی آپؒ بلند مقام پر فائز تھے، گویا آپؒ "سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُود" کا مصداق تھے۔ بلاشبہ آپؒ اپنے اسلاف کے نورانی جلووں کا پَرتو تھے۔ زندگی بھر آپؒ راہِ صداقت پر قائم رہے۔

مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ آپؒ "وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاس" کی سچی اور عملی تصویر تھے۔ خدائے لم یزل آپؒ کے مرقدِ پُرنور پر بے حد و حساب برکتیں اور رحمتیں نازل فرمائے۔

آمين بجاه نبي الكريم عليه التحية و التسليم .

علامہ محمد نور الحق حمیدی
نوشہرہ (خوشاب)

حضرت صاحبزادہ عزیز احمد رحمتہ اللہ علیہ سے میں بچپن سے متعارف تھا۔ حصول تعلیم کے دوران میں اچھالہ تشریف لے جاتے یا واپس آتے ہوئے آپ ہمارے جھونپڑے کو زینت بخشتے۔ اپریل 1960ء میں جب میں قدرے شعور کی حد کے قریب تھا، حضرت قدس سرہ' کی معیت میں حصول علم کیلئے سانگلہ ہل پہنچا۔ سانگلہ میں مرکزی جامع مسجد کے ساتھ ایک عالیشان مدرسہ (جامعہ نقشبندیہ رضویہ) میں حضرت صدر مدرس تھے۔ آپ کے تمام رفقائے کار آپ کی شخصیت سے بے حد متاثر تھے۔ باوجود خود مدرس ہونے کے آپ کا بے حد احترام کرتے اور ہر معاملے میں آپ کی بات کو قولِ فیصل سمجھتے تھے۔

آپ کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔ اس میں علماء، فضلاء، ڈاکٹر، اطبّاء، سیاسی زعماء، تجار، خوانچہ فروش اور ریڑھی بان تک سب شامل تھے۔ آپ سب کے ساتھ مروت اور شفقت سے پیش آتے اور ہر ایک کے ساتھ اسکی استعداد اور ذوق کے مطابق دلآویز گفتگو فرماتے، جو آپ کے مطالعہ کی وسعت، تجرِ علمی اور مردم شناسی کی نشاندہی کرتی۔

طلبہ کے ساتھ بے حد پیار فرماتے اور ان کے روشن مستقبل کے متمنی رہتے۔ محنتی اور ذہین طلبہ پر خصوصی توجہ فرماتے تاکہ یہ مستقبل میں اچھے مدرس بن سکیں۔ عبارت کی اصلاح پر خصوصی زور دیتے اور اس سلسلہ میں آپ کو یہ تخصیص حاصل تھی کہ دورہ حدیث کے دوران میں اگر کوئی طالب علم حدیث کی عبارت صحیح نہ پڑھ سکتا تو آپ کے عظیم المرتبت استاد شیخ الحدیث مولانا سردار احمدؒ اسے صرف ونحو پر عبور حاصل کرنے اور عبارت کی اصلاح کیلئے صاحبزادہ صاحبؒ کے پاس بھیجتے۔ چنانچہ ان دنوں مولانا مبارک علی شاہ صاحب سانگلہ ہل میں پڑھ رہے تھے۔ خوش الحان مقرر تھے۔ انہوں نے بتایا کہ میں دورہ حدیث

کے دوران عبارت پڑھتے ہوئے اکثر غلطیاں کرتا تھا۔ مجھے حضرت شیخ الحدیثؒ نے عبارت کی اصلاح کیلئے صاحبزادہ صاحبؒ کے پاس سانگلہ ہل بھیجا تھا۔

سانگلہ ہل میں آپ کا اندازِ خطابت بڑا مقبول تھا۔ وہاں سال بھر جلسے ہوتے جن میں خوش الحان واعظین لحن داؤدی سے سامعین کے ذوق کی تشفی کرتے رہتے۔ لیکن جس جلسہ میں آپ کا خطاب ہوتا، باوجود مقامی ہونے کے، سامعین کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے۔ واضح رہے کہ ایوبی دور میں چونکہ سیاسی جلوسوں پر پابندی تھی اسلئے مذہبی جلسوں کی طرف رجحان بھی کم ہو گیا تھا، لیکن ساٹھ اور ستر کے عشرے میں سانگلہ ہل میں تب بھی آپ کا بیان سننے کیلئے مذہبی جلسوں میں سات سے آٹھ ہزار تک لوگوں کا مجمع ہوا کرتا تھا۔ مرکزی جامع مسجد میں نماز فجر کے بعد آپ درس قرآن وحدیث دیتے جس میں شہر کا لکھا پڑھا طبقہ قرآن فہمی کے لئے حاضر ہوتا۔

1957ء سے **1966**ء تک آپ سرزمینِ سانگلہ ہل کو اپنے علمی فیضان سے بہرہ ورفرماتے رہے۔ دور دراز سے طلبہ آپ کے منفرد اندازِ تدریس سے فیضیاب ہونے کیلئے حاضر ہوتے۔ ڈھوڈہ شریف کے موجودہ سجادہ نشین بھی اس سلسلہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ داتا دربار کی جامع مسجد کے موجودہ خطیب مولانا مقصود احمد صاحب بھی استفادہ کیلئے حاضر ہوئے۔ مفتی ظفر علی نعمانی صاحب (ناظم اعلیٰ دارالعلوم امجدیہ، کراچی) اپنا اکثر وقت آپ کے پاس مدرسہ میں گزارتے اور مختلف مسائل پر تبادلہ خیال کرتے۔ مفتی صاحب کے مہمانانِ گرامی سید ابوالبرکات شاہ صاحب، حضرت محمود احمد رضوی صاحب، حضرت خلیل احمد رضوی صاحب، علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری صاحب، قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی صاحب اور مولانا معین الدین شافعی صاحب وغیرھم ان کے وسیع وعریض مکان میں ٹھہرنے کے بجائے حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کے پاس قیام کرتے اور یوں علمی مجالس ہوتیں اور مختلف مسائل پر تبادلہ خیال ہوتا۔

شہر کے لوگ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ عصر کے بعد جب آپ سیر کیلئے مدرسہ سے نکلتے تو مین بازار کے دکاندار آپ کے احترام میں کھڑے ہو جاتے اور سلام

عرض کرتے۔ نہر کے کنارے چہل قدمی میں مصروف لوگ جب آپ کو دیکھتے تو آپ کے پاس آ کر سلام پیش کرتے۔ آپ کی مقبولیت کو دیکھ کر بعض لوگ حسد کی آگ میں جلتے، لیکن آپ ان کے ساتھ بھی مروّت سے پیش آتے۔

شہر کی سیاسی سرگرمیوں میں آپ کا کسی نہ کسی انداز میں عمل دخل رہتا۔ رئیس بلدیہ شیخ غلام جیلانی آپ کے حلقہ احباب میں شامل تھے۔ بلدیاتی انتخابات میں آپ اپنے ہم مسلک امیدواروں کی کامیابی کیلئے کوشش فرماتے۔ ایک بلدیاتی انتخابات میں ٹھیکیدار غلام نبی، جو آپ کے مخلص ساتھی اور ہم نشین تھے، ایک حلقہ میں امیدوار تھے۔ ان کے مقابلے میں چوہدری الطاف نامی ایک صاحب تھے، جو شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے قبیلے کے بہت سے لوگوں نے، جن میں آپ کے ایک دوست چوہدری عبدالغنی بھی تھے، آپ کو چوہدری الطاف کی حمایت کیلئے کہا۔ لیکن آپ نے اپنے ہم مسلک امیدوار کی ہی حمایت فرمائی اور فرمایا کہ ''میں کسی گستاخِ صحابہ کیلئے کوئی کلمہ خیر کہنے کو تیار نہیں ہوں۔''

صاحبزادہ صاحبؒ نے اپنے استادِ مکرم شیخ الحدیث مولانا سردار احمدؒ کے ایماء پر مدنی مسجد سمن آباد (فیصل آباد) میں خطابت شروع کی تو وہاں کے لوگ آپ کی دلآویز شخصیت کے گرویدہ ہو گئے اور ہفتہ کے بعد زیارت کرنے کے بجائے آپ کو مستقلاً اپنے پاس ٹھہرانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ کچھ مخلصین نے سمن آباد میں مدرسہ کے قیام کی تجویز پیش کی جسے بعد میں آپ نے قبول فرمالیا۔ 65ء کی پاک بھارت جنگ کی وجہ سے سانگلہ کا مدرسہ وقتی طور پر بند ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد حضرتؒ نے فیصل آباد میں مدرسہ قائم کرنے کا پروگرام بنالیا۔ اسی اثناء میں دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف کی نشاۃِ ثانیہ عمل میں آ چکی تھی اور حضور شیخ الاسلام محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر قابل مدرسین کی متلاشی تھی۔ حضور شیخ الاسلامؒ کے حکم پر آپ نے فیصل آباد مدرسہ کے قیام کا ارادہ ترک کر دیا اور سیال شریف کے دارالعلوم میں بحیثیت صدر مدرس خدمات سرانجام دینے لگے۔

اُن دنوں دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف کا رہائشی بلاک زیر تعمیر تھا۔ تدریسی بلاک کے ایک ہال میں کپڑے کا پردہ لٹکا کر چھوٹا سا کمرہ بنا دیا گیا جہاں آپؒ نے

قیام فرمایا۔ ابھی تک یہاں بجلی کی تنصیب نہیں ہوئی تھی اور ہم لالٹین جلا کر روشنی کرتے تھے۔ لالٹین کی مدہم روشنی سے ہم برسوں سے نامانوس ہو چکے تھے۔ لہٰذا دوران مطالعہ دقت کا سامنا کرنا پڑتا۔

حضور شیخ الاسلامؒ آپ کی دلجوئی کی خاطر اکثر آپ کی قیام گاہ پر تشریف لاتے۔ اپنے ساتھ گیس بھی لاتے اور اسے اپنے دستِ اقدس سے روشن کرتے اور فرماتے کہ گیس صاحبزادہ صاحب کے کوارٹر پر روشنی کرنے کیلئے لایا ہوں۔ ان دنوں لنگر خانہ ابھی دارالعلوم پر منتقل نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا میں آپ کا کھانا لینے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوتا۔ ایک دن میں کھانا لا رہا تھا کہ حضرت خواجہ فخر الدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ کے استفسار پر عرض کیا کہ صاحبزادہ صاحب کا کھانا لے جا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ''آئندہ عزیز احمد صاحب کا کھانا میرے گھر سے لے جانا کیونکہ میاں صاحب (صاحبزادہ صاحبؒ کے والد گرامی حضرت میاں عبدالحمیدؒ) کا گھر اور ہمارا گھر ایک ہی ہے۔''

سیال شریف کے قیام کے دوران میں آپ کی شخصیت میں نمایاں تبدیلیاں آنا شروع ہوگئیں۔ میرے خیال میں تدریس تو شاید ایک بہانہ تھی۔ اصل میں حضور شیخ الاسلامؒ آپ کو اپنے پاس رکھ کر آپ کی روحانی تربیت فرما رہے تھے۔ حضور شیخ الاسلامؒ آپ کی کارکردگی پر بار بار اظہار اطمینان فرماتے۔ آپ نے متعدد مرتبہ علماء کرام، اساتذہ اور طلباء کے سامنے آپ کی علمی و انتظامی صلاحیتوں کا اعتراف فرمایا حضور شیخ الاسلام کبھی کبھی رات کا قیام دارالعلوم میں فرماتے۔ صاحبزادہ صاحبؒ نماز فجر کے فوراً بعد آپ کی خدمت میں چائے پیش کرتے تو حضور بہت خوش ہوتے، پیار بھری گفتگو فرماتے اور دعاؤں سے نوازتے۔

دارالعلوم کے تمام شعبوں کے اساتذہ اور دفتری عملہ آپ کا بے حد احترام کرتا تھا۔ ناظم دارالعلوم جناب ڈاکٹر تسخیر احمد مرحوم آپ کے کمرے میں داخل ہوتے تو جوتے باہر اتار دیتے اور دارالعلوم کے انتظامی اور تدریسی امور کے بارے میں صلاح و مشورہ کیلئے آپ کو اپنے دفتر میں بلانے کے بجائے خود آپ کی رہائش گاہ پر حاضر ہوتے۔

جبکہ دیگر اساتذہ کیلئے ایسے مواقع پر ڈاکٹر صاحب کے دفتر میں جانا ضروری ہوتا۔ آستانہ عالیہ سیال شریف کے متوسلین بالخصوص حضور پیر سیال کے خانوادہ کے افراد آپ سے بہت انس کرتے تھے۔ یہ حضرات متنوع مزاج رکھنے کے باوجود آپ سے یکساں طور پر محبت فرماتے اور آپ پر کامل اعتماد رکھتے تھے۔

دارالعلوم میں قیام کے دوران میں آپ نے اپنی خداداد انتظامی اور تدریسی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر دارالعلوم کو ایک مثالی درسگاہ بنادیا۔ اساتذہ کے درمیان پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کا بڑے احسن طریقہ سے ازالہ فرماتے۔ طلبہ کا معیار تعلیم بلند کرنے کیلئے تمام شعبہ جات کے اساتذہ کو ہدایات جاری فرماتے۔ دارالعلوم کا نظم وضبط اس حسن وخوبی سے قائم کیا کہ اس پر ایک عسکری ادارے کا گمان گزرنے لگا۔

حضرت قدس سرہ' کے علمی فیوض و برکات سے سینکڑوں طلبہ فیض یاب ہوئے۔ آپ کے تمام تلامذہ نہ صرف ملک کے طول وعرض میں، بلکہ بیرون ملک بھی تبلیغی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور علوم اسلامیہ کی شمع روشن رکھے ہوئے ہیں۔ بعض تلامذہ کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

1۔ حضرت صاحبزادہ محمد بشیرالدین معظمی، قمرالعلوم جامعہ معظمیہ گجرات
2۔ حضرت صاحبزادہ محمد مکرم الدین معظمی سرگودھا۔
3۔ حضرت صاحبزادہ اعجاز علی، سجادہ نشین سرکی شریف (خوشاب)
4۔ حضرت صاحبزادہ قاضی مشتاق احمد، سجادہ نشین سھرال (خوشاب)
5۔ جناب مولانا ذوالفقار احمد رضوی جامعہ نقشبندیہ رضویہ سانگلہ ہل
6۔ جناب مولانا عبدالحمید۔ حافظ آباد
7۔ جناب مولانا صوفی محمد حسین، گوجرہ منڈی
8۔ جناب مولانا محمد لقمان، ملتان
9۔ جناب مولانا سید مبارک علی شاہ، کمالیہ
10۔ جناب مولانا سید منیر حسین شاہ، شاہین آباد

11۔ جناب مولانا حافظ محمد انور، بہاولپور

12۔ جناب سید نیاز احمد شاہ ہمدانی، پنڈ دادنخان

13۔ جناب مولانا سید عابد حسین شاہ، بریڈفورڈ لندن

14۔ جناب مولانا محمد یوسف، کیپ ٹاؤن (جنوبی افریقہ)

15۔ جناب مولانا برکت علی، ماموں کانجن

16۔ جناب مولانا محمد اسحاق اظہر، کراچی

17۔ جناب مولانا غلام قمر الدین، دارالعلوم امجدیہ کراچی

18۔ جناب مولانا محمد بخش مزیّن، جامعہ قادریہ، لالہ موسیٰ

19۔ جناب مولانا سیّد رشید احمد شاہ، گجرات

20۔ جناب مولانا نذیر احمد قادری، حافظ آباد

21۔ جناب مولانا حافظ مقبول احمد، سیالکوٹ

22۔ جناب مولانا سیّد صفدر حسین شاہ، کمالیہ

23۔ جناب مولانا نذیر حسین، مظفر آباد کشمیر

24۔ جناب مولانا حافظ محمد دین، جامعہ نعیمیہ لاہور

25۔ جناب مولانا حافظ عبدالغفور، فیصل آباد

26۔ جناب مولانا محمد شرف الدین سرہالوی، خوشاب

27۔ جناب مولانا قاری محمد امین سکھرالوی، نوشہرہ (خوشاب)

28۔ جناب مولانا نذر محمد، پاک آرمی

29۔ جناب مولانا محمد بخش قمر، سرگودھا

30۔ جناب مولانا ابوالخیر اللہ بخش، سرگودھا

31۔ جناب مولانا حافظ نذر محمد ولہ، سرگودھا

32۔ جناب مولانا عبدالقیوم علوی، لاہور

33۔ جناب مولانا حافظ احمد شیر، سرگودھا

34۔ جناب مولانا حافظ فتح محمد مرحوم، تلہ گنگ

35۔ جناب پروفیسر ڈاکٹر دوست محمد شاکر، جامعہ پنجاب لاہور

36۔ جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف سیالوی بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

37۔ جناب پروفیسر ڈاکٹر منظور حسین سیالوی گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

38۔ جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق سیالوی، ملتان

39۔ جناب پروفیسر عبدالعزیز مدنی، جھنگ

40۔ جناب پروفیسر حافظ محمد منیر چشتی، یونیورسٹی آف سرگودھا

41۔ جناب مولانا محمد عزیز سیالوی، انگہ (خوشاب)

42۔ جناب حافظ محمد رفیق، جھنگ

43۔ جناب میجر محمد اسلم سیالوی، لاہور

44۔ جناب میجر نور احمد، بہاولپور

45۔ جناب میجر شہاب الدین شاہ، اے۔ای۔سی

46۔ جناب محمد منیر اعوان، ڈپٹی جنرل مینجر، پاسکو

47۔ جناب منظور احمد قمر، یونین بنک سرگودھا۔

48۔ جناب مظفر احمد سیال، حبیب بینک سرگودھا

49۔ جناب مولانا عبدالکریم چشتی، سلانوالی

50۔ جناب پروفیسر ڈاکٹر خالقداد، جامعہ پنجاب لاہور

منشی غلام سرور
نوشہرہ (خوشاب)

پنجابی میں بیٹے کے متعلق مثل مشہور ہے، پُتر، کپُتر، سَپتر۔ پتر، وہ ہوتا ہے جو باپ دادا کی روایات قائم رکھے۔ کپتر، اپنی بنا نہ سکے اور باپ دادا کی قائم رکھ نہ سکے۔ سُپتر، جو باپ دادا کی ساکھ اور نام قائم رکھ کر اپنا بھی مقام پیدا کرے۔ سپتر بہت کم اور خوش نصیب والدین کے نصیب میں ہوتے ہیں۔ حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ کے لئے سپتر کی مثل صادق ہوگی۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

صاحبزادہ صاحبؒ کی شخصیت ہر لحاظ سے قابل قدر اور قابل تعریف تھی۔ آپ عالم باعمل، صوفی، متقی تو تھے ہی سادگی اور منکسر المزاجی بھی قدرت نے انکی ذات میں وافر رکھی تھی۔ آپ کا علمی مقام یہ تھا کہ آپ دس سال تک دارالعلوم سیال شریف میں، جو کہ پاک و ہند کے اعلیٰ درجے کے دینی اداروں میں شمار ہوتا ہے، صدر مدرس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ فہم و فراست کا یہ عالم تھا کہ حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ نے اپنے وصیت نامہ میں صاحبزادگان کو وصیت فرمائی کہ ہر معاملے میں مولوی عزیز احمدؒ صاحب سے مشورہ لینا۔

یہ اندازہ لگانے میں خاصی مشکل پیش آتی ہے کہ صاحبزادہ صاحبؒ کس پر زیادہ مہربان تھے۔ جو بھی آپ کے پاس جاتا وہ یہی سمجھتا کہ آپؒ سب سے زیادہ اس پر شفقت کرتے ہیں۔ اگر کوئی دکھی انسان آپ کی خدمت میں اپنی غم بھری کہانی پیش کرتا تو آپ اس کی تسلی و تشفی کیلئے آیات قرآنیہ، احادیث نبوی اور اولیائے کرام کے اقوال و

ملفوظات اتنے موثر انداز میں پیش کرتے کہ اس کا دل ہلکا ہو جاتا۔ وقتی ہی نہیں، مستقلاً اس میں حوادث و مصائب برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا۔ آپ کی مجلس میں ہر وقت احکام خداوندی اور فرمودات رسول مقبول ﷺ کا ذکر رہتا۔ دنیا اور دنیاداری کی باتوں کی طرف آپ کا دھیان جاتا نہ ہی رغبت سے ان کا ذکر فرماتے تھے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ جن لوگوں کا تعلق آستانہ عالیہ سیال شریف سے یا آپ کے والد گرامی حضرت میاں عبدالحمیدؒ سے ہوتا ان کی بے حد قدر کرتے۔

مکان شریف پر دارالعلوم قمر الاسلام میں پرانا نصاب درس نظامی چل رہا تھا۔ آپ نے اسے تبدیل کر کے جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ بنا دیا اور دارالعلوم کی نئی عمارت بھی تعمیر کرائی۔ شعبہ حفظ اور درس نظامی میں سو کے قریب بچے زیر تعلیم ہیں۔ ان کے خورد و نوش اور رہائش کا معقول بندوبست دارالعلوم کے ذمہ ہے۔

حضرت صاحبزادہ صاحبؒ ہم سے بہت جلد جدا ہو گئے۔ اللہ کریم انہیں کروٹ کروٹ اپنی رحمتوں سے نوازے۔ (آمین)

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

محمد منیر اعوان
ڈپٹی جنرل منیجر پاسکو

مجھ ناچیز کو جناب صاحبزادہ محمد مسعود احمد معظمی کی طرف سے حکم ملا کہ حضرت سیّدی صاحبزادہ عزیز احمدؒ کی ذات اقدس کے بارے میں اپنے تاثرات تحریر کروں۔ الامر فوق الادب کے تحت جسارت کر رہا ہوں ورنہ:

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

رب ذوالجلال کا بے حد فضل و احسان ہے کہ مجھے حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ کی خدمت اقدس میں اپنی زندگی کے بہت سے قیمتی لمحات گزارنے کی سعادت نصیب ہوئی، جسے میں اپنی زندگی کا سرمایہ افتخار سمجھتا ہوں:

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

جہاں آپ کے روحانی فیوض و برکات، مکان شریف کے زائرین خاص و عام کیلئے تھے، وہاں آپؒ کی مہمان نوازی، بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت و احسان، مصیبت زدگان کی دلجوئی، بے لوث خدمت، غریب پروری اور خوش خلقی منفرد و نمایاں خصوصیات تھیں۔

معاملات دینی ہوں یا دنیاوی، معاملہ فہمی میں آپؒ یکتائے زمانہ تھے۔ آپؒ کی شخصیت کے اس نمایاں پہلو کی بدولت آپ کے مرشد حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ نے وصیت نامہ میں اپنے صاحبزادگان کو تمام امور میں آپؒ سے مشورہ کی تلقین فرمائی۔

آپؒ نے جہاں اپنے علاقہ وادی سُون سکیسر کی بستی بستی اور گلی گلی دینِ اسلام کی تبلیغ فرمائی وہاں دور افتادہ علاقوں میں بھی اپنی ولولہ انگیز تقریروں سے عوام کے دلوں کو گرمایا۔

آپؒ کی مذہبی خدمات کا نتیجہ ہے کہ وادیِ سُون کے باسیوں کی اکثریت فرقہ واریت اور نفسانفسی کے اس دور میں بھی حضور نبی کریم ﷺ کی غلامی کے گیت گاتی نظر آتی ہے۔ آپؒ میلاد شریف کی محفلیں ربیع الاول کے ماہ مبارک سے لیکر رجب، شعبان تک علاقہ کے ہر شہر اور قصبہ میں سجاتے، جس کی بدولت نئی نسل کو بھی درود و سلام کی محفلیں سجانا نصیب ہوا۔ الحمدللہ! آپؒ نے تبلیغِ دین اور خصوصاً حُب نبی ﷺ کا جو پودا اپنے علاقہ میں لگایا، آپ کے جانشین حضرت صاحبزادہ حامد عزیز صاحب اس کی کما حقہ، آبیاری فرما رہے ہیں۔

آپؒ نے جہاں اپنی کاوشوں سے حفظِ قرآن اور درس نظامی کے کئی مدارس قائم فرمائے، وہاں مکان شریف کی مقدس فضاؤں میں دینی و دنیوی علوم کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام فرمایا، جہاں سے سینکڑوں حفاظ کرام اور تشنگانِ علم فارغ التحصیل ہو کر اشاعتِ دین کے کام میں مصروف ہیں۔

آپؒ کے فیوض و برکات اور کرامات کا سلسلہ وسیع ہے۔ جو لوگ عقیدت و ارادت کے ساتھ آپؒ کی قربت میں رہے اُن کی زندگیوں کے دینی و دنیاوی معاملات فیوض و برکات سے مزین ہیں۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ انکو
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

میرا دنیاوی لحاظ سے اس مرتبہ پر ہونا آپ کی برکات کا ہی ثمر و نتیجہ ہے۔ میرے خانگی معاملات کو آپؒ نے یہاں تک سدھارا کہ عرصہ دراز سے اولادِ نرینہ کی محرومی نے تمام اہل خانہ کو پریشان کر رکھا تھا۔ جسکا ذکر اکثر آپؒ سے کیا جاتا۔ آپؒ نے ایک بچی کی ولادت پر ارشاد فرمایا کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بیٹا عطا فرمائے گا۔ اس کا نام محمد جاوید رکھنا۔

آپؒ کا فرمان کرامت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ جس روز آپؒ کا ختم چہلم تھا۔ اس روز اللہ کریم جل شانہٗ نے ہمیں بیٹا عطا فرمایا۔ جس کا نام آپ اپنی حیات طیبہ میں رکھ

چکے تھے۔ میرا ایمان وایقان ہے کہ آپؒ کے عالم فنا سے پردہ فرمانے کے بعد آپؒ کے فیوض وبرکات کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ رُشد وہدایت کا جو چراغ مکان شریف پر حضرت میاں عبدالعزیزؒ نے روشن فرمایا تھا اس کو موجودہ سجادہ نشین حضرت صاحبزادہ حامد عزیز صاحب نے تاباں تر رکھا ہوا ہے۔ اللہ کریم جل شانہٗ مجھے اور دیگر متوسلین کو صاحبان مکان شریف کی غلامی اور وابستگی تا ابد نصیب فرمائے (آمین)

حاجی عبدالعزیز خان

لاہور

مکان شریف پر حاضری دینے والا ہر انسان اس جائے امن کے فیض و برکت سے مستفیض ہوتا ہے۔ دکھی دِل اور پریشان لوگوں کو اپنی من موہنی باتوں سے باغ باغ کر دینا، دشمنی کو دوستی میں بدل دینا، برباد ہونے والوں کو آباد کرنا حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ کے اخلاق حسنہ کے نمایاں پہلو تھے۔ بندہ جب بھی پریشانیوں سے گھبرا کر آپکی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کئی روز تک اپنے ہاں ٹھہراتے۔ ساتھ کھلاتے پلاتے، اپنی پیاری پیاری باتوں سے دل کو خوش کرتے، دعا کے ساتھ الوداع کہتے اور اکثر فرماتے ''لالہ! جوش میں باہوش رہنا چاہیے،،

ایک دفعہ حضرت باوا جی صاحب (حضرت میاں عبدالحمیدؒ) کی خدمت میں بیعت کیلئے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا ''آپ میرے بچے ہیں بچوں کی بیعت سیال شریف ہونی چاہیے۔ عزیز احمد صاحب برآمدے میں بیٹھے ہیں۔ انہیں میری طرف سے کہیں کہ وہ آپ کو سیال شریف بیعت کرائیں۔'' کچھ عرصہ بعد میں حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ کے ساتھ سیال شریف حضور شیخ الاسلام خواجہ قمرالدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

صاحبزادہ صاحب نے خواجہ صاحبؒ سے عرض کی۔ ''یہ میرے بھائی ہیں۔ باوا جی صاحب نے ان کی بیعت کیلئے درخواست کی ہے۔'' حضور شیخ الاسلامؒ نے بعد از ظہر بیعت سے نوازا۔

1977ء کے آخری مہینہ میں جوہر آباد میں ''شانِ رسالت،، کے موضوع پر حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کی تقریر تھی۔ رات گیارہ بجے جلسہ گاہ سے آپ میرے غریب خانہ سرفراز کالونی تشریف لائے۔ زیر تعمیر گھر کے دو کمرے مکمل ہو چکے تھے۔ تیسرے کی

چھت مالی کمزوری کی وجہ سے نامکمل تھی۔ آپؒ نے ایک اینٹ اٹھائی، نامکمل دیوار پر رکھی اور فرمایا ''اُسے کومکمل کر کے سیال شریف عرس پر حاضر ہونا۔'' دوسرے دن اللہ کے کرم سے اور صاحبزادہ صاحبؒ کی دعا سے رقم کا بندوبست ہو گیا۔ بندہ نے مکان مکمل کر کے سیال شریف حاضری دی۔

آپ کے خطوط بطور تبرک بندہ کے پاس محفوظ ہیں، جن میں آپ نے اکثر صبر و استقامت کی تلقین فرمائی ہے۔ بندہ جب کبھی مکان شریف پر کسی تقریب میں شامل نہ ہوسکتا تو آپؒ تحریراً اور زبانی ارشاد فرماتے۔ کہ ''عزیز صاحب! آپ ہمہ وقت میری یادوں اور دعاؤں میں رہتے ہیں۔''

آپ کے عہد سجادگی میں آستانہ عالیہ مکان شریف کی عمارت، روضہ شریف، مسجد اور دارالعلوم کی تعمیر، مخصوص خطبات جمعہ اور میلاد النبی ﷺ کی پاکیزہ محفلوں کا انعقاد ایسے کارہائے نمایاں ہیں جو رہتی دنیا تک یاد رہیں گے۔

مولانا غلام قمرالدّین
کراچی

میری دینی تعلیم کا آغاز 1958ء میں مکان شریف کفری سے ہوا۔ 1959ء کی بات ہے جب یہ ناچیز مع صاحبزادہ محمد مکرم الدّین معظمی، حصول تعلیم کے سلسلہ میں مکان شریف سے سانگلہ ہل حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم نماز فجر کے وقت جامعہ نقشبندیہ رضویہ کی مسجد میں پہنچے تو حضرت صاحبزادہ صاحبؒ درسِ قرآن دے رہے تھے۔ سامعین میں اہل علم و ذوق کثیر تعداد میں موجود تھے۔ اس روز آپ مذاہب باطلہ کا ایسا جامع رد فرمارہے تھے کہ سامعین عش عش کر اٹھتے تھے۔ درس کا یہ سلسلہ سانگلہ میں آپ کے قیام 1966ء تک جاری رہا۔

سانگلہ ہل میں چھ سال تک مجھے آپ کے تلمذ کا شرف حاصل رہا۔ آپ چھوٹے اسباق سے لیکر تمام بڑے اسباق پڑھاتے تھے۔ ایک قابل استاد کا کمال یہ ہے کہ وہ صرف اپنی لیاقت و ذہانت کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ بلکہ شاگرد کی ذہنی صلاحیت کو بھی مدنظر رکھتا ہے۔ حضرت صاحبزادہ صاحبؒ تدریس کے اس فن سے بخوبی آگاہ تھے۔ آپ اس ترکیب و ترتیب سے سبق پڑھاتے کہ طلبہ پوری طرح مستفیض ہوتے۔

طلباء اور اساتذہ کے ساتھ آپ کا تعلق بے تکلفانہ تھا۔ لیکن اس بے تکلفی میں وقار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا تھا۔ اپنے ساتھی اساتذہ کا احترام فرماتے تھے۔ نماز عصر کے بعد اساتذہ اور طلباء مل کر والی بال کھیلتے۔ ایک ٹیم کے سربراہ حضرت صاحبزادہ صاحبؒ اور دوسری کے جناب قاری فضل الرحمٰن صاحب ہوتے تھے۔ احترام کی حدود میں رہ کر خوب بے تکلفی ہوتی اور طلبہ کے اندر اساتذہ کے ساتھ کھیلنے اور گپ شپ کرنے سے اپنائیت کا احساس پیدا ہوتا۔

بندہ کو حضرت صاحبزادہ صاحبؒ سے تلمذ کے ساتھ ساتھ سانگلہ ہل میں آپ کی

ہمہ وقتی خدمت کا اعزاز بھی حاصل رہا ہے۔ بازار سے سودا سلف لانا، مطبخ اور مہمانداری کے تمام اخراجات کا حساب میرے پاس ہوتا۔ آپ بہت مہمان نواز تھے۔ مشاہرہ کا زیادہ حصہ مہمانوں پر صرف ہوتا اور جو کچھ بچ رہتا وہ دیگر اخراجات کیلئے ناکافی ہوتا۔ اس کے باوجود آپ کو کبھی پریشان نہیں دیکھا۔ ہمیشہ مطمئن رہتے اور اللہ پر کامل بھروسہ اور توکل رکھتے تھے۔ دوست احباب سے مروت واحسان سے پیش آتے اور دل کھول کر ان پر خرچ کرتے۔ شفقت ورافت کا پیکر تھے۔ کسی طالب علم یا خادم کی غلطی پر سرزنش بالکل نہیں فرماتے تھے، درگزر سے کام لیتے۔ ایک دن ایک معزز مہمان ملاقات کیلئے آئے۔ آپ نے مجھے چائے کا بندوبست کرنے کا حکم دیا اور ایک دوسرے طالب علم حافظ مقبول احمد کو کچھ روپے دیئے کہ وہ بازار سے بیکری اور مٹر (نمک پارے) لائے۔ حافظ صاحب کو گئے کافی وقت گزر گیا، اس دوران چائے دستر خوان پر لگا دی گئی۔ بیکری اور نمک پاروں کی انتظار تھی۔ حافظ صاحب واپس آئے تو ایک پلیٹ میں بسکٹ اور دوسری میں سبزی والے مٹر ڈال کر دستر خوان پر لا رکھے۔ نمکین مٹروں کی جگہ سبزی مٹر دیکھ کر حاضرین قہقہے لگا کر ہنسنے لگے۔ حافظ صاحب کو تب بھی سمجھ نہ آئی کہ انہوں نے کیا حماقت کی ہے؟ بعد میں صاحبزادہ صاحبؒ نے بس اتنا فرمایا کہ ''حافظ جی! کام کرتے وقت موقع محل دیکھ لینا چاہیے، کہاں چائے، بسکٹ اور کہاں سبزی والے مٹر۔''

افسوس! علم وروحانیت کی وہ روشن شمع آج ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے۔ لیکن اسکی ضوفشانیاں آج بھی اذہان کے تاریک گوشے منور کر رہی ہیں۔

اللہ کریم میرے استادِ مکرمؒ کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں آپ کے فیوض وبرکات سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

منظور احمد قمر
یونین بینک سرگودھا

مردانِ خدا خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نباشند

خدائے بزرگ و برتر کا صد شکر اور اس کے حضور بصد عجز و نیاز، نازاں ہوں اپنی قسمت پر کہ جس نے ہزاروں نعمتیں عطاء کیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپریل 1968ء کا وہ دن بڑا حسین تھا، جب مجھے دار العلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف میں نویں جماعت میں داخل کروانے کے لئے لایا گیا اور درس نظامی کے اسباق کے لئے اس عظیم ہستی کے تلمذ میں دیا گیا جن کی شخصیت، علم و فضل، اخلاق و کردار اور احسان و مروت ہر لحاظ سے لائقِ محبت و عقیدت تھی۔

صاف، سادہ اور باوقار لباس، خوبصورت خدوخال، ہونٹوں پر ہلکی سی بے نیازانہ مسکراہٹ، لب و لہجے میں انکساری، گفتگو میں شائستگی، تازگی اور تاثیر، چال میں بے پناہ خود اعتمادی، مردم شناسی اور مہمان نوازی میں اپنا جواب آپ تھے۔ نصیحت کرتے تو یوں جیسے کوئی طبیبِ حاذق سنجیدگی سے علاج تجویز کر رہا ہو، تسلی دیتے تو یوں، جیسے کسی نے روح کے تہ خانہ میں اتر کر سسکیوں اور آنسوؤں کا سر چشمہ بند کر دیا ہو۔

حضرت صاحبزادہ صاحبؒ حضور ﷺ کی ذات اقدس پر درود و سلام پڑھنے کی بہت تلقین فرماتے۔ ارشاد فرماتے حضور ﷺ کی غلامی کا طوق گلے میں ڈال لو اور ''الصلوٰۃ و السلام علیک یا رسول اللہ،، کا ورد حرزِ جان بنا لو کہ اسی میں دُنیوی اور اُخروی زندگی کی کامیابی ہے۔ اپنے شیخِ طریقت کی محبت اور مسلسل حاضری کی تلقین فرماتے۔ والدین کی فرمانبرداری خدمت اور ان کا ادب کرنے پر بہت زور دیتے۔ آپ اپنی ہر تقریر اور نجی گفتگو میں مذکورہ نصائح پر عمل کی بہت تاکید فرماتے تھے۔

آپ کشف میں بھی کمال درجہ رکھتے تھے، جب میری تعیناتی یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ خالق آباد ضلع خوشاب میں تھی، حاضری کے لئے مکان شریف پر جا رہا تھا۔ راستہ میں پہاڑی سفر کے دوران میں ایک خطرناک موڑ میں میری گاڑی سامنے سے آنے والی گاڑی سے ٹکرا گئی۔ میں گاڑی چلا رہا تھا۔ ظاہراً بچنے کی کوئی امید نہ تھی، مگر خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے ماسوائے گاڑی کے نقصان کے ہم سب محفوظ رہے۔ جب میں سبھرال موڑ پر پہنچا۔ (جہاں آپ حسب معمول سیر کے بعد آرام فرماتے تھے) تو مجھے دیکھتے ہی فرمایا ''منظور! میں آج بہت پریشان ہوا۔ مگر جب دیکھا کہ بفضل اللہ تم خیریت سے ہو تب چین آیا۔'' پھر فرمایا'' گاڑی احتیاط سے چلانی چاہیے۔'' یہ تو آپ کے کشف کی ایک چھوٹی سی مثال ہے۔ اس کے علاوہ بھی زندگی میں بہت سے ایسے مشکل مواقع آئے جہاں کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی لیکن آپ کے باطنی تصرف نے سب مشکلیں آسان بنا دیں۔

آپؒ نظم و نسق کا بہت خیال رکھتے تھے۔ کھیل کا میدان ہوتا (ابتدائی عمر میں آپ کو والی بال کھیلنے کا بہت شوق تھا) یا گھر کا ماحول مدرسہ میں طلباء کی کلاسز یا ان کا ہوسٹل ہوتا یا عرس کی تقاریب اور عید میلاد النبی ﷺ کا جلوس، آپ کی زیرنگرانی موقع کی مناسبت سے بہترین انتظام ہوتا۔ وادی سون میں میلاد النبی ﷺ کا بہت بڑا جلوس ہوتا۔ جس میں بسوں، ٹرکوں، کاروں، موٹر سائیکلوں اور پیدل چلنے والوں کا ہجوم موضع اچھالی سے نوشہرہ تک کا سفر آپ کی ہدایات کے مطابق طے کرتا۔ کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ آپ جابجا گاڑی سے اتر کر سیکیورٹی والوں کو نظم و نسق بحال رکھنے اور ترتیب درست کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔

آپ کی قیام گاہ دیکھیں ہر چیز کتنے سلیقہ سے رکھی ہوتی تھی، کیا مجال چیزیں بکھری ہوئی نظر آئیں۔ نائب شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد حمید الدین سیالوی مدظلہم کے صدارت 1988ء میں ہونے والی اتحاد اہلسنت کانفرنس میں شرکت کیلئے آپ وادی سون سے تقریباً دو ہزار نفوس کا قافلہ لے کر چلے۔ نوشہرہ سے لاہور تک کا سفر قافلہ والوں نے جس حسنِ ترتیب اور نظم وضبط سے طے کیا وہ آپ کی انتظامی صلاحیتوں کا واضح ثبوت تھا۔

آپ کے ساتھ کئی مرتبہ سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ چھوٹے بچوں کے ساتھ نہایت شفقت اور پیار سے پیش آتے۔ جب آپ پیدل سیر کے لئے مکان شریف سے روانہ ہوتے تو آپ کا خادم کچھ ٹافیاں ساتھ رکھتا جنہیں آپ راستہ میں ملنے والے بچوں میں تقسیم کردیتے۔ جب سیر کے لئے جانے کا وقت ہوتا تو بچے بھی دوڑ کر ٹافیاں لینے راستے میں آجاتے۔ فرماتے تھے ''بچوں کے ساتھ نرمی اور شفقت سے پیش آنا ہمارے آقائے کریم ﷺ کو بہت مرغوب تھا۔''

غلطی کرنے پر تنبیہ کرنے کا انداز اتنا پیارا ہوتا کہ غلطی کرنے والا متنبہ بھی ہو جاتا اور اس کی دل آزادی بھی نہ ہوتی۔ ایک مرتبہ دورانِ سفر سڑک پر ایک کار رکی ہوئی تھی جس میں خواتین بیٹھی تھیں۔ ڈرائیور کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی۔ آپ نے استفسار کیا۔ ''کار میں کون لوگ تھے،، اندازِ سوال سے ڈرائیور کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور وہ شرمندہ ہوا۔ اس طرح تانک جھانک کو سخت ناپسند کرتے تھے۔

آپ اپنے مریدوں اور مکان شریف سے وابستہ ہر شخص پر بہت شفقت فرماتے کہ شاید والدین بھی اپنے بچوں کا اتنا خیال نہ رکھتے ہوں۔ جب ہم مکان شریف پر حاضر ہوتے تو فوراً پوچھتے سرگودھا سے کب روانہ ہوئے؟ اس وقت کیا ٹائم ہے؟ مقصد تیز رفتاری سے اجتناب کی تلقین ہوتا۔ مکان شریف سے واپسی ہوتی تو اکثر ارشاد فرماتے۔ گاڑی آہستہ چلایا کریں خاص طور پر پہاڑی راستے میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ گھر پہنچ کر اپنی خیریت سے مطلع کرنا۔

اللہ تعالیٰ آپ کے آستان کو ہمیشہ آباد رکھے۔ اور آپ کی باطنی توجہ حسبِ سابق اسی طرح ہمارے نصیب میں رہے۔ آمین

ماسٹر محمد گلزار عزیزی
نوشہرہ (خوشاب)

راقم الحروف کو بحمداللہ پندرہ سال تک حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ کی ہمہ وقتی خدمت کا موقع میسر رہا۔ ملازمت پیشہ ہونے کی وجہ سے دن کا پہلا پہر تدریسی امور میں صرف ہوتا اور سہ پہر کو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ میری مثال اس پرندے کی تھی جو دن کو تو حصول رزق کے لئے دور تک اڑتا چلا جاتا ہے، لیکن شام کو ہر صورت اپنے آشیاں کو ہی لوٹ آتا ہے کیونکہ راحت وسکون وہیں ملتا ہے۔

میں مزاجاً پیر پسند نہیں تھا، لا اُبالی اور آزاد مزاج رکھتا تھا۔ اکثر دوستوں نے مکان شریف حاضری کی ترغیب دی لیکن طبیعت آمادہ نہ ہوئی۔ آخر والدہ ماجدہ کے حکم کی تعمیل میں مجبوراً حاضری کا ارادہ کرلیا۔ میں جب مکان شریف پہنچا تو آپؒ دھوپ میں چارپائی پر بیٹھے کتاب کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ میں قریب پہنچا تو متوجہ ہوئے، پاس بٹھایا، خیریت دریافت کی اور خانقاہی ماحول کے اثرات پر گفتگو فرمانے لگے۔ میں جو آداب و رسومِ تصوف سے گریز پا تھا، آپ کی گفتگو کے ہر لفظ اور کلمے سے مسحور ہونے لگا۔ میرے دل کی کیفیت یکسر بدلنے لگی۔ میں سوچنے لگا کہ میرے باطن کی کمزوری سے آگاہی آپ کے صاحب بصیرت ہونے کا ثبوت ہے۔ میں نے اٹھ کر قدم لئے اور بیعت کی درخواست کردی۔ پھر مکان شریف کا ہی ہو کر رہ گیا۔

آستانہ عالیہ مکان شریف کا شہرہ اور فیضان تو پہلے بھی کم نہیں تھا، لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ حضرت صاحبزادہ صاحبؒ نے خانقاہِ مکان شریف کے روحانی وعلمی اثرات میں گرانقدر اضافہ کیا۔ قدرت نے آپ کو علم وعمل اور اخلاقِ حسنہ فراوانی سے عطاء کئے تھے۔ آپ نے وادیِ سُون میں میلاد النبی ﷺ کے موقع پر جلسہ وجلوس کا آغاز کیا۔ مسلکِ اہل سنت سے لوگوں کو متعارف کرایا۔ وادی کے مختلف دیہات میں تبلیغی دورے رکھے۔ آپ

کی ان مساعی جمیلہ سے وادی کے لوگوں میں مذہبی و مسلکی شعور بیدار ہوا۔

رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس سے آپ کو بے پناہ محبت تھی۔ آپ ہر مرید کو بیعت کرتے وقت شریعت مصطفوی کی متابعت اور خاص طور پر اذان کا کلمہ اشھد ان محمد رسول اللہ سننے پر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانے اور الصلوٰۃ و السلام علیک یارسول اللہ پڑھنے کی تلقین فرماتے تھے۔

آستان شریف پر آنے والے ہر زائر کی حاجت براری کے لئے پوری کوشش کرتے۔ کوئی غمزدہ آتا تو محبت و مروت کی مٹھاس سے اس کا غم ہلکا کر دیتے۔ کوئی بیمار تعویذ کے لئے درخواست کرتا تو اپنے پاس سے اسے دوا بھی عنایت فرماتے۔ عشاء کی نماز کے بعد مہمانوں کو اپنے پاس بلاتے اور بزرگان دین کے ملفوظات بڑے ذوق اور رقت سے ارشاد فرماتے۔

صفائی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ آستان شریف کے تمام کمروں اور صحن کی صفائی روزانہ کرواتے۔ کسی کی دعوت کو کبھی رد نہ کرتے۔ لیکن کسی کے ہاں رات نہیں ٹھہرتے تھے۔ مکان شریف پر واپس آ جاتے، اس لئے کہ کوئی مہمان آئے اور آپ کی عدم موجودگی میں پریشان نہ ہو۔ آپ کی کرامت تھی کہ جس کام کا ارادہ کر لیتے، اللہ کے فضل و کرم سے وہ کام ضرور ہوتا۔ اللہ کریم آپ کے فیوض و برکات کو ابدالآباد تک جاری رکھے اور دکھیاروں اور غمزدہ لوگوں کا مداوا، آپ کا مکان شریف، ہمیشہ آباد رہے۔ آمین

مولانا محمد دین سبھرالوی

لاہور

مرگِ مومن چیست ہجرت سوئے دوست

ترکِ عالم اختیارِ کوئے دوست

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ کی ذات والا صفات محتاج تعارف نہیں۔ آپ علم و فضل، اخلاق و کردار اور ایسی ہی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے ایک عظیم شخصیت کے حامل تھے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو صداقت، جراُتِ بے باکانہ، حق گوئی و بے باکی جیسی بہترین صفات سے نوازا تھا۔ آپؒ ایک جیّد عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک زیرک مدرس اور صاحبِ بصیرت خطیب بھی تھے۔

اچھے اخلاق کے پیکر تھے۔ لوگوں کے ساتھ آپؒ کا برتاؤ ہمدردانہ اور مبنی بر خلوص ہوتا تھا۔ آپؒ کی خدمت میں حاضر ہونے والا ہر شخص یہی سمجھتا کہ آپ سب سے زیادہ اس پر مہربان ہیں۔ اچھے اخلاق کا ایک پہلو، جو اس حدیث رسول ﷺ سے اجاگر ہوتا ہے، "اِنَّ اَولَیَ النَّاسِ بِاللّٰہِ مَن بدأ السّلامَ" لوگوں میں سے وہ اللہ کے زیادہ قریب ہے جو سلام میں پہل کرتا ہے، حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کی ذات میں موجود تھا۔ لوگ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو سلام میں آپ ہی پہل فرماتے۔ دکھوں اور غموں کے مارے ہوئے انسان آتے اور ہنستے مسکراتے، ہلکے دل لے کر رخصت ہوتے۔ دلوں کو راحت پہنچانا آپ کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

راحت بدل رساں کہ ہمیں مشرب است و بس

آپ نے اپنی زندگی بڑی سادہ اور پروقار انداز میں گزاری۔ لباس، خوراک، گفتگو، وضع قطع اور برتاؤ، غرض زندگی کا ہر پہلو تکلف اور تصنع سے یکسر پاک تھا۔ گفتگو بڑے دلنشین انداز میں کرتے۔ آپ کی باتیں دل میں اترتی محسوس ہوتی تھیں۔ اندازِ گفتگو میں

تُرشی یا تلخی بالکل نہیں تھی۔ سخت غصے کی حالت میں بھی، جو صرف طلباء کی عبارت تیار نہ ہونے پر ہوتا تھا، زبان سے کوئی ایسا جملہ نہیں نکلتا تھا جس سے دل آزادی ہو یا اخلاق سے گرا ہوا ہو۔ اللہ رب العزت کے حکم وقُولُوا لِلنَّاسِ حُسناً (لوگوں سے اچھے طریقے سے بات کرو) کے عامل تھے۔ علماء کی مجلس ہوتی تو عالمانہ انداز سے بات کرتے اور مختلف مسائل کے دقیق نکات زیر بحث لاتے۔ کوئی متصوف یا صاحب ذوق مخاطب ہوتا تو عشق و معرفت کے پُر پیچ رموز و دقائق بڑے سہل اور دلنشیں انداز میں بیان کرتے۔ اور عام آدمی سے اس کے علم و آگہی کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔

آپ کی ذات میں غرور و تکبر یا بڑائی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ چھوٹے بڑے سب کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آتے۔ خانقاہ میں زندگی کے ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا آنا جانا تھا، آپ ہر شخص کے جذبات و احساسات کا خیال رکھتے۔ ملاقات میں انکساری اور عاجزی کا عنصر غالب رہتا۔ حفظِ مراتب کا لحاظ رکھتے تھے۔ دوسروں کو اپنے اوپر فوقیت دیتے اور اس احترام کا عملی مظاہرہ بڑی فراخدلی سے کرتے تھے۔

حضرت صاحبزادہ صاحبؒ بہت مہمان نواز تھے۔ چشتی بزرگوں کے دستر خوان بڑے فراخ رہے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کے حکم ''کھانا عام کھلاؤ'' کی تعمیل ان بزرگوں نے خوب کی۔ صاحبزادہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''عبادت و ریاضت میں بھی بڑا لطف ہے، لیکن مخلوقِ خدا کو کھانا کھلانے سے روح کو بڑی تسکین حاصل ہوتی ہے۔'' آپ کی خانقاہ کے دروازے ہمہ وقت کھلے رہتے، جو جب آتا، دوپہر یا نصف شب، اُسے حسبِ منشا کھانا ملتا اور آرام و سکون کے تمام اسباب میسر ہوتے۔ صاحبزادہ صاحبؒ بے تکلف مہمانوں کو اکثر اپنے پاس ٹھہرا لیتے۔ وہ ایک آدھ دن کے لئے گھر سے آتے، لیکن دس دس روز تک واپسی کی اجازت نہ ملتی تھی۔ صاحبزادہ صاحبؒ فرماتے کہ ''مہمانوں کی موجودگی باعثِ رحمت ہوتی ہے۔ وہ اپنا رزق ساتھ لے کر آتے ہیں۔''

صبر و تحمل اور حلم و بردباری ایسے اوصاف حمیدہ سے آپ کی ذات بدرجہ اتم متصف تھی۔ اپنے والدِ گرامیؒ کی طرح مصائب و آلام کو منجانب اللہ جان کر برضا و رغبت قبول کرنا

آپ کی فطرتِ ثانیہ تھی۔ حاسد مزاج لوگ کسی کی باعزت و باوقار زندگی کو دیکھ کر جلتے ہیں اور ممکن حد تک اُسے رسوا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک روا رکھا جاتا رہا۔ اڑوس پڑوس، شہر اور علاقہ کے بعض بد باطن آپ کے مرتبہ و مقام اور قدر و منزلت سے ہمیشہ خائف رہے۔ کوئی ایسا موقع جب آپ کی شخصیت پر کیچڑ اچھالا جا سکتا ہو، انہوں نے ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ مزروعہ زمین، واٹر سپلائی یا کسی مذہبی مسئلہ کو آڑ بنا کر عدالت میں کیس دائر کر دیا گیا۔ مذہبی مسئلہ پر تو مخالف عقیدہ کے علماء لاؤڈ سپیکر پر آپ کا نام لے کر اخلاق سے گری ہوئی گفتگو کرتے رہے، لیکن آپ نے کبھی کسی کی ایسی بات کا جواب دینا پسند نہیں کیا، جس میں آپ کی توہین مقصود ہوتی۔ ایک مرتبہ کسی نے عرض کیا کہ فلاں شخص آپ کے بارے میں ایسی ایسی باتیں کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا ''میرے متعلق جو شخص، جو کچھ کہنا چاہتا ہے، کہے، کسی کے کچھ کہنے سے کیا فرق پڑے گا۔''

پھر بندے کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ عربی کا مقولہ ہے ''تُعرفُ الاشیاءُ بِاَضدَادِھَا'' (چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں) ہماری عزت بُرا کہنے والوں کے بُرا نہ کہنے میں نہیں، سرکارِ دو عالم ﷺ کے نام سے وابستگی میں ہے۔ پھر اقبال کا یہ شعر پڑھا

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است
آبروئے ما زنامِ مصطفیٰؐ است

حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کا اندازِ تدریس نہایت عمدہ تھا۔ آپ بہترین استاد اور معلّم تھے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ طلبا کی اخلاقی تربیت کا بہت خیال رہتا تھا۔ اکثر فرماتے کہ علم، عمل کے بغیر بے نور چراغ ہے۔ دورانِ تدریس طلبا کو نفسِ کتاب سمجھانے کے بعد مزید فوائد اور مسائل کی تشریح فرماتے تھے۔ خود بھی درسی کتابوں سے لے کر کتب احادیث تک روزانہ پڑھائے جانے والے اسباق کا اچھی طرح مطالعہ کرتے اور طلبا کو بھی مطالعہ کی ترغیب دیتے تھے۔ ایک روز ''کریما سعدی،، کا مطالعہ فرما رہے تھے۔

جو درس نظامی میں فارسی نصاب کی ابتدائی کتاب ہے۔ میں نے تعجب سے سوال کیا کہ ''آپ کریما کا مطالعہ فرما رہے ہیں؟'' فرمانے لگے ''برسوں سے کریما وغیرہ پڑھا رہا ہوں مطالعہ نہ بھی کروں تو کوئی مسئلہ نہیں لیکن ایک دیانت دار استاد کا فرض ہے کہ سبق پڑھانے سے پہلے اُسے اچھی طرح دیکھ لے تاکہ طلباء کو مطمئن کر سکے''۔ پھر فرمایا ''طلبا تین قسم کے ہوتے ہیں۔غبی، متوسط اور ذکی، دوران تدریس طلباء کی ذہنی استعداد کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اگر ان کی تشفی نہ ہو تو یہ استاد کی خیانت ہوگی۔

عام طور پر ایک ذہین مدرس اچھا مقرر نہیں ہوتا۔ وہ یا تو ایک اچھا استاد ہوتا ہے یا اچھا مقرر۔ لیکن حضرت صاحبزادہ صاحبؒ میں یہ دونوں وصف بیک وقت موجود تھے۔ وہ جہاں ایک لائق مدرس تھے، وہاں ایک شعلہ بیان خطیب بھی تھے۔ آپ کی تقریر نہایت پر مغز، مؤثر اور سحر انگیز ہوتی تھی۔ اہم بات یہ تھی کہ تقریر میں ربط ہوتا، کڑی سے کڑی ملتی جاتی اور موضوع کی تائید میں آیات، احادیث، اقوال اور واقعات بڑے تسلسل اور روانی کے ساتھ حافظے کے کمپیوٹر سے نکل کر زبان پر آتے اور سامعین کو مسحور کر دیتے تھے۔

برمحل اشعار و امثال کا استعمال گفتگو کی تاثیر کو دوبالا کر دیتا۔ جذباتی اندازِ بیان میں محققانہ گفتگو عجب رنگ پیدا کر دیتی تھی۔ مذاہب باطلہ کا رد بڑی تحقیق سے بے باکانہ انداز میں فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ گفری کی شہر والی جامع مسجد میں ایک مولوی صاحب نے دورانِ تقریر کہا کہ جس رسول کی شفاعت کے تم قیامت کے دن امیدوار ہو، گھبراہٹ کے عالم میں اسے تو خود پسینہ آیا ہوگا وہ بھلا تمہاری کیا شفاعت کرے گا؟ حضرت صاحبزادہ صاحبؒ نے یہ سنا تو خون کھول اٹھا۔ خطبۂ جمعہ میں شفاعت کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی۔ جرأت رندانہ سے اس مولوی کو للکارتے ہوئے فرمایا کہ ''اے گستاخ رسول! تم نے کہا، کہ قیامت کے دن حضور شفیع المذنبین ﷺ کو گھبراہٹ اور بے چینی کی وجہ سے پسینہ آیا ہوگا، ہاں حضور کو پسینہ آیا ہوگا، لیکن گھبراہٹ اور بزدلی کی وجہ سے نہیں، بہادری اور شجاعت کی وجہ سے۔ میدانِ حشر میں حضور ﷺ پر صرف اپنی امت کا ہی نہیں تمام امتوں کی شفاعت کا بوجھ ہوگا اور اتنی بھاری ذمہ داری کو نباہتے ہوئے اگر پسینہ آ بھی جائے تو یہ کمزوری کی دلیل کیسے بن جائے گا!

حافظ محمد رفیق عزیزی
جھنگ

میرے استادِ مکرّم حضرت صاجزادہ عزیز احمدؒ، دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف میں تقریباً دس سال صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز رہے۔ حضرت احمد شاہؒ فتح جنگی فرماتے تھے کہ پُل صراط سے گزرنا اتنا مشکل نہیں جتنا پیر کے آستان پر رہنا مشکل ہے۔ یہ صاجزادہ صاحبؒ کا ہی خاصہ تھا کہ اتنا طویل عرصہ پیر کے آستان پر ایک انتظامی عہدے پر کامیابی کے ساتھ متمکن رہے اور حضرت پیر سیال کے خانوادہ کا ہر فرد آپ سے خوش اور مطمئن رہا۔ خصوصاً حضور شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدینؒ آپ کی انتظامی و تدریسی صلاحیتوں سے بہت مطمئن تھے۔ صاجزادہ صاحبؒ اپنے والدِ محترم کے انتقال کے بعد جب دارالعلوم سے فارغ ہو کر مکان شریف پر قیام پذیر ہوئے تو ایک موقع پر حضرت شیخ الاسلامؒ نے آپ کی حسنِ کارکردگی کو ان الفاظ میں سراہا تھا کہ ''مولانا عزیز احمد صاحبؒ کے جانے کے بعد میرا مدرسہ یتیم ہو گیا ہے۔''

میں **1975**ء سے **1982**ء تک تحصیلِ علم کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر رہا۔ آپ کے مطالعہ کی وسعت اور تدریسی مہارت کا نتیجہ تھا کہ کسی بھی فن کی کتاب جو دیگر اساتذہ پڑھانے سے گھبراتے تھے، آپ اسے پڑھانے میں ذرا بھر دقت محسوس نہیں کرتے تھے۔ حلیم الطبع تھے۔ طلبا کی کوتاہیاں اور کمزوریاں نظر انداز فرما دیتے تھے، نوٹس نہیں لیتے تھے۔

مجاہدہ و ریاضت کی کثرت سے تزکیہ نفس کی نعمتِ باطن عطاء ہوتی ہے اور تزکیہ نفس سے نورِ فراست پیدا ہوتا ہے۔ حضرت صاجزادہ صاحبؒ کو قدرت نے مومنانہ فراست سے نوازا تھا۔ جونہی کوئی خیال نہاں خانۂ دل میں گزرتا، آپ اس سے مطلع ہو جاتے۔ کبھی نظر انداز فرما دیتے اور کبھی گرفت ہو جاتی۔ میں کئی مرتبہ مسائل کا انبار لے کر

آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ ابھی باتیں دل میں ہوتیں کہ آپ ان کا حل بیان فرما دیتے ۔ اولیاء اللہ جاسوس القلوب ہوتے ہیں ۔ دلوں کے بھید اُن پر عیاں ہو جاتے ہیں ۔ صاحبزادہ صاحبؒ بھی نورِ فراست سے لوگوں کے باطنی احوال سے مطلع ہو جاتے تھے ۔

ایک دفعہ سیال شریف سے جھنگ جاتے ہوئے گاڑی میں آپ کے ساتھ شیخ الحدیث مولانا محمد اشرف سیالوی صاحب بھی ہمسفر تھے ۔ شیخ الحدیث صاحب ان دنوں جھنگ کی ایک جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیتے تھے ۔ دونوں حضرات مسجد سے ملحقہ ایک مکان پر کچھ دیر آرام کے لئے ٹھہرے تو بہت سے لوگ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے ، ان میں ایک صاحب اس مسجد کی انتظامیہ کے سیکرٹری بھی تھے ۔ ملاقات کے بعد جب وہ رخصت ہوئے تو آپ نے شیخ الحدیث صاحب سے فرمایا کہ ''اس شخص سے بچنا ، بد باطن لگتا ہے ۔'' شیخ الحدیث صاحب نے کہا کہ ''یہ تو بہت اچھا آدمی ہے ۔ خصوصاً میرے ساتھ بہت تعاون کرتا ہے ۔'' آپ نے مسکرا کر فرمایا ! ''اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ اس سے بچنا ۔'' خیر بات آئی گئی ہوگئی ۔ پانچ ، چھ ماہ بعد اسی شخص کے ایما پر شیخ الحدیث صاحبؒ کو اس مسجد سے فارغ کر دیا گیا ۔

مولانا محمد شرف الدّین
سرہال (خوشاب)

میرے استاذی المکرّم حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ علم دین کے دلدادہ تھے، اور اس کی رغبت آپ کو ورثے میں ملی تھی۔ 1966ء میں والد صاحب کے حکم پر میں حکمت سیکھنے رزاقیہ دواخانہ فیصل آباد ایک حکیم صاحب کے پاس مقیم تھا۔ آپ اُن دنوں جامع مسجد لوکوشیڈ میں خطبہ جمعہ کے لئے تشریف لاتے تھے۔ میں وہاں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا کہ یہاں کیا کام کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ایک دواخانہ میں کام کرتا ہوں۔ فرمانے لگے کہ کتنی تنخواہ لیتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ تنخواہ وغیرہ تو نہیں لیتا۔ فرمایا! ''یہ کام چھوڑ دو اور علمِ دین حاصل کرو اس میں بڑی برکت ہے۔'' چنانچہ میں فوراً مکان شریف حاضر ہوا اور حضرت باواجی صاحبؒ کے تلمذ کا شرف حاصل کیا۔

صاحبزادہ صاحبؒ علم دین، دنیاداری کے لئے نہیں محض دین داری کے لئے حاصل کرنے پر زور دیتے تھے۔ میں نے ایک مرتبہ فاضل عربی کا کورس کر کے سکول میں ٹیچر بننے کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے میری اس خواہش کو ناپسند کیا اور فرمایا کہ ''علم تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حاصل کرنا چاہیے، کسی دنیادی غرض کے حصول کے لئے نہیں۔''

میرے استادِ مکرمؒ بے مثل مدرس تھے۔ آپ کا ماہرانہ اندازِ تدریس آپ کے ساتھ ہی رخصت ہوگیا۔ آپ دورانِ سبق تین دفعہ تقریر فرمایا کرتے تھے۔ پہلی تقریر میں صرفی نحوی تعلیل ہوتی۔ دوسری تقریر بڑی وضاحت وفصاحت سے ہوتی، جس میں حاشیہ اور بین السطور عبارات کا ایسا بیان ہوتا کہ سبق حل ہو جاتا اور نفسِ کتاب سمجھنے میں آسانی ہو جاتی۔ تیسری تقریر بہت مختصر یعنی سبق کا لبِ لباب سمیٹ کر طالبعلم کے ذہن میں ڈال دیتے۔ غبی سے غبی طالبعلم بھی آسانی سے سبق سمجھ لیتا۔ آپ صرف کتاب نہیں پڑھاتے

تھے بلکہ تدریس کے گُر بھی سکھا دیتے تھے۔

آپ اپنے ہمعصر علماء میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ آپ کے طریقہ تدریس پر ناز فرماتے تھے۔ باوجود علمی تفوق کے آپ میں حد درجہ انکساری تھی۔ خصوصاً اپنے مرشدِ کریم حضور شیخ الاسلامؒ کی مجلس میں کبھی علمی صلاحیت کا اظہار نہ فرماتے۔ یہ بات ان کی طبعی ذکاوت کی آئینہ دار ہے۔ جبکہ ان سے کم درجہ علماء ایسے مواقع پر بحث میں پڑ جاتے تھے۔

معاملہ فہمی اور سخن سنجی میں اپنی مثال آپ تھے۔ دارالعلوم سیال شریف میں قیام کے دوران میں کئی معاملات، حضور شیخ الاسلامؒ تک پہنچنے سے پہلے ہی نمٹا لیا کرتے تھے۔ حضورؒ کو آپ کی یہ بات بہت پسند تھی۔

غریب پروری آپ کا شیوہ تھا۔ سیال شریف اور مکان شریف کے دورانِ قیام میں ایسی کئی مثالیں دیکھنے میں آئیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ غریب نوازی گویا آپ کی فطرتِ ثانیہ تھی۔ دکھی دلوں کو سکھ پہنچا کر بہت مسرور ہوتے تھے۔ اپنے خطبات میں اکثر اس موضوع پر بات کرتے اور اس شعر سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتے۔

جملہ فنونِ شیخ نہ یرزد بہ نیم خس
راحت بدل رساں کہ ہمیں مشرب است وبس

خود بھی اس نظریہ پر عامل تھے۔ سیال شریف میں حصولِ علم کے دوران میرے والدِ محترم کا اچانک انتقال ہوگیا۔ یہ حادثہ میرے لئے قیامت سے کم نہیں تھا۔ میرے اوسان خطا ہو گئے اور مزید تعلیم جاری رکھنا میرے لئے مشکل ہوگیا۔ آپؒ نے مجھے بلا کر دِلاسہ دیا اور فرمایا کہ ''تم تعلیم جاری رکھو، مستقبل کے تمام اخراجات کا میں ضامن ہوں۔ میری حیات اور ممکن ہوا تو پسِ ممات بھی خلوص و وفا کو اپنے ساتھ پاؤ گے۔'' واقعی آپ نے تادمِ آخر اپنی بات کو نباہا۔

بندہ نے خلوت و جلوت میں مشاہدہ کیا کہ آپ سچے اور سُچے عالم اور ولیِ کامل تھے۔ میں تقریباً دس سال سفر و حضر میں آپ کی خدمت میں حاضر رہا۔ آپ نے کبھی ادائے

فرض میں کوتاہی نہیں کی، بلکہ سُنن ونوافل کا بھی مکمل اہتمام فرماتے۔ آپ نہایت بااخلاق اوراعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ مجھے یہ بات فخر سے کہتے ہوئے قطعاً کوئی باک نہیں کہ آستانہ عالیہ مکان شریف کے جملہ سجادہ نشین حضرات کردار کی پستی سے کوسوں دور رہے۔ جبکہ بڑے بڑے صاحبِ سجادہ اخلاقی گراوٹوں میں ملوث ہیں، اِلّا ماشاءاللہ۔

حضرت صاحبزادہ صاحبؒ بڑے خوددار تھے اور دنیا و مالِ دنیا سے بے رغبتی رکھتے تھے۔ میری شادی کے موقع پر ملتان کے ایک چک میں جمعہ کا خطبہ دیا۔ دوسرے واعظین کی طرح لوگوں نے دورانِ تقریر آپ کے لئے بھی چندہ اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ آپ نے اس حرکت پر ان کی سخت سرزنش کی اور فرمایا کہ ''مجھے پیر سیال نے اتنا دے رکھا ہے کہ میں تمہارا چک خرید سکتا ہوں۔'' وہاں کے لوگ آپ کی خودداری اور کردار کی عظمت سے بہت متاثر ہوئے۔

قاری محمد امین سیالوی
نوشہرہ (خوشاب)

بندہ ناچیز کو یہ سعادت حاصل رہی کہ سیّدی وسندی حضرت صاجزادہ عزیز احمدؒ کی حیاتِ ظاہری میں آخری ستائیس سال ہمہ وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہا۔ شب و روز آپ کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ آپ میرے استادِ محترم بھی تھے۔ میں نے تقریباً بارہ سال کا عرصہ آپ کے تلمذ میں گزارا۔ اُستاد، باپ، بیٹا، پڑوسی، مرید، پیر، مبلّغ اور انسان، تمام حیثیتوں سے آپ کی زندگی کا مطالعہ ومشاہدہ کیا تو آپ کو ہر حوالے سے قابلِ رشک وقابلِ تقلید پایا۔

بحیثیت معلم اور مبلغ دین آپ کی خدمات قابل صد ستائش ہیں۔ سانگلہ ہل، سیال شریف اور مکان شریف پر آپ لگ بھگ چالیس سال تدریس کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ علومِ اسلامیہ کے تمام فنون پر آپ کو کامل دسترس حاصل تھی۔ ایک اچھے استاد کا معیار صرف یہ نہیں ہے کہ اُسے کیا کچھ آتا ہے، بلکہ اس کی کامیابی و کامرانی اس بات میں ہے کہ وہ طلباء کو کیا کچھ ذہن نشین کرا سکتا ہے۔ لیاقت و قابلیت صرف اپنی ذات میں ہی محدود رہ جائے تو وہ ادھوری ہے۔ طلباء نے استاد سے جو کچھ سیکھ لیا، وہی اس کی علمیت ولیاقت کا اظہار اور فیضان ہے۔ صاجزادہ صاحبؒ کا تدریسی انداز اس قدر موثر تھا کہ جو کچھ آپ کی زبان سے نکلتا طلبہ کے ذہن نشین ہو جاتا۔ اب بھی جب کبھی میرے ہم درس مجھ سے ملتے ہیں تو انہیں آپ کے پڑھائے ہوئے اسباق کے کئی اَدق مقامات، اسی طرح ازبر ہیں، جس طرح وہ آپ سے سبق پڑھتے ہوئے انہیں یاد کر لیتے تھے۔ آپ کے پسندیدہ مضامین منطق، فلسفہ اور علم حدیث تھے۔ حضور شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ نے ایک موقع پر آپ کو ''منطق کا بادشاہ'' فرمایا تھا۔

وادی سُون کے قریہ قریہ، گاؤں گاؤں درود وسلام کی گونج، حضرت صاجزادہ

صاحبؒ کی تبلیغی کاوشوں کی کامرانی وکامیابی کا بیّن ثبوت ہے۔آپ نے مسلکِ اہل سنت کی ترویج مدلّل انداز میں کی اور عقائدِ دیوبند کا بھرپور ردفرمایا۔آپ کے اکثر خطبات کا موضوع یہی مسلکی تنازعات ہوتے۔آپ اکابر دیوبند کی کتابوں سے دلائل دے کر ان کے نظریات کا ردفرماتے تھے۔

حضرت صاحبزادہ صاحبؒ ولیٔ کامل تھے۔باخدا انسان کی کرامت، شریعت مصطفوی پر استقامت کے ساتھ عمل پیرا ہونا ہے۔جس انسان نے اپنے نفس کے خلاف جہاد کر کے اللہ رب العزت کی رضا وخوشنودی حاصل کر لی، وہ ولایت ومحبوبیت کے بلند منصب پر فائز ہوا۔حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کی زندگی عشق واتباعِ رسول کا عنوان تھی۔محبت رسول ﷺ آپ کا نصب العین تھی۔اپنے خطبات کے اختتام پر اکثر یہ شعر پڑھتے تھے۔

میں سو جاؤں یا مصطفیٰ کہتے کہتے
کھلے آنکھ صلِ علیٰ کہتے کہتے

ویسے تو آپ کے باطنی کمالات تک میری رسائی کبھی نہیں ہوسکی، نہ ان کا ادراک کرسکا، البتہ کبھی کبھار آپ سے ایسے خرقِ عادت امور وقوع پذیر ہوجاتے جن سے آپ کی روحانی عظمتوں کی طرف اشارے ملتے تھے۔

ایک دفعہ میں جامعہ قمر الاسلام کے لئے قربانی کے چمڑے اکٹھے کرنے کھوڑہ گیا تو حاجی عالم شیر صاحب نے مجھے ایک شخص حاکم خان قوم جھنڈال کے بارے میں ایک واقعہ سنایا، جو ابھی جامعہ کے لئے چمڑا دے کر گیا تھا۔ایک مرتبہ حاکم خان کا اونٹ بیمار ہوگیا اور اُسے ایسا مہلک پھوڑا نکل آیا کہ جس کے بعد ہلاکت یقینی ہوجاتی ہے۔اس نے کافی عرصہ علاج معالجہ کرایا مگر فائدہ نہ ہوا۔کسی شخص کی ہدایت پر اسی اونٹ پر لکڑیاں لاد کر وہ مکان شریف پہنچا۔اس کا ارادہ تھا کہ لکڑیاں دربار پر نذر کرے گا اور صاحبزادہ صاحبؒ سے اونٹ کی بیماری کا کہہ کر دم وغیرہ بھی کروائے گا۔اس نے آپ کی خدمت میں اونٹ کی بیماری کا ذکر کیا اور مایوسی کے اظہار کے ساتھ دعا وتعویذ کی درخواست کی۔

صاحبزادہ صاحبؒ اس کی بات سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ اول وآخر درود پاک

کے ساتھ تین مرتبہ بسم اللہ الرحمان الرحیم پڑھ کر اسے دم کر دیں، انشاء اللہ شفا ہوگی۔ آپ کی بات سن کر حاکم خان حیران ہوا اور عرض کی کہ آپ میرے ساتھ مذاق کر رہے ہیں، میں تو بہت دور سے بڑی امیدیں لے کر آیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ پریشان کیوں ہوتے ہو، جیسا میں کہہ رہا ہوں ویسا کرو اور آئندہ کے لئے تمہیں اس کا اذن بھی ہے کہ کسی انسان یا حیوان کو پھوڑا نکلے تو اُسے بسم اللہ پڑھ کر دم کر دینا۔ چنانچہ حاکم خان نے خود ہی اپنے اونٹ کو دم کیا اور اجازت لے کر رخصت ہوگیا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ گھر پہنچنے تک اونٹ کا پھوڑا اس طرح ٹھیک ہوگیا، جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔

مزے کی بات یہ ہے کہ اس کے بعد حاکم خان تو اچھا خاصا پیر بن بیٹھا۔ اس کے دم کردہ تیل سے پھوڑے بالکل ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ دور دراز سے لوگ اس کے پاس آ کر شفایاب ہوتے ہیں۔

جناب سیّد محمد سرور شاہ
فیصل آباد

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ علم و عمل میں بے مثال تھے۔ میںؒ جب جامع مسجد مدنی میں امامت کے فرائض سرانجام دینے آیا تو آپ مسجد ہذا کے خطیب تھے۔ آپ کا اندازِ خطاب بہت دل پذیر تھا۔ جملوں میں تطہیر، گفتگو میں پاکیزگی، الفاظ میں شستگی اور مضمون میں تسلسل ہوتا تھا۔ فصاحت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے آیہ کریمہ مُحمدرّسُول اللّٰہ والّذین مَعَہٗ......الخ پر مسلسل ایک سال تقریر فرمائی۔ دورانِ تقریر یوں محسوس ہوتا کہ علم کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ آپ کا خطاب سننے کے لئے شائقین دور دراز سے کاروں، موٹر سائیکلوں، تانگوں پر اور پاپیادہ آذان جمعہ سے قبل مسجد میں پہنچ جاتے۔ آپ کی تقریر صرف پڑھے لکھے ہی نہیں، اَن پڑھ لوگ بھی باآسانی سمجھ لیتے تھے۔ دورانِ تقریر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے تو ہر شخص پر رقت طاری ہوجاتی۔ لوگ آپ کی تقریر سے روحانی پیاس بجھاتے اور آپ کی زیارت سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے تھے۔

حضرت صاحبزادہ صاحبؒ پیکر اخلاق تھے۔ چھوٹے، بڑے، امیر غریب سب سے یکساں محبت و شفقت سے پیش آتے۔ کسی کی دلآزاری نہیں فرماتے تھے۔ میری موجودگی میں تقریباً 12 سال آپ نے مدنی مسجد میں جمعہ پڑھایا مگر اپنے قول و فعل سے کسی کو کبھی رنج نہیں پہنچایا۔

سادات کا بہت احترام کرتے تھے۔ راقم الحروف سے آپ بہت اُنس فرماتے تھے۔ بعض اوقات جب میں پریشان ہوتا تو آپ چہرہ دیکھتے ہی پہچان لیتے اور فرماتے ''شاہ صاحب! آج آپ پریشان ہیں۔'' پھر اپنی من موہنی باتوں سے میرا غم ہلکا کر دیتے۔ اکثر رانا فقیر محمد، مرزا عبداللطیف، شوکت حسین مرحوم اور فقیر جب کسی دینی یا

دنیاوی مسئلہ کے متعلق آپ سے پوچھنے کا ارادہ کرتے تو آپ ہمارے عرض کرنے سے پہلے ہی وہ مسئلہ خود بخود ارشاد فرما دیتے اور یوں آپ ہمارے دلوں کا حال جان لیتے تھے۔ ایک ولی کامل کے لئے یہ مشکل نہیں ہوتا وہ مخلوقِ خدا کے دلوں کا حال جان لے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ نذر و نیاز کے بارے میں مشائخ کا فرمان ہے کہ طمع نہ کر، منع نہ کر اور جمع نہ کر۔ یعنی لالچ نہ کیا جائے، اگر کوئی نذر پیش کرے تو قبول کر لی جائے اور جو کچھ پاس ہو، راہِ خدا میں تقسیم کر دیا جائے، جمع کر کے نہ رکھا جائے۔

ایک دفعہ بدنظری کے متعلق فرمایا کہ جب آپ کی آنکھیں پاک ہوں تو سمجھیں کہ دل بھی صاف ہے۔ اگر آنکھیں کسی نامحرم کو نہ دیکھیں تو دل میں کبھی کوئی برائی پیدا نہ ہو۔ جب بھی کسی نے اپنی آنکھوں کو نامحرم سے بند کیا تو اسے اللہ رب العزت کی عبادت میں حلاوت نصیب ہوئی۔

ایک دفعہ شوکت مرحوم نے عرض کیا کہ مجھے ایک شخص تنگ کرتا ہے، اجازت ہو تو اس سے انتقام لوں۔ آپ نے فرمایا! ''کہ شیر کی لڑائی شیر سے ہوتی ہے، گیدڑ سے نہیں اور گیدڑ کا تعاقب شیر کے شایانِ شان نہیں۔ جو کسی مسلمان کو ناجائز تنگ کرتا ہے یا اس کا دل دکھاتا ہے، وہ گیدڑ ہے۔''

حامد محمود جانباز
فیصل آباد

22 مئی 1987ء کو بندہ ناچیز مکان شریف کفری حاضر ہوا اور آپ کی روحانی کشش، سادگی اور لطف وعنایت کو دیکھتے ہوئے آپؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔ عرصہ 9 سال میں متعدد بار مکان شریف پر حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ آپؒ کو میں نے سراپا مہر و وفا اور پیکرِ شفقت وعنایت پایا۔ آپؒ شرافت وصداقت کا مجسمہ اور سلف صالحین کی حقیقی تصویر تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسی پرکشش روحانی اور مجسم حسن وخیر شخصیات بہت کم دیکھی ہیں۔ آپؒ کی حیثیت نور کی اس کرن کی تھی جو چاروں طرف روشنی ہی روشنی پھیلاتی ہے۔ آپ کے انتقال سے وادی سُون ہی نہیں، پاکستان کا تیسرا بڑا شہر فیصل آباد بھی اس مینارۂ نور کی ضیا پاشیوں سے محروم ہو گیا۔ آپ کی شفقت وعنایت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

ایک مرتبہ ہم چند دوست آپؒ کی آرام گاہ کے باہر چار پائیوں پر بیٹھے تھے۔ آپؒ نے ہمارے ایک دوست ابرار احمد باری سے فرمایا ''باری صاحب! بیٹھک میں چلے جاؤ اور جو چیز تمہیں پسند آئے اٹھا لو۔'' باری صاحب بیٹھک میں سے اپنی پسند کی چیز اٹھا لائے۔ آپ خوش ہو گئے۔ آپؒ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے پاس چیزیں رکھ کر کیا کرنی ہیں۔ میں تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت کے لئے مامور ہوں۔ ہم چند دوست مکان شریف پر حاضر ہوئے، واپسی پر آپؒ نے مجھے قرآنِ پاک کا ایک دیدہ زیب نسخہ عطا فرمایا۔ اسی طرح ایک مرتبہ واپسی پر آپ نے مجھے شہد عطا فرمایا اور ساتھ کہا کہ ''یہ سفر میں تمہارے کام آئے گا۔'' وہی ہوا ہم مکان شریف سے مری چلے گئے۔ وہاں رات ہوٹل میں ٹھہرے۔ رات کو برف باری ہو گئی۔ سردی اتنی شدید تھی کہ دو لحاف لینے کے باوجود ہم ٹھٹھر رہے تھے۔ اس وقت شہد نے کام دکھایا۔ سبھی دوست ساری رات جاگتے رہے اور شہد کھا کھا کر رات

گزاری۔صبح ہوتے ہی واپسی کی راہ لی۔

آپؒ کا انداز زندگی نہایت سادہ تھا۔ نیلے رنگ کا تہبند اور سفید رنگ کا کرتہ زیب تن رہتا۔آپ اکثر نماز عصر سے کچھ پہلے یا بعد سیر کے لئے سہر ال موڑ تک پیدل جاتے تھے۔کئی مرتبہ سیر کیلئے آپ کے ہمراہ جانے کا موقع ملا۔مکان شریف سے نکلتے تو راستے میں نگاہیں نیچی کئے، تسبیح پر زیرِ لب وِرد کرتے جا رہے ہوتے تھے۔میں نے اکثر دیکھا کہ راستے میں کاریں، موٹر سائیکل، بسیں، ٹرک حتیٰ کہ ایئر فورس کی گاڑیوں والے رک جاتے اور ادب سے سلام پیش کرتے۔آپؒ سیر کے دوران گفری موڑ سے تھوڑے فاصلے پر سڑک کے کنارے واقع مزار المعروف ''معصوم والی بیری،، پر فاتحہ ضرور پڑھتے تھے۔

جناب محمد عزیز سیالوی
انگہ (خوشاب)

خواجہءِ من قبلہءِ من دین من ایمانِ من
من بہ قربانت شوم اے یوسفِ کنعانِ من

حضرت صاحبزادہ عزیز احمد رحمۃ اللہ علیہ ہمہ صفت موصوف تھے۔ آپ ولی کامل تھے۔ بہترین استاد، مشفق باپ، نیاز مند بیٹے مخلص اور وفا شعار دوست، بے مثل مرید اور باکمال پیر تھے۔ آپؒ کی شخصیت تین تکونوں کا ایک بہترین امتزاج تھا۔ استاد، مبلّغ اور راہنمائے سلوک و معرفت۔ آپ کا تدریسی دور تقریباً چالیس سال کے عرصہ پر محیط ہے۔ مدرس کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے علم کو شاگرد کے سینے میں اتار دے۔ آپ اس فن کے ماہر تھے۔ سبق کے مشکل مقامات کو ایسے سادہ اور سلیس اسلوب میں بیان فرماتے کہ وہ طلبہ کے ذہن نشین ہو جاتے۔ مسلکِ اہلسنت کی ترویج کے لئے تو گویا آپ کی زندگی وقف تھی۔ عظمتِ رسول ﷺ کا بیان جہاں ہو رہا ہوتا، حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کی وہاں موجودگی یقینی ہوتی تھی۔ علاقے میں آپ کی تبلیغی کاوشوں نے مسلکِ اہلسنت کو بہت تقویت دی۔ بحرِ طریقت و حقیقت کے تو آپ غوّاص تھے۔ حضرت پیر سیال غریب نواز کی نسبت اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کے طفیل آپ کو بارگاہِ رب العزت میں بلند مقام حاصل تھا۔ آپ نے کئی تاریک دلوں کو معرفتِ خداوندی کے نور سے منور کیا۔ بندہ بھی ان خوشہ چینوں میں سے ایک ہے جنہیں آپؒ روحانی و باطنی عنایات سے نوازتے رہے۔ مجھے اس نسبتِ غلامی پر ہزار مرتبہ ناز ہے۔ آپ کے چند ملفوظات نذرِ قارئین ہیں۔

ایک دفعہ ایک مولوی صاحب نے کسی وظیفہ کی اجازت طلب کی اور عرض کیا کہ آپ نے مجھے پہلے جو وظیفہ عطا فرمایا تھا اس سے مجھے بڑے فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ آپ

نے سرزنش کی اور فرمایا! اللہ کا ذکر صرف اللہ کی رضا کے لئے کرنا چاہیے، کسی دنیاوی غرض کے لئے نہیں۔

استاد غوث محمد صاحب شکر کوٹ سے تعویذ لینے حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا! آپ صرف ملاقات کے لئے آتے تو کیسا اچھا ہوتا۔

شوکت حسین مرحوم (فیصل آباد) سلسلہ قادریہ میں دربار سلطان باہو سے بیعت تھے۔ انہوں نے آپ سے دوبارہ بیعت کر لی۔ بعد میں تردد ہوا کہ میری تو پہلے بھی بیعت تھی۔ خواب میں زیارت ہوئی اور دیکھا کہ حضرت سلطان باہوؒ اور حضرت صاحبزادہ صاحبؒ اکٹھے تشریف فرما ہیں۔

فرمایا! حضرت شمس العارفین خواجہ محمد شمس الحق والدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد گرامی حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کسی بزرگ سے ملنے گئے۔ حضرت مولانا نے حضور پیر سیالؒ سے پوچھا کہ ان بزرگوں کے بارے میں کیا رائے ہے۔ تو حضرت پیر سیالؒ نے فرمایا۔ بے شک باخدا ہیں، مگر کامل نہیں۔ کیونکہ اٹھتے وقت چادر ٹخنوں سے نیچے تھی۔

فرمایا! حضرت مولانا فخر جہاں دہلویؒ، حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ کے مرشد گرامی ہیں۔ مرزا جان جاناں نے اعتراف کیا ہے کہ لوگ کئی سال پڑھا کر عالم بناتے ہیں، حضرت فخر جہاںؒ صرف نظر اٹھا کر عالم بنا دیتے تھے۔ رمضان المبارک میں آپ بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک ہندو نے مٹھائی پیش کی۔ آپ نے کھا لی۔ لوگ حیران رہ گئے کہ حضرت نے روزہ توڑ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک روزہ توڑنے سے اکسٹھ روزے رکھنے پڑیں گے۔ مگر اس کا دل توڑتا تو اسکی تلافی کبھی نہ ہو سکتی۔ یہ سن کر اکثر ہندو مسلمان ہو گئے۔ پھر فرمایا! جن لوگوں کے دل دریا اور کردار عظیم تھے انہیں دیکھ کر لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے۔

فرمایا! حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آدمی سے قرض لینا تھا۔ آپ اس کے پاس گئے۔ اس نے کہا آپ یہاں انتظار فرمائیں میں ابھی آتا ہوں۔ وہ گھر گیا۔ آپ

دھوپ میں کھڑے رہے۔ کسی نے عرض کی آپ دیوار کے سائے میں کھڑے ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں دیوار کے سائے میں اس لئے کھڑا نہیں ہوتا کہ کہیں یہ سود نہ بن جائے۔

فرمایا! حضرت فخر جہاںؒ کے پاس ایک عورت بچہ دم کرانے آئی کہ یہ گڑ کھاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کل دم کروں گا کیونکہ آج میں خود گڑ کھا چکا ہوں۔ فرمایا! یہ ہے کردار کی مضبوطی۔

فرمایا! حضرت خواجہ شیخ الاسلام محمد قمرالدین سیالویؒ مکان شریف پر تشریف فرما تھے۔ سخت آندھی آ گئی۔ حضرت باوا جی صاحبؒ، آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضور اندر تشریف لے آئیں، باہر مٹی اڑ رہی ہے۔ آپ نے فرمایا! میاں صاحب: ممکن ہے یہ مٹی مقبولانِ بارگاہ کے پاؤں سے مس ہو کر آ رہی ہو، میرے چہرے اور سینے پر پڑے میری بخشش ہو جائے۔

ڈاکٹر نذیر صاحب کو قلم دیتے ہوئے فرمایا! جب کسی غریب کے لئے نسخہ لکھو گے تو مجھے بھی ثواب ملے گا۔ پھر فرمایا! حضرت عبداللہ بن مبارکؒ منصور کی مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔ قلم دان منصور سے دور اور آپ کے قریب تھا۔ منصور نے کہا قلم تھوڑا آگے کرنا۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں نہیں کرتا کہ شاید تو اس کے ساتھ ناانصافی کا کلمہ لکھ دے تو یہ تعاون علی الاثم ہو جائے گا۔

فرمایا! حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ہر روز جتنی مرتبہ باہر جاتے اور واپس تشریف لاتے تو اپنی والدہ ماجدہ کے قدم چومتے تھے۔ پھر فرمایا! یہی میرے آقا حضور شیخ الاسلامؒ کا طریقہ تھا۔

فرمایا! حضرت ابواسحاق شعرانیؒ کی والدہ نے رات کو پانی مانگا۔ آپ پانی لائے تو والدہ سو چکی تھیں۔ ساری رات کھڑے رہے صبح والدہ صاحبہ بیدار ہوئیں تو پانی پیش کیا۔ ماں کی خدمت کی وجہ سے حضرت شعرانیؒ کو قدرت نے بلند مقام عطا فرمایا۔

ڈاکٹر بدرالدین صاحب جانے لگے تو اٹھ کر ملے اور فرمایا! اللہ تعالیٰ تمہیں جمعیت، اطمینان قلب اور سکون عطا کرے۔ مجھے ایسے لوگوں پر پیار آتا ہے، جن کا ملنا محض خدا کے لئے ہو۔ آپ کا ملنا محض فی سبیل اللہ ہے، اللہ تعالیٰ اس میں اضافہ فرمائے۔

فرمایا! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضورﷺ کی باتیں یاد کر لیتے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ لکھ لیتے تھے۔ اکابر کی باتیں لکھنا بڑی سعادت ہے اور نہ لکھنا محرومی۔

کسی آدمی نے سفارشی رقعہ لکھوایا اور نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے اُسے واپس کرتے ہوئے فرمایا! یہ مشائخ کے معمول کے خلاف ہے۔

سڑک پر کچھ درخت جن کی ٹہنیاں اور شاخیں گاڑیوں کے گزرنے کی وجہ سے تراشی جا چکی تھیں، دیکھ کر فرمایا! ''مردِ کامل کے ساتھ رہنے سے اسی طرح غیر ضروری باتیں انسان سے جھڑ جاتی ہیں''

فرمایا! خوشی اور غم دونوں کا خالق اللہ ہے۔ خوشی، غم کا پیغام ہوتی ہے۔ دونوں حریم قدس سے آتے ہیں۔ انسان دوست کی بھیجی ہوئی چیز کو ناپسند کرے اسے لائق نہیں۔ پھر فرمایا! اللہ تعالیٰ سکھ دیتا ہے شکر کے لئے اور دکھ دیتا ہے صبر کے لئے۔

کسی نے پوچھا صلوٰۃ وسلام اذان سے پہلے ہونا چاہیے تو فرمایا! یہ جو کہتے ہیں درود وسلام اذان کا حصہ بن جائے گا، غلط ہے۔ اذان اپنی وضع، ترتیب اور عظمت کے اعتبار سے ایک جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ کچھ وقت کے بعد اذان کا حصہ بن جائے گا یہ بھی غلط ہے اور قطعاً قرین قیاس نہیں۔ دوسرا یہ اظہارِ تشکر کے طور پر ہے کہ اے محبوب کریم! ہم اللہ رب العزت سے پیٹھ پھیر چکے تھے آپ نے ہمیں صراطِ مستقیم پر چلایا۔ لہٰذا ہم آپ پر درود وسلام پڑھتے ہیں۔

آپ کے پاس تبلیغی جماعت کے چند آدمی بیٹھے تھے۔ علم غیب کُلی اور جُزی کے بارے گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا! اللہ رب العزت کے علم کے اعتبار سے حضورﷺ کا علم جُزی اور مخلوق کے اعتبار سے کلی ہے۔

فرمایا! مولانا خدا بخش صاحب نے ایک دن نماز جنازہ پڑھائی تو کہا کہ جنازہ کے بعد دعا مردُود ہے۔ دوسرے دن پھر جنازہ ہوا۔ جنازہ پڑھا کر فرمایا مودودی صاحب بہت بڑے عالم تھے فوت ہو گئے ہیں، ان کی مغفرت کے لئے مل کر دعا کر لیں۔ عجیب تضاد تھا ان کے عقائد و خیالات میں۔ فرمایا! میں نے وہابیوں میں علم دیکھا ہے، عقل

نہیں دیکھی۔فرمایا! مولوی رشید احمد گنگوہی نے مناجات کہی ہے،''یارسول اللہ فریاد ہے''۔
ان کا عقیدہ تھا کہ کوئی محبت سے الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ اس خیال سے پڑھے کہ فرشتے، حضور تک میرا اسلام پہنچا دیں گے تو جائز ہے۔فرمایا! حضور علیہ کا سامع ہونا بدہی ہے۔علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو ہمہ وقت رسول اللہ کی بارگاہ میں حاضر تصور کرنا چاہیے۔

حدیث پاک میں آتا ہے مَامِنْ عَبْدٍ حَیْثُ کَانَ یُصَلّی اِلاَّبَلَغَنِیْ صَوْتُه'۔
ترجمہ: کوئی بندہ جہاں کہیں بھی صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے اس کی آواز مجھے پہنچتی ہے۔
صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہوئے خیال کرنا چاہیے کہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر پڑھ رہا ہوں۔اہل دیوبند کے اکابرین میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔مولوی حسین احمد مدنی ''شہاب ثاقب'' میں کہتے ہیں بے شک جو لوگ یارسول اللہ کا انکار کرتے ہیں وہابی خبیث ہوتے ہیں۔رشید احمد گنگوہی کہتے ہیں وہابی اچھے لوگ ہیں۔

اختیارات مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بحث کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حلال وحرام کا اختیار دیا۔حضرت سراقہ کیلئے چھ ماہ کا بکرا قربانی کیلئے جائز قرار دے دیا۔

عرض کیا گیا یارسول اللہ کیا حج ہر سال فرض ہے۔آپ خاموش رہے پھر عرض کیا گیا تو فرمایا لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ۔اگر میں ہاں کہہ دیتا تو واجب ہو جاتا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اُتیتُ مقالید السموٰات والارض مجھے آسمان وزمین کی چابیاں دی گئیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اونٹنی پیچھے رہ گئی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھڑی لگائی تو سب سے آگے چلنے لگی۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر سے فرمایا تیری اونٹنی کو کیا ہو گیا۔تو حضرت جابر نے عرض کیا۔اصابت برکتک یارسول اللّٰہ۔
یارسول اللہ آپ کی برکت حاصل ہوگئی۔

فرمایا! موت کے قریب روح جسم پر غالب آجاتی ہے اور آدمی کو گفتار کا سلیقہ بھی آجاتا ہے۔

فرمایا! اب زمین کا پیٹ بھرا ہوا اور پیٹھ خالی ہے۔

فرمایا! اب حالت یہ ہے کہ پیر، مرید اور مرید، مراد بن چکے ہیں۔

فرمایا! برے ارادے کی نحوست ہوتی ہے مگر برے عقیدے کی نحوست اس سے بھی زیادہ ہے۔

فرمایا! موجودہ دور تو ہمات کا دور ہے۔ قدم قدم پر نفرتیں ہیں۔ ذرا جھونکا آئے تو قدم اکھڑ جاتے ہیں۔

فرمایا! دیوبندی، جو کچھ کتابوں میں ہے، اسے ظاہر نہیں کرتے۔ وہی باتیں جو ان کی کتابوں میں ہیں اگر ہم کہیں، تو مشرک بن جاتے ہیں۔

فرمایا! میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کسی کو سکھ پہنچانے کا ارادہ کیا جائے تو اس میں بھی برکت ہوتی ہے۔

فرمایا! حضرت خضر علیہ السلام کا نام عبدالرحمٰن ہے ''خضر'' سبزے کی وجہ سے لقب پڑ گیا۔

تبلیغی جماعت کے ایک آدمی کو فرمایا۔ قبلہ کی طرف منہ کرتے ہو تو قبلہ نما کی طرف بھی کر لیا کرو۔

فرمایا! فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة۔ یعنی دانا کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا

فرمایا: مَنْ نظَرَ اِلی الخلق ھلک من نظَرَ اِلی الْحق مَلک۔ جس نے مخلوق کی طرف دیکھا ہلاک ہو گیا۔ جس کی نظر حق تعالیٰ پر رہی بامراد ٹھہرا۔

فرمایا! اللہ کی پہچان ہوتی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل۔ بغیر وساطتِ پیغمبر اللہ تعالیٰ تک رسائی ناممکن ہے۔

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الحق والدّینؒ کے وصال کے موقع پر فرمایا! حضرتؒ کا وصال حیران کن ضرور ہے، پریشان کن نہیں۔ پھر فراقیہ غزلوں اور نظموں کے بارے فرمایا! ہجر اہم ضرور ہے مگر اتنا نہیں، کیونکہ اتنا اہم ہوتا تو محبوبانِ خدا کے دربار اجڑ جاتے اور لوگوں کا آنا جانا نہ ہوتا۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا
میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا

فرمایا! راہِ سلوک میں مقامِ غیرت تو ہے، خدا کرے عداوت نہ ہو۔ کیونکہ محبوبانِ خدا سے دشمنی خسارے کا باعث بنتی ہے۔

حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں اگر پیر سو دفعہ کہے کہ تو میرا مرید نہیں تو مرید مرید رہتا ہے اور بیعت نہیں ٹوٹتی۔ مگر مرید ایک دفعہ بھی کہہ دے کہ تو میرا پیر نہیں تو بیعت ٹوٹ جاتی ہے۔ کیونکہ یہ تعلق عابد اور معبود جیسا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ فرما دے تو میرا بندہ نہیں تو پھر بھی بندہ خدا کا بندہ ہے۔ لیکن اگر بندہ کہہ دے کہ تو میرا خدا نہیں تو کافر ہو جائے گا۔

فرمایا! جو اللہ والوں کے غلام ہوتے ہیں وہ ان کے انتقال کے بعد بھی ان کی توجہ سے محروم نہیں ہوتے۔

فرمایا! کچھ مُردے ایسے ہوتے ہیں جن کا جنازہ پڑھنے والے بخشے جاتے ہیں۔

شجرہ شریف کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا جو شخص ۲۵ دفعہ پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت براری فرماتا ہے۔ خواجگان کی توجہ، صفائی قلب اور محبت کے لئے اکسیر ہے۔ دعا کے مستجاب ہونے کے لئے مجرب ہے۔ ایک شخص نے پڑھا، سارے خواجگان کی زیارت سے مشرف ہوا۔ کسی نے قصیدہ بردہ شریف کا ذکر کیا تو ارشاد فرمایا، حضرت امام بوصیری نے جب پہلا مصرع لکھا تو دوسرا مصرع درست نہ ہوا۔ خواب میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا "علی حبیبک خیر الخلق کلھم" لکھ دو۔ اس طرح شعر مکمل ہو گیا۔

مولای صل وسلم دائماً ابدا

علی حبیبک خیر الخلق کلھم

قصیدہ بردہ کے ہر شعر کی الگ تاثیر ہے۔ جنات کے شر سے بچنے کے لئے یہ شعر پڑھنا چاہیے۔

ومن تکن برسول اللہ نصرتہ

ان تلقہ الاسد فی اجامھا تجم

حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمدؒ کی سرگودھا تقریر تھی۔ گلا نہایت خراب تھا، بول نہیں سکتے تھے۔ طالب علموں کو بُلا کر فرمایا، شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدّین مدظلہ العالی کا

حکم ہے، جانا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا تم یہ شعر 701 دفعہ پڑھو۔ خود سرگودھا تشریف لے گئے۔ شام کو ہم بھی سرگودھا پہنچ گئے۔ دیکھا حضرت شیخ الاسلامؒ صدارت فرما رہے تھے۔ حضرت محدث اعظم پاکستان تقریر فرما رہے تھے اور گلا بالکل صاف تھا۔ شعر یہ تھا

یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ
سواک عند حلول الحادث العمم

The Pakitan Times November 3,1995

SAHIBZADA AZIZ AHMED
A symbol of piety

M.Amir Awan

Sahibzada Aziz Ahmad, a prominent religious and spiritual figure of soon sakesar (Tehsil Khushab) suffered a heart attack on October 3 which proved fatal. Makan Sharif has remained the centre of spiritual training and advancement ever since the days of Mian Abdul Aziz and it has contributed significantly to the spiritual enlightenment of the people of the area.The locale and air of Makan Sharif reminds one of the believes of early days of Islam. Sahibzada Aziz Ahmad,s death has created a vacuum which will be very difficult to fulfill.

Sahibzada Aziz Ahmad remained devoted to the teaching and preaching of Islam throughout his life .Born in February 1937,he had his initial schooling at home or through the assistance, guidance and coaching of his father , Late Mian Abdul Hameed, Who was a highly revered mystic of his times . After successful completion of Dars-i-Nizami,Sahibzada Aziz Ahmad travelled to Uchalla (Soon Sakesar), Moazam Abad and Faisalabad. He enriched his treasury of knowledge from the seminaries of such eminent luminaries as Maulana Qutub-ud-Din (Uchala), Maulana Abdul Shakoor (Moazam Abed) and Maulana sardar Ahmed (Jamia Rizvia, Faisalabad). He had his specialisation in Hadith at Jamia Rizvia and shifted to Sial Sharif for pracitcal training and attainments in mysticism from his spiritual mentor, Shaikh-ul-Islam Kh.Qamar-ud-Din Sialvi.

It was during his stay at Jamia Rizvia that Sahibzada Aziz Ahmad developed an intense love for the Holy Prophet (P.B.U.H).His stay at Jamia Rizvia was a turning point in his life. it

was because of this love that he renounced all love for earthly things and was deeply drawn into a life of purity and self-mortification.His stay at Sial Sharif fuelled further his fire for mystic attainments which, according to him, is not possible without one,s frenzied love for the Holy Prophet (peace be upon him).It was at Sial Sharif that he remained under the spell of such spiritual fits and lost any remaining interest in material pursuits or possessions.Late Khawaja Qamar-ud-Din Sialivi,s love and training enabled him to understand the delicacies of "sufism" in a shorter span of time .

Sahibzada Aziz Ahmed,s religious achievements earned him the place of sadar Mudaras at Darul Uloom Zia Shams-ul-Islam.He remained engaged in teaching for Ten years at the Darul Uloom, Sial Sharif .It was because of his untiring efforts and commitment to the teaching of Islam that the Darul Uloom Attained the status of an academy of higher learning in Islam.It was durng this association with the Darul Uloom that students from such foreign lands as Afghanistan, even Egypt, were attracted to the Darul Uloom of Sial Sharif.It was at his persuasion that regular flasses apart from specialised religious education , were opened at the Darul Uloom.Sahibzada Aziz Ahmad wanted to equip the students of this seminary with modern and religious education to enable them to face the challenges of a scinetific age.Today several students , who had their schooling at Darul Uloom , are working as doctor , engineers and professors at various institution in Pakistan.

Sahibzada Aziz Ahmed stressed the need to adopt modern techniques to disseminate Islamic teachings and acquire scientific knowledge for the resolution of Quranic mysteries .He believed that national approach , answers and aareness alone can attract the misguided youth to the fold of Islam today . Sahibzada Aziz Ahmed had a vast experience of teaching and administration.Prior to his posting at Sial Sharif , he had been working as Sadar Mudaras (Principal),at Jamia Rizvia , Sangla Hile After the death of his father, Sahibzada Aziz Ahmed returned to his ancestral village of Kufri in Tehsil Khushab.

He led a quiet and isolated life for quite some time and involved himself in meditation in the mysteries of heavens and the universe. It was , however,after sometime that he started preaching in religion and spiritual guidance at the urging of the spiritual mentor , Khawaja Qamar-ud-Din Sialivi(R.A). A religious school was started where students from far and wide flocked to satisfy their thirst for education.

The school was , later , upgraded and 400 students now are studying at Jamia Qamar-ul-Islam.But greater part of his life remained devoted to mystic pursuits and religious guidance to the devotees of Makan Sharif.He strictly adhered to the Hanfi schoold of thought and bitterly opposed any violation of Shariah of the Holy Prophet (peace be upon him). It was because of his persistent efforts that Makan Sharif became a place of peace and scholarly advancement.Ulema used to visit him for the clarification of complicated religious and spiritual issues and his judicious observation began to be considered as the final world.

He had total command over the persian and Arabic languageds.He used to recite frequently Allama Iqbal,s verses,reflecting especially his love for the Holy Prophet (peace be upon him).He had a special liking for the company of scholars and learned persons who could comprehend the intricacies of mystic thought .

Periodic visits to Makan Sharif by Amir-i-Shariat Khwaja Muhammad Hamid-Ud.Din, Sajada Nashin of Sial Sharif, and the convening of special religious "Majalis" spurred religious and mystic activities in Soon Saesar.Regular religious tours to various areas created an atmosphere conducive for a movement aimed at the revival of a puritanic way of life for the people .Tours by Khawaja Hameed-ud-Din Sialvi and Sahibzada Aziz Ahmed successfully countered the onslaught of secular and deviationist veins in society.The mission to counter distorted views on religion was more difficult than the transmission of Islamic thought but both the religious leaders confronted such a storm very boldly.

Sahibzada Aziz Ahmed also wrote some boodklets to neunalize such deviatorist views among the youth. he had a plan

to write a few books to clarify Islamic thought on some controversial issues but his death left his mission unfulfilled.It is . however. believed that the work left unfinished by Sahibzada Aziz Ahmed will be accomplished by his illustrious son. Sahibzada Hamid Aziz Hameedi,who is now the Sajada Nashin of Makan Sharif

The mystics of Makan Sharif led a very clean and pious life, mostly away from the material allurements of life.They remained committed to mystic pursuits in the valleys and hutments of Soon Sakesar and continued providing spiritual solace to the pepole around. Mian Abdul Hamid was a staunch supporter of the Pakistan Movment. He spurned an offer of a rich tract of land under the "Ghari Pal" Scheme by the British.It annoyed his kith and kin but Mian Abdul Hamid remained adamant

از صدِ سخن پیرم یک نکتہ مرا یاد است
عالم نشود ویران تا میکدہ آباد است

حضرت میاں عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ

والد گرامی
حضرت صاحبزادہ عزیز احمد

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ

حضرت صاحبزادہ عزیز احمدؒ حضرت خواجہ محمد [illegible] مدظلہم کے ہمراہ

تعارفِ مُرتّب

صاحبزادہ محمد مسعود احمد (ایم۔اے اردو گولڈ میڈلسٹ)، خانقاہ معظمیہ معظم آباد کے دوسرے سجادہ نشین حضرت خواجہ محمد حسینؒ کے پوتے اور آستانہ عالیہ مکان شریف کفری کے دوسرے صاحب سجادہ حضرت میاں عبدالحمیدؒ کے نواسے ہیں۔ یوں جوہر سعادت ونجابت انکا خمیر ہے اور دولت علم وعمل وراثت۔

موصوف خاندان معظمیہ کے صالح ترین افراد میں سے ہیں۔ فکر میں پختگی ومتانت، رائے میں استواری واصابت، شعور میں فہم وفراست، مزاج میں شگفتگی وشرافت، برتاؤ میں وضع داری ومروت اور کردار میں یک رنگی وصداقت ہے۔ سماجی معاملات میں نہایت متواضع رویہ رکھتے ہیں۔ عملی آدمی ہیں۔ استاد کی حیثیت سے ہمیشہ مقبول اور کامیاب رہے ہیں۔

زیر نظر کتاب، ظاہری وباطنی طور پر ان کے اخلاص کا نقش جمیل ہے۔ کتاب کی ترتیب وتدوین میں انہوں نے جس جانفشانی کا مظاہرہ کیا ہے، وہ یقیناً قابل تحسین وستائش ہے۔ صاحبزادہ صاحب موصوف بجا طور پر تشکر وتبریک کے مستحق ٹھہرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے عظیم اسلاف کے مستند حالات قلمبند کر کے نیاز مندوں کی تسکین قلب ونظر کا سامان فراہم کیا ہے۔ **فجزاہ اللہ احسن الجزاء**

پروفیسر ڈاکٹر صاحبزادہ معین نظامی
یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور